فیض القدوری

لحل اسئلة

و

مشکلات القدوری

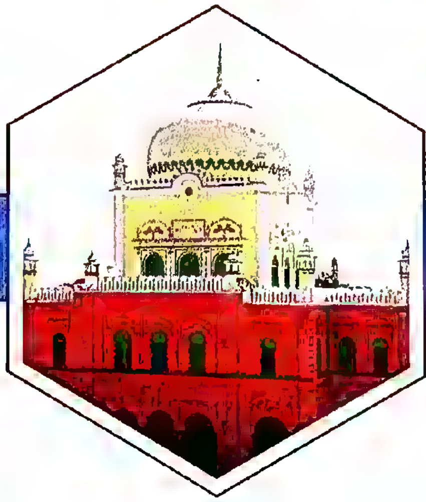

مرتب
محمد ابو سعید

باہتمام:
قاری فیض الحسن اعظمی

مکتبہ صوت القرآن دیوبند

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

تفصیلات

نام کتاب : فیض القدوری لحلّ اسئلۃ ومشکلات القدوری

مرتّب : محمد ابو سعید

باہتمام : فیض الحسن اعظمی

صفحات : 288

ناشر : مکتبہ صوت القرآن دیوبند 01336-223460

ملنے کے پتے

کتب خانہ حمیدیہ، جامع مسجد دہلی ۞ شبلی کتاب گھر اعظم گڈھ

ثاقب بک ڈپو سنبھل ۞ دیوبند اسلامک بک اسٹور دیوبند

مکتبہ صوت القرآن دیوبند

MAKTABA SAUTUL QURAN

Madani Market, Deoband, E-mail: faizulhasanazmi@gmail.com

Mob: 93586911053 Ph: 01336-223460

website: www.deobandtody.com/sautul-quran

Website: NewMadarsa.blogspot.com

Telegram channel : New Madarsa

انتساب

(۱) مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کے نام

(۲) ان اساتذہ کے نام کہ جن کی زیر تربیت رہ کر استفادہ کا موقع ملا، جن کی قیمتی نصیحتوں نے میرے دل میں کامیابی اور علمی آراستگی کا محبوب تصور پیدا کیا۔

(۳) والدین کے نام جن کی دعائیں زندگی کے تمام مراحل میں ساتھ رہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

عرضِ مرتّب

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّابَعْدُ:

ربِّ کائنات کا عظیم شکر واحسان ہے کہ اس نے احقر کو زیرِ نظر کتاب لکھنے کی توفیق مرحمت فرمائی۔

یہ کتاب ''معین القدوری لحل اسئلۃ ومشکلات القدوری'' جو قارئین کے سامنے پیش ہے ایک حقیر سی کوشش کا مجموعہ ہے، درسِ نظامی کی شہرہ آفاق کتاب ''قدوری'' جو اپنی جامعیت کی وجہ سے طلبہ کو مشکل ہوتی ہے، اور پڑھنے والوں کو یہ شکایت رہتی ہے کہ کئی بار پڑھنے اور یاد کرنے کے بعد بھی بات ذہن میں محفوظ نہیں رہتی، اس کا تقاضا تھا کہ اس مشکل کتاب کا سوال اور جواب کی شکل میں کوئی خلاصہ ہونا چاہیے، جس کو مختصر سے وقت میں پڑھنے سے کتاب کا ماحصل کسی حد تک ذہن میں جاگزیں ہو جائے، چنانچہ احقر نے یہ کتاب مرتب کی ہے اور ممکن حد تک اُن مشکلات کو حل کرنے اور مختصر انداز میں مفہوم کو ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

اخیر میں کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے قارئین سے درخواست ہے کہ اگر کہیں کوئی غلطی نظر آئے تو اس کو ہدفِ لعن وطعن نہ بنائیں بلکہ احقر کو مطلع فرمائیں، تاکہ اگلے ایڈیشن میں اس کی تصحیح ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس حقیر سی محنت کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔ (آمین)

محمد ابو سعید

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال نمبر (۱)، مختصر القدوری

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُؤُسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) اِس آیت سے مصنف علیہ الرحمہ کا کیا مقصد ہے؟ وضاحت کریں۔

(ج) طہارت کی لغوی و اصطلاحی تعریف کریں۔

(د) مصنفؒ کے حالات بیان کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اللہ تعالی نے فرمایا: اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو تو دھولیا کرو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے سروں کا اور (دھوؤ) اپنے پیروں کو ٹخنوں تک۔

(ب) اِس آیت سے مصنف علیہ الرحمہ کا کیا مقصد ہے؟

اس آیتِ شریفہ سے مصنف علیہ الرحمہ کا مقصد وضو کی فرضیت کو ثابت کرنا ہے، امام قدوریؒ نے اپنی کتاب کا آغاز آیتِ شریفہ سے برکتاً کیا ہے اور رتبۃً دلیل مقدم ہوتی ہے؛ اس لیے اوّلاً آیت کو ذکر کیا اس کے بعد وضو کی فرضیت کے دعوے کو اس پر مرتب کیا۔ (اللباب:۳۱/۱)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) طہارت کی لغوی واصطلاحی تعریف:

لغوی تعریف: طہارت بضم الطاء اس پانی کا نام ہے جس سے پاکی حاصل کی جا چکی ہو اور بکسر الطاء آلۂ نظافت اور بفتح الطاء مصدر ہے نظافت کے معنیٰ میں۔

اصطلاحی تعریف: نجاستِ حقیقیہ یا نجاستِ حکمیہ سے پاک ہونے کو طہارت کہتے ہیں۔ (البحر الرائق:۸/۱)

(د) مصنفؒ کے حالات:

نام ونسب: آپ کا نام ''احمد'' ہے، ''ابوالحسن'' کنیت ہے، ''قدوری'' گاؤں کی طرف یا ان کے پیشے کی طرف نسبت ہے، والد کا نام ''محمد'' ہے۔

سن پیدائش اور جائے پیدائش: امام قدوریؒ ۳۶۲ھ میں پیدا ہوئے اور مقامِ پیدائش شہر بغداد ہے۔

قدوری، نسبت کی تحقیق: صاحبِ مدینۃ العلوم فرماتے ہیں کہ قدوری کا مطلب دیگ سازی ہے، ان کے خاندان کے لوگ دیگ بناتے تھے یا اس کی خرید و فروخت کیا کرتے تھے؛ اس لیے ان کو قدور کی طرف منسوب کر کے قدوری کہنے لگے یا پھر آپ اس گاؤں کے باشندے تھے جس کا نام قدر تھا، اسی گاؤں کی طرف منسوب کر کے قدوری کہے جانے لگے۔

تحصیل علم: امام قدوری نے علمِ فقہ اور علمِ حدیث ابوعبداللہ محمد یحییٰ سے حاصل کیا جو امام ابوبکر جصاص کے شاگرد ہیں اور امام ابوبکر، ابوالحسن عبیداللہ کے تلمیذ رشید ہیں اور عبیداللہ، ابوسعید بردعی کے شاگرد ہیں اور ابوسعید، موسیٰ رازی کے فیض یافتہ ہیں اور موسیٰ رازی، امام محمد کے شاگرد ہیں گویا کہ امام قدوری نے پانچ واسطوں سے علم فقہ امام محمد شیبانی حنفی سے حاصل کیا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

وفات: امام قدوری نے ۵؍رجب ۴۲۸ھ میں شہر بغداد میں ۶۶ سال کی عمر میں وفات پائی اور اسی روز بغداد کے مقام درب ابی خلف میں مدفون ہوئے اس کے بعد آپ کو شارع منصور کی طرف منتقل کر دیا گیا، اِس وقت آپ ابوبکر خوارزمی کے پہلو میں آرام فرما ہیں۔

تصانیف: آپ نے بہت سی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں: ۱- تجرید، یہ سات جلدوں میں ہے، اس میں اصحابِ حنفیہ وشافعیہ کے اختلافی مسائل پر محققانہ بحث کی ہے۔ ۲- مسائل الخلاف، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے درمیان جو فروعی اختلاف ہے اس کا ذکر ہے۔ ۳- تقریب، اس میں مسائل مع دلائل ذکر کیے گئے ہیں۔ ۴- شرح مختصر الکرخی۔ ۵- شرح ادب القاضی۔ ۶- المختصر القدوری، اس کتاب کے اکثر مسئلے آیات، احادیث، اقوالِ صحابہ یا فتاویٰ تابعین سے مستنبط ہیں، بہت کم مسئلے ہیں جو قیاس کر کے لکھے گئے ہیں اور وہ بھی اُصول کے تحت مستخرج ہیں۔

سوال نمبر (۲)، مختصر القدوری

وَالْمِرْفَقَانِ وَالْكَعْبَانِ تَدْخُلَانِ فِيْ فَرْضِ الْغَسْلِ عِنْدَ عُلَمَائِنَا الثَّلاثَةِ خِلَافًا لِّزُفَرَ وَالْمَفْرُوْضُ فِي مَسْحِ الرَّأْسِ مِقْدَارُ النَّاصِيَةِ وَهُوَ رُبُعُ الرَّأْسِ لِمَا رَوَى الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ رض أَنَّ النَّبِيَّ اَتٰى سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ وَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى النَّاصِيَةِ وَخُفَّيْهِ

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) فرض اور غایت الاسقاط کی تعریف کریں۔

(ج) خلافاً لزفر کی وضاحت کریں۔

(د) سر کی کتنی مقدار پر مسح کرنا فرض ہے؟ ائمہ کا اختلاف مع دلائل بیان کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(الف) ترجمة

ہمارے تینوں علماء کے نزدیک دونوں کہنیاں اور دونوں ٹخنے دھونے کے فرض میں داخل ہیں، امام زفر کا اختلاف ہے۔ اور فرض سر کے مسح میں پیشانی کی مقدار ہے اور وہ چوتھائی سر ہے اس حدیث کی وجہ سے جو مغیرہ بن شعبہ نے روایت کی ہے: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کی کوڑی پر تشریف لائے پس آپ نے پیشاب کیا اور وضو کیا اور مقدارِ ناصیہ اور دونوں موزوں پر مسح کیا۔

(ب) فرض اور غایت الاسقاط کی تعریف:

فرض کی تعریف: فرض وہ حکم ہے جس میں زیادتی اور کمی کا احتمال نہ ہو اور ایسی دلیل قطعی سے ثابت ہو جس میں کسی طرح کا کوئی شک وشبہ نہ ہو۔

غایت الاسقاط کی تعریف: جس جگہ غایت مغیا میں کی جنس سے ہو جیسے آیتِ وضو میں ہاتھ کا اطلاق انگلیوں سے لے کر بغل تک ہوتا ہے اور فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ میں غایت کا ذکر کہنیوں سے اوپر کے حصہ کو دھونے کے حکم سے ساقط کرنے کے لیے ہے، اگر غایت ذکر نہ کی جاتی تو ہاتھوں کا دھونا بغلوں تک ضروری ہوتا۔

(ج) خلافاً لزفر کی وضاحت:

اس بارے میں اختلاف یہ ہے کہ کہنیاں ہاتھوں کے دھونے میں اور ٹخنے پیروں کے دھونے میں داخل ہیں یا خارج؟

امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک داخل ہیں، یہی قول امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہے اور ایک روایت امام مالکؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ (عینی:۱/۵۸، بدائع:۱/۶۸)

دوسرا مذہب: امام زفرؒ کے نزدیک خارج ہیں، یہی ایک روایت امام مالکؒ کی ہے۔ (عینی:۱/۵۸، بدائع:۱/۶۸)

امام زفر کی دلیل: جب کسی چیز کی انتہاء بیان کی جاتی ہے تو اس میں خود انتہا (غایت) داخل نہیں ہوتی، جیسے ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی اللَّیْلِ اس آیت میں غایت (رات) مغیا (روزہ) میں بالاتفاق داخل نہیں ہے، اسی طرح یہاں بھی کہنیاں اور ٹخنے ہاتھ اور پاؤں کے حکم میں داخل نہیں ہیں۔ (عینی:۱/۵۹، بدائع:۱/۶۸)

جواب: امام زفر کا یہ کہنا کہ غایت مغیا کے حکم میں مطلقاً داخل نہیں ہوتی، ہمیں تسلیم نہیں ہے؛ بلکہ غایت کبھی مغیا میں داخل ہوتی ہے اور کبھی خارج، اس کا قاعدہ یہ ہے کہ غایت کی دو قسمیں ہیں: (۱) غایت الاسقاط (۲) غایت الامتداد، اوّل میں غایت مغیا میں داخل ہوتی ہے اور ثانی میں خارج ہوتی ہے۔

(د) سر کی کتنی مقدار پر مسح کرنا فرض ہے؟ اختلافِ ائمہ مع دلائل:

اس سلسلہ میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام مالکؒ کے نزدیک اور امام احمدؒ کے ایک قول کے مطابق پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے۔

(۲) حنفیہؒ، شافعیہؒ اور حنابلہؒ کے نزدیک بعض سر پر مسح کرنے سے فرضیت ادا ہوجاتی ہے اور پورے سر پر مسح کرنا مسنون ہے، پھر تحدید کے سلسلہ میں اختلاف ہوگیا، حنفیہ کے نزدیک پیشانی کی مقدار سر کے حصہ پر مسح کرنا فرض ہے۔

شوافع کے نزدیک کم سے کم وہ مقدار جس پر مسح کا اطلاق ہوسکتا ہو؛ اگرچہ ایک ہی بال کیوں نہ ہو، اس پر مسح کرنے سے فرض ادا ہوجائے گا۔

امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی دلیل: وہ حدیث ہے جس کے الفاظ ہیں: "فَبَدَأَ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

بِمُقَدَّمِ رَأْسِهٖ ثُمَّ ذَهَبَ بِيَدِهٖ إِلٰى مُؤَخَّرِ الرَّأْسِ ثُمَّ رَدَّهُمَا إِلٰى مُقَدَّمِهٖ.

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدم رأس سے مسح شروع کیا اور گردن تک کھینچ کر لے گئے، اور مسح کرتے ہوئے دونوں ہاتھ سر کے اگلے حصہ پر لے آئے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے۔

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کے اندر پورے سر کے مسح کو فرض فرمایا ہے، یہ حکم بطورِ فرض نہیں ہے؛ بلکہ بطورِ کمالِ فضیلت ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے تین تین مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کرنا ثابت ہے؛ لیکن یہ تین مرتبہ فرض نہیں ہے؛ بلکہ ایک مرتبہ فرض ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: آیتِ وضو میں مسح رأس مطلقاً مذکور ہے، والمطلق یجری علٰی اطلاقہ کے قاعدہ کے مطابق مطلق سر کا مسح فرض ہوگا۔

جواب: آیتِ وضو میں مسح رأس مطلق نہیں؛ بلکہ مجمل ہے، اور مجمل پر عمل کے لیے متکلم کی جانب سے بیان ضروری ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یعنی مسح علی الناصیہ اس مجمل کا بیان ہے، لہٰذا مسح علی الناصیہ فرض ہوگا۔

حنفیہ کی دلیل: عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ عَلَيْهِ عِمَامَةٌ قِطْرِيَّةٌ فَاَدْخَلَ يَدَهٗ مِنْ تَحْتِ الْعِمَامَةِ فَمَسَحَ مُقَدَّمَ رَأْسِهٖ.

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ وضو کر رہے تھے، اور آپ کے سر پر قطری عمامہ تھا، آپ نے دونوں ہاتھ عمامہ کے نیچے داخل کیے پھر سر کے اگلے حصہ کا مسح کیا۔

ظاہر ہے کہ آپ نے پورے اگلے حصہ کا مسح کیا ہے اور تمام مقدم رأس ہی چوتھائی سر ہے، جس کو ناصیہ کہتے ہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال نمبر (۳)، مختصر القدوری

وَالْمَضْمَضَةُ وَالْاِسْتِنْشَاقُ وَمَسْحُ الْاُذُنَيْنِ وَتَخْلِيْلُ اللِّحْيَةِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) مضمضہ اور استنشاق میں احناف وشوافع کے اختلاف کی وضاحت کریں۔

(ج) مسح اذنین میں اختلافِ ائمہ مع دلائل واضح کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھی وضو میں مسنون ہے۔ وضو کی سنتوں میں سے دونوں کانوں کا مسح کرنا بھی ہے اور ڈاڑھی کا خلال کرنا بھی سنت ہے۔

(ب) مضمضہ اور استنشاق میں احناف وشوافع کے اختلاف کی وضاحت:

اس بارے میں تین مذاہب ذکر کیے جاتے ہیں۔

امام مالکؒ وشافعیؒ کے نزدیک وضو اور غسل دونوں میں کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا سنت ہے۔

امام احمدؒ کے نزدیک وضو اور غسل دونوں میں واجب ہے۔

حنفیہ کے نزدیک وضو میں دونوں سنت اور غسلِ جنابت میں دونوں فرض ہیں۔

امام مالکؒ وشافعیؒ کی دلیل: عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّ مِنَ الْفِطْرَةِ الْمَضْمَضَةَ وَالْاِسْتِنْشَاقَ. (ابوداؤد: ۱/۸) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا فطرت میں سے ہے۔

امام احمد کی دلیل: مضمضہ کے وجوب پر استدلال اس روایت سے ہے جس میں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِذَاتَوَضَّأْتَ فَمَضْمِضْ. یعنی جب تو وضو کرے تو کلی کر۔

اور استنشاق کے وجوب پر استدلال حضرت سلمہ بن قیس کی حدیث سے ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إِذَاتَوَضَّأْتَ فَانْتَثِرْ. جب تو وضو کرے تو ناک چھینک لیا کر، ان دونوں حدیثوں میں امر کا صیغہ آیا ہے، اور الامرُ للوجوب کے قاعدے کی رو سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا واجب ہے۔

جواب: دونوں حدیثوں میں امر کا صیغہ وجوب کے لیے نہیں؛ بلکہ استحباب کے لیے ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو وضو کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: تَوَضَّاءَ كَمَاأَمَرَكَ اللّٰهُ. (ترمذی:۶۶/۱) جس طرح اللہ نے حکم دیا ہے اسی طرح وضو کر اور قرآن میں جہاں اللہ نے وضو کا ذکر فرمایا ہے وہاں مضمضہ و استنشاق کا کوئی ذکر نہیں ہے، معلوم ہوا کہ یہ دونوں چیزیں وضو میں مونون ہوں گی نہ کہ واجب اور فرض۔ (کفایہ:۲۲/۱)

احناف کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے موقوفاً اور مرفوعاً منقول ہے۔ حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍؓ مَوْقُوفًا عَلَيْهِ وَمَرْفُوعًا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ هُمَا سُنَّتَانِ فِي الْوُضُوْءِ وَاجِبَتَانِ فِي الْغُسْلِ. (کفایہ:۲۳/۱، عینی:۹۱/۱)

یعنی کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا وضو میں سنت اور غسل میں فرض ہیں۔

(ج) مسح اذنین میں اختلافِ ائمہ مع دلائل:

کیا کانوں کے مسح کے لیے نیا پانی لیا جائے گا یا سر کے باقی ماندہ پانی سے ہی مسح کر لیا جائے گا، اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کانوں کا مسح سر کے پانی سے کرنا مسنون ہے۔

(معارف السنن:۱۸۲/۱، نیل الاوطار:۱۷۷/۱، بدائع الصنائع:۱۱۶/۱)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ماءِ جدید سے مسح کرنا مسنون ہے۔

(نیل:۱/۱۷۷، معارف السنن:۱/۱۸۲)

ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل: وہ حدیث ہے جس کے الفاظ ہیں: فَأَخَذَ لِأُذُنَيهِ مَاءً خِلَافَ الْمَاءِ الَّذِي أَخَذَ لِرَأْسِهِ. (نیل الاوطار:۱/۱۷۷، عینی:۱/۹۶، ابوداؤد:۱/۱۶)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کانوں کا مسح کرنے کے لیے اس پانی کے علاوہ پانی لیا جو سر کا مسح کرنے کے لیے لیا تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کانوں کا مسح کرنے کے لیے ماءِ جدید مسنون ہے۔

جواب: یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے جب کہ ہاتھوں کا پانی بالکل خشک ہوگیا ہو سر کا مسح کرنے کے بعد ہاتھوں پر تری بالکل باقی نہ رہی ہو ایسی صورت میں تو ہمارے نزدیک بھی ماءِ جدید لینا مشروع اور مسنون ہے۔ (فتح القدیر:۱/۲۵، البحر الرائق:۱/۲۸، عینی:۱/۹۶)

حنفیہ کی دلیل: وہ حدیث ہے جس کو ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِوُضُوءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَهُ وَفِيْهِ ثُمَّ غَرَفَ غُرْفَةً فَمَسَحَ بِهَا رَأْسَهُ وَأُذُنَيْهِ.

(فتح القدیر:۱/۲۵، البحر الرائق:۱/۲۸)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چلو پانی لے کر اس سے اپنے سر اور دونوں کانوں کا مسح کیا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کانوں کا مسح کرنے کے لیے ماءِ جدید کی ضرورت نہیں ہے۔

سوال نمبر (۴)، مختصر القدوری

وَيَسْتَحِبُّ لِلْمُتَوَضِّىْ اَنْ يَنْوِىَ الطَّهَارَةَ وَيَسْتَوْعِبَ رَأْسَهُ بِالْمَسْحِ وَيُرَتِّبُ الْوُضُوْءَ فَيَبْتَدِأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِذِكْرِهٖ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔
(ب) ترتیب کے سلسلہ میں احناف وشوافع کے اختلاف کی وضاحت کریں۔
(ج) مستحب کی تعریف کریں۔
(د) "یستوعب رأسهٔ بالمسح" اس عبارت کی تشریح کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور مستحب ہے وضو کرنے والے کے لیے طہارت کی نیت کرنا اور اپنے پورے سر کا مسح کرنا بھی مسنون ہے اور وضو مرتب کرے پس اس عضو سے شروع کرے جس کے ذکر سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا۔

(ب) ترتیب کے سلسلہ میں احناف وشوافع کے اختلاف کی وضاحت:

وضوء کے اعضاءِ مفروضہ میں ترتیب کا مسئلہ مختلف یہ ہے؛ چنانچہ علماءِ احناف کے نزدیک وضوء کے اعضاءِ مفروضہ کے درمیان ترتیب مسنون ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک فرض ہے۔ ان حضرات کی دلیل قرآن کریم کی آیت: "فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ الخ" ہے۔ وجہِ استدلال یہ ہے کہ فَاغْسِلُوْا میں "فاء" تعقیب کے لیے ہے اور تعقیب سے ترتیب کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، پس آیت سے قیام الی الصلوٰۃ اور غسلِ وجہ کے درمیان ترتیب ثابت ہوئی، اور جب غسلِ وجہ میں ترتیب ہوئی تو دیگر اعضاء میں بھی ترتیب ثابت ہوگی؛ کیونکہ وہ سب "فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ" پر معطوف ہیں اور کسی بھی مرتب پر معطوف ہونے والی چیز بھی مرتب ہوا کرتی ہے۔
(فتح القدیر: ۱/۳۷)

احناف کی دلیل: یہ ہے کہ آیت میں "فاء" کے بعد حرف "واؤ" ہے۔ یعنی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ کے بعد "واؤ" کے ذریعہ اَیْدِیَکُمْ وغیرہ کو اسی پر معطوف کیا گیا ہے اور اکثر نحویوں کا اِس بات پر اجماع ہے کہ "واؤ" مطلق جمع کے لیے آتا ہے۔ اب یہاں "فا" اور "واؤ" دونوں جمع ہو گئے اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں پر عمل کیا جائے؛ چنانچہ غور وفکر کے بعد معلوم ہوا کہ فَاغْسِلُوْا کا "فا" تعقیب کے لیے نہیں؛ بلکہ اِذَاقُمْتُمْ کے ذریعہ جو شرط بیان کی گئی ہے اسی شرط کے جواب میں واقع ہے، لہٰذا جب یہ تعقیب کے لیے نہیں ہے تو اس سے ترتیب کا اثبات چہ معنیٰ دارد؟ (احسن الہدایہ:۱/۹۱)

احناف کی طرف سے شوافع کی دلیل کا جواب: احناف کی طرف سے شوافع کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ "فا" تعقیب کے لیے ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اعضاءِ اربعہ کے مجموعہ کا دھونا قیام الی الصلوٰۃ پر مرتب ہے، پس قیام الی الصلوٰۃ اور اعضاءِ اربعہ کے مجموعہ کے دھونے کے درمیان ترتیب ثابت ہوگی نہ کہ اعضاءِ اربعہ میں؛ حالانکہ کلام اس میں نہیں؛ بلکہ اعضاء کی ترتیب میں ہے اور اس میں "واؤ" داخل ہے جو کہ ترتیب کا فائدہ نہیں دیتا۔ (فتح القدیر:۱/۳۷)

(ج) مستحب کی تعریف:

مستحب وہ فعل ہے جس کو نبی علیہ السلام نے کبھی کیا ہو اور کبھی ترک کردیا ہو اور اس کو علماءِ دین نے پسند فرمایا ہو۔ (درمختار:۱/۱۱۵)

(د) "يستوعب رأسهٗ بالمسح" اس عبارت کی تشریح:

سر کے مسح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہتھیلیاں اور دونوں ہاتھوں کی اُنگلیاں اُوّلاً تر کرے پھر دونوں ہاتھوں کی تین تین اُنگلیاں سر کیا گلے حصہ پر رکھے اور دونوں انگوٹھوں اور شہادت کی اُنگلیوں اور ہتھیلی کو جدا رکھے پھر ان کو کھینچ کر پیچھے کی طرف لے جائے، پھر دونوں ہتھیلیوں کو سر کے دونوں طرف سے کھینچتا ہوا آگے کی طرف لے آئے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

پھر دونوں انگوٹھوں سے دونوں کانوں کے ظاہر کا اور دونوں شہادت کی اُنگلیوں سے دونوں کانوں کے باطن کا مسح کرے۔ (فتح القدیر: ۱/۲۹)

اختلاف: امام شافعیؒ کے نزدیک مختلف تین پانیوں سے تین مرتبہ پورے سر کا مسح کرنا مسنون ہے، حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ کے نزدیک مسح علی الرأس ایک ہی مرتبہ کرنا مسنون ہے۔ (معارف السنن: ۱/۱۷۷، نیل الاوطار: ۱/۱۷۴)

امام شافعیؒ کی دلیل: عَنْ شَقِيْقِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ رَأَيْتُ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ غَسَلَ ذِرَاعَيْهِ ثَلٰثًا ثَلٰثًا وَمَسَحَ رَأْسَهُ ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ هٰذَا. (ابوداؤد: ۱/۱۵) نیز عبدالرحمٰن بن وردان کی روایت کے الفاظ بھی اسی کے مثل ہیں۔ (ابوداؤد: ۱/۱۴)

جواب: امام ابوداؤد نے حضرت عثمان کی جو دو حدیثیں پیش فرمائی ہیں وہ ضعیف ہیں جیسا کہ خود امام موصوف فرماتے ہیں: اَحَادِيْثُ عُثْمَانَ الصِّحَاحُ كُلُّهَا تَدُلُّ عَلٰى مَسْحِ الرَّأْسِ اَنَّهُ مَرَّةً. (ابوداؤد: ۱/۱۵) یعنی حضرت عثمان کی احادیث صحیحہ اس بات پر دال ہیں کہ مسح رأس صرف ایک مرتبہ ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت عثمان کی جن دو حدیثوں میں تثلیث مسح مذکور ہے، وہ ضعیف ہیں؛ کیونکہ ایک سند میں عبدالرحمٰن بن وردان ہے اور دوسری سند میں عامر بن شقیق ہے اور یہ دونوں ضعیف ہیں، كَمَا قَالَ فِي الْبَذْلِ إِنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنِ وَرْدَانَ وَكَذَالِكَ عَامِرُ بْنِ شَقِيْقٍ عِنْدَ اَبِىْ دَاوٗدَ وَلَيْسَا بِقَوِيَّيْنِ. (بذل: ۱/۶۷)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حضرت علیؓ نے وضو کیا وَمَسَحَ بِرَأْسِهٖ وَاحِدَةً ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا تَوَضَّاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی آپ نے سر کا ایک بار مسح کیا پھر فرمایا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو ہے۔ (ابوداؤد: ۱/۱۶)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال نمبر (۵)، مختصر القدوری

وَالدَّمُ وَالْقَیْئُ وَالصَّدِیْدُ إِذَاخَرَجَ مِنَ الْبَدَنِ فَتَجَاوَزَ إِلٰی مَوْضَعٍ یَلْحَقُهُ حُکْمُ التَّطْهِیْرِ وَالْقَیْءُ إِذَاکَانَ مِلأَ الْفَمِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) مطلب تحریر کریں۔ (ج) ائمہ اربعہ کے اختلاف کو بیان کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور خون پیپ اور کچ لہو جب کہ بدن سے نکلے اور بہہ جائے ایسے مقام کی طرف جس کو پاک کرنے کا حکم لاگو ہو اور قے جب کہ ہو منھ بھر کر۔

(ب) مطلب

خارج من غیر السبیلین میں سے بھی بعض چیزیں ناقض وضوء ہیں، ان میں یہ بھی ہے کہ زندہ آدمی کے بدن سے خون یا پیپ نکلے پھر ظاہر ہو کر ایسے مقام کی طرف تجاوز کر جائے جس کو پاک کرنے کا حکم ہے یعنی سبیلین کے علاوہ دوسرے مقام ۔ ج میں فقط نجاست کا ظاہر ہونا کافی نہیں؛ بلکہ سیلان شرط ہے؛ چنانچہ خون اگر زخم کے سر پر چڑھا مگر بہا نہیں تو وضو نہیں ٹوٹے گا، اسی طرح نواقضِ وضو میں منہ بھر کر قے کرنا ہے اور منھ بھر کر قے یہ ہے کہ جس کو بغیر مشقت اور کلفت کے روکا نہ جاسکے۔

(ج) ائمہ اربعہ کے اختلاف:

امام مالکؒ کے نزدیک صرف اس ناپاکی کے نکلنے سے وضو ٹوٹتا ہے جو خود بھی معتاد

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہو (وہ ناپاکی جو عام طور سے ہر انسان کے بدن سے نکلتی ہے، جیسے پیشاب پاخانہ) اور اس کا مخرج بھی معتاد ہو (سبیلین) لہٰذا خون پیپ کچ لہو قے وغیرہ سے وضوٹ نہ ٹوٹے گا۔

امام شافعیؒ کے نزدیک مخرج کا معتاد ہونا تو ضروری ہے؛ لیکن خارج کا معتاد ہونا ضروری نہیں ہے؛ اس لیے مذکورہ چیزوں سے وضو نہ ٹوٹے گا۔

(عینی:۱/۱۲۱، فتح القدیر:۱/۳۳، درسِ ترمذی:۱/۳۱۶)

خون کے ناقضِ وضو نہ ہونے پر دلیل

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع میں حضرت عباد بن بشیر کو تین تیر لگے تھے، ان کے جسم سے خون بہہ رہا تھا اور وہ اسی حال میں نماز پڑھتے رہے۔ (اعلاء السنن:۱/۸۵، عینی شرح ہدایہ:۱/۱۲۱، نیل الاوطار:۱/۲۰۷) اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خون ناقضِ وضو نہیں ہے۔

جواب: (۱) درحقیقت حضرت عبادؓ نماز اور تلاوتِ قرآن کی لذت میں اس قدر مستغرق تھے کہ انہیں خون نکلنے کی خبر ہی نہ ہوئی، آپ پر غلبۂ حال اور استغراق کی کیفیت تھی جس سے کوئی فقہی مسئلہ مستنبط نہیں کیا جاسکتا۔

(بذل المجہود:۱/۱۲۱، معارف السنن:۱/۳۰۹)

(۲) یہ فعلِ صحابی ہے، ممکن ہے کہ ان کا یہی مذہب ہو۔ (عینی:۱/۱۲۲، بذل المجہود:۱/۱۲۱)

(۳) صحابی رسول کا یہ جزئی واقعہ احادیثِ صحیحہ صریحہ کا مقابل نہیں ہوسکتا ہے۔

(معارف السنن:۱/۳۰۹)

قے کے ناقضِ نہ ہونے پر استدلال

اس روایت سے ہے: أَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَلَمْ يَتَوَضَّأْ. (عنایہ من

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہامش فتح القدیر: ۳۶/۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قے ہوئی؛ لیکن آپ نے وضو نہ کیا۔

جواب: آپ کی پیش کردہ روایت قے قلیل پر محمول ہے۔ (عنایہ:۳۶/۱)

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک کوئی بھی نجاست جسم کے کسی بھی حصہ سے خارج ہو وہ ناقض وضو ہے خواہ خروج نجاست عادۃً ہوا ہو خواہ بیماری کی وجہ سے۔ (اعلاء السنن:۸۷/۱، بذل المجہود:۱۲۳/۱) لہٰذا دمِ سائل اور منہ بھر کر قے ناقض وضو ہے۔

دمِ سائل کے ناقض ہونے پر دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: لَيْسَ فِي الْقَطْرَةِ وَلَافِي الْقَطْرَتَيْنِ مِنَ الدَّمِ وُضُوْءٌ إِلَّاأَنْ يَّكُوْنَ دَمًا سَائِلًا. (نیل الاوطار:۲۰۷/۱، عنایہ:۳۸/۱، عینی:۱۲۵/۱) خون کے ایک قطرے اور دو قطروں میں وضو واجب نہیں ہوتا؛ مگر یہ کہ خون بہنے والا ہو منہ بھر کر قے کے ناقضِ وضو ہونے پر استدلال اس روایت سے ہے کہ جس کو حضرت علیؓ نے نقل فرمایا ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزیں ناقضِ وضو ارشاد فرمائیں ان میں سے ایک منہ بھر کر قے بھی ہے۔

كَمَاقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَدَسْعَةٌ تَمْلَأُ الْفَمَ. یعنی قے جو منہ بھر دے۔

(نیل الاوطار:۲۰۵/۱، عینی:۱۳۱/۱، فتح القدیر:۳۸/۱)

سوال نمبر (۶)، مختصر القدوری

وَالنَّوْمُ مُضْطَجِعًا أَوْمُتَّكِئًا أَوْمُسْتَنِدًا إِلٰى شَيْءٍ لَوْأُزِيْلَ لَسَقَطَ عَنْهُ وَالْغَلَبَةُ عَلَى الْعَقْلِ بِالْإِغْمَاءِ وَالْجُنُوْنِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عبارت کی تشریح کریں۔

(ج) اغما اور جنون کی تعریف کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(الف) ترجمۃ

اور سونا کروٹ کے بل یا سہارا لے کر یا ٹیک لگا کر ایسی چیز کا کہ اگر وہ ہٹادی جائے تو وہ گر پڑے اور بے ہوشی کی وجہ سے عقل پر غلبہ ہوجانا اور پاگل پن ہے۔

(ب) عبارت کی تشریح:

ماقبل میں جن نواقض کا تذکرہ آیا ہے وہ حقیقی نواقض تھے، یہاں سے نواقضِ حکمی کا بیان ہے، نواقض وضو میں یہ بھی ہے کہ باوضو آدمی کروٹ پر سویا یا تکیہ لگا کر سویا کسی ایسی چیز سے ٹیک لگا کر سویا کہ اگر وہ چیز ہٹادی جائے تو یہ شخص گر پڑے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص بے ہوش ہوجائے، جس میں انسان مغلوب العقل ہوجاتا ہے، یا پاگل ہوجائے، تو ایسی صورت میں بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔

(ج) اغما اور جنون کی تعریف:

اغما کی تعریف: ایک بیماری کا نام ہے، جس میں انسان کے قُویٰ میں کمزوری پیدا ہوجاتی ہے۔

جنون کی تعریف: یہ ایسی بیماری ہے جس میں عقل بالکل ختم ہوجاتی ہے۔

(البحر الرائق: ۱/۴۱)

سوال نمبر (۷)، مختصر القدوری

وَالْقَهْقَهَةُ فِيْ كُلِّ صَلٰوةٍ ذَاتِ رُكُوْعٍ وَسُجُوْدٍ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب) عبارت کی تشریح کرتے ہوئے ائمہ کا اختلاف بیان کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور کھل کھلا کر ہنسنا رکوع وسجدہ والی نماز میں۔

(ب) عبارت کی تشریح اور ائمہ کا اختلاف:

قہقہہ کی تعریف: وہ ہنسی جس میں خود بھی اور قریب کے لوگ بھی اس کی آواز سن سکیں اور منہ خوب کھل جائے۔

ضحک کی تعریف: وہ ہنسی جس میں ایسی ہلکی آواز ہو کہ پاس کا آدمی نہ سن سکے، اور منہ کھل کر دانت ظاہر ہوں۔

تبسم: جس میں بالکل آواز نہ ہو، جس کو ہمارے اطراف میں مسکرانا کہتے ہیں، اس میں ہونٹ کھلتے نہیں ضحک سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، وضو باقی رہتا ہے۔

تبسم سے نماز وضو دونوں باقی رہتے ہیں۔

عاقل بالغ کے قہقہہ کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ رکوع سجدے والی نماز میں پایا گیا تو مبطلِ صلوٰۃ بھی ہے اور ناقضِ وضو بھی۔ (البحر الرائق شرح کنز الدقائق: ۱/۴۲-۴۴)

اختلاف الائمہ:

امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک عاقل بالغ نمازی کا کھل کھلا کر ہنسنا، ناقضِ وضو نہیں ہے۔ (عینی شرح ہدایہ: ۱/۱۴۰، بدائع الصنائع: ۱/۱۳۶)

دلیل: قہقہہ میں خروجِ نجاست نہیں پایا جاتا حالانکہ خروجِ نجاست ہی ناقضِ وضو ہے۔ (عینی: ۱/۱۴۰)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۲) حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلضِّحْکُ يَنْقُضُ الصَّلَاةَ وَلَايَنْقُضُ الْوُضُوْءَ. (بدائع الصنائع:۱/۱۳۶) یعنی ہنسنا نماز کو توڑ دیتا ہے اور وضو کو نہیں توڑتا۔

جواب: قہقہہ کے ناقضِ وضو ہونے پر تقریباً چھ صحابہؓ سے مرفوعاً روایات ہیں ان روایات کی بنیاد پر قیاس کو ترک کر دیا جائے گا۔

(دیکھئے: عینی شرح ہدایہ:۱/۱۴۰ تا ۱۴۲، اعلاء السنن:۱/۹۵ تا ۱۰۴)

(۲) حضرت جابرؓ کی روایت مادون القہقہہ پر محمول ہے۔ (بدائع الصنائع:۱/۱۳۷)

احناف کے نزدیک قہقہہ سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ (عینی:۱/۱۳۹، بدائع الصنائع:۱/۱۳۶)

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي فَجَاءَ أَعْرَابِيٌّ فِيْ عَيْنَيْهِ سُوْءٌ فَوَقَعَ فِي بِئْرٍ عَلَيْهَا خَصَفَةٌ فَضَحِكَ بَعْضُ مَنْ خَلْفَهُ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ ﷺ الصَّلَاةَ قَالَ مَنْ قَهْقَهَ مِنْكُمْ فَلْيُعِدِ الْوُضُوْءَ وَالصَّلَاةَ وَمَنْ تَبَسَّمَ فَلَاشَيْءَ عَلَيْهِ. (بدائع الصنائع:۱/۱۳۶)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک کم نظر آدمی اس گڑھے کے اندر گر گیا، جس پر کھجور کے پٹھوں کی ٹٹی رکھی ہوئی تھی۔ کچھ لوگ آپ کے پیچھے ہنس پڑے جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے، تو آپ نے فرمایا تم میں سے جس نے قہقہہ لگایا ہے وہ وضو کر کے نماز کا اعادہ کرے، اور جو مسکرایا اس پر کچھ نہیں ہے۔

سوال نمبر (۸)، مختصر القدوری

وَالْمَاءُ مُسْتَعْمَلُ لَايَجُوْزُ اِسْتِعْمَالُهُ فِيْ طَهَارَةِ الْأَحْدَاثِ وَالْمَاءُ مُسْتَعْمَلُ كُلُّ مَاءٍ اُزِيْلَ بِهٖ حَدَثٌ اَوِ اسْتُعْمِلَ فِي الْبَدَنِ عَلٰى وَجْهِ الْقُرْبَةِ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔
(ب) عبارت کی تشریح کرتے ہوئے ائمہ کا اختلاف بیان کریں۔

جواب

(الف) ترجمۃ

اور مستعمل پانی کا استعمال احداث کی طہارت میں جائز نہیں ہے اور مستعمل پانی وہ ہے جس سے دُور کی گئی ہو کوئی ناپاکی یا استعمال کیا گیا ہو بدن میں قربتِ الٰہی کے طور پر۔

(ب) عبارت کی تشریح اور ائمہ کا اختلاف:

(۱) جو پانی پاک چیز دھونے کے لیے استعمال کیا گیا ہو مثلاً غلہ جات سبزیوں اور پاک کپڑوں کا دھووَن یہ بالاتفاق پاک ہے۔
(۲) جو پانی نجاست حقیقیہ دُور کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہو جیسے: استنجے کا پانی اور ناپاک کپڑوں کا دھووَن یہ بالاتفاق ناپاک ہے۔
(۳) وہ پانی جس کے ذریعے حدثِ اصغر یا اکبر کا ازالہ کیا گیا ہو وہ پانی پاک ہے یا ناپاک، اس بارے میں دو مذہب نقل کیے جاتے ہیں۔
مذہبِ اوّل: امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ماءِ مستعمل پاک بھی ہے اور پاک کرنے والا بھی ہے، یہی ایک روایت امام شافعیؒ سے منقول ہے۔
دلیل: اللہ نے اپنے کلام مقدس میں ماءِ مطلق کو طہور فرمایا ہے؛ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا﴾ طہور مبالغہ کا صیغہ ہے، معنیٰ ہوں گے بار بار پاک کرنا، پس لفظ طہور اس بات کا فائدہ دے گا کہ پانی ایک بار استعمال کرنے کے بعد

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دوسری بار پاک کرے گا اور تیسری بار پاک کرے گا، معلوم ہوا کہ آب مستعمل پاک کرنے والا ہے اور جو مطہر ہوگا وہ طاہر بھی ضرور ہوگا۔ (البحر الرائق:۱/۱۰۲، عینی:۱/۲۱۵-۲۱۶)

جواب: طہور اس چیز کا نام ہے جس سے پاکی حاصل کی جائے جیسے سحور وہ کھانا جو صبح سے تھوڑی دیر پہلے کھایا جائے اس صورت میں پانی کے بار بار مطہر ہونے پر دلالت نہیں ہوتی۔ (عینی:۱/۲۱۶)

احناف کا مشہور و مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ ماءِ مستعمل پاک ہے؛ لیکن پاک کرنے والا نہیں ہے، یہی مذہب امام شافعیؒ و امام محمدؒ کا ہے۔

ماءِ مستعمل کے طاہر ہونے پر دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام اپنے کپڑوں، برتنوں اور اپنے بدن کو ماءِ مستعمل سے بچانے کا اہتمام نہ کرتے تھے اور اگر ماءِ مستعمل لگ جاتا تو دھلنے کا بھی رِواج نہ تھا۔

ماءِ مستعمل کے مطہر نہ ہونے پر دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو اسفار میں پانی کی کافی حاجت ہوتی تھی، ماءِ مستعمل کے علاوہ اکثر پانی نصیب نہ ہوتا تھا، خاص طور سے حجاز کے اطراف وجوانب میں، ایسی حالت میں بھی کسی صحابی نے ماءِ مستعمل سے کبھی وضو نہ کیا نہ آپ نے ماءِ مستعمل کو جمع کرنے کا حکم فرمایا۔ (اعلاء السنن: ج ۱/ص ۱۸۳)

سوال نمبر (۹)، مختصر القدوری

وَكُلُّ إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَتْ جَازَتِ الصَّلٰوةُ فِيْهِ وَالْوُضُوْءُ مِنْهُ إِلَّا جِلْدَ الْخِنْزِيْرِ وَالْآدَمِيِّ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) دباغت کی تعریف کرتے ہوئے اس کی قسموں کو بھی بیان کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) دباغت دینے کے بعد کھال پاک ہوجائے گی یا نہیں؟ ائمہ کے مذاہب مع دلائل بیان کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور ہر کچی کھال جس کو دباغت دی گئی وہ پاک ہوگئی اس دباغت دی ہوئی کھال میں نماز پڑھنا جائز ہے اور اس سے وضو کرنا (جائز ہے) سوائے خنزیر اور آدمی کی کھال کے۔

(ب) دباغت کی تعریف کرتے ہوئے اور اس کی قسمیں:

دباغت کی تعریف: کھال کی بدبو اور ناپاک رطوبات کو دُور کرنے کا نام دباغت ہے دباغت کی دو قسمیں ہیں: (۱) حقیقی (۲) حکمی

حقیقی کی تعریف: ببول کے پتے نمک انار کے چھلکے وغیرہ کے ذریعہ بدبو دُور کرنا۔

حکمی کی تعریف: دھوپ میں سکھا کر یا ہوا میں ڈال کر یا مٹی مل کر بدبو دُور کرنا۔

(البحر الرائق: ۱/۱۰۵) مصنف علیہ الرحمہ کی عبارت میں دونوں قسمیں مراد ہیں۔

(ج) دباغت دینے کے بعد کھال پاک ہوجائے گی یا نہیں؟

دباغت دینے کے بعد کھال پاک ہوجائے گی یا نہیں؟ اس سلسلہ میں تین مذاہب نقل کیے جاتے ہیں۔

(۱) امام احمد بن حنبلؒ کی مشہور روایت یہ ہے کہ مردار کی کھال دباغت دینے سے پاک نہیں ہوتی ہے، یہی ایک روایت امام مالکؒ سے منقول ہے۔

(نیل الاوطار: ۱/۷۲، البحر الرائق: ۱/۱۰۹)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: لَاتَنْتَفِعُوْا مِنَ الْمَيْتَةِ بِإِهَابٍ وَلَا عَصَبٍ. (نیل الاوطار: ۱/۲۷، ترمذی: ۱/۳۰۳، البحر الرائق: ۱/۱۱۰) یعنی مردار کی کھال اور پٹھے کے ساتھ نفع مت اُٹھاؤ۔

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مردار کی کھال سے انتفاع کرنے سے منع فرمادیا ہے اور یہ حدیث ان تمام احادیث کے لیے ناسخ بنے گی جن میں فرمایا گیا کہ جو کھال دباغت دی گئی وہ پاک ہوگئی۔ (نیل الاوطار: ۱/۲۷)

جواب: آپ کی پیش کردہ روایت لَاتَنْتَفِعُوْا مِنَ الْمَيْتَةِ بِإِهَابٍ وَلَا عَصَبٍ کا مطلب یہ ہے کہ اس کھال سے انتفاع نہ کرو جس کو ابھی دباغت نہ دیا گیا ہو؛ کیونکہ إِهَاب بغیر دباغت کی کھال کو کہتے ہیں، دباغت کے بعد نفع اُٹھانے کی ممانعت اس حدیث میں نہیں ہے۔

اور أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ. میں فرمایا ہے کہ دباغت کے بعد مردار کی کھال پاک ہے۔ (درسِ ترمذی: ۵/۳۳۸)

لہٰذا دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے تو ناسخ ومنسوخ کا دعویٰ بھی درست نہ ہوگا۔

امام شافعیؒ کے نزدیک کتے کی کھال دباغت کے بعد پاک نہیں ہوتی ہے۔

(الجوہرۃ النیرہ: ۱/۱۷، البحر الرائق: ۱/۱۰۹، نیل: ۱/۲۷، عینی: ۱/۲۲۷)

دلیل: جس طرح خنزیر کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی اسی طرح کتے کی کھال بھی دباغت سے پاک نہیں ہوتی۔ (نیل الاوطار: ۱/۲۷، فتح القدیر: ۱/۸۱)

جواب: کتے کی کھال کو خنزیر کی کھال پر قیاس کرنا درست نہیں ہے؛ کیونکہ صحیح قول کی بنیاد پر کتا نجس العین نہیں ہے۔ (عنایہ من ہامش فتح القدیر: ۱/۸۲)

احناف کے نزدیک خنزیر اور آدمی کی کھال کے علاوہ ہر کھال دباغت کے بعد پاک ہوجاتی ہے۔ (نیل الاوطار: ۱/۲۳)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دلیل: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَرَادَ أَنْ يَّتَوَضَّأَ مِنْ سِقَاءٍ فَقِيْلَ لَهُ أَنَّهُ مَيْتَةٌ فَقَالَ دِبَاغُهُ يُزِيْلُ خَبْثَهُ اَوْنَجَسَهُ أَوْ رِجْسَهُ.

(نیل الاوطار:۱/۲، ۷۷،عینی:۱/۲۲۵)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشکیزہ سے وضو کرنے کا ارادہ کیا تو آپ سے کہا گیا یہ مردار کی کھال کا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو دباغت دینا اس کے خبث کو، اس کی نجاست کو اور اس کی گندگی کو دُور کر دیتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردار کی کھال دباغت دینے سے پاک ہوجاتی ہے۔

سوال نمبر (۱۰)، مختصر القدوری

وَإِنْ كَانَ الْبِيْرُ مُعِيْنًا لَايُنْزَحُ وَوَجَبَ نَزْحُ مَافِيْهَا أُخْرِجُوْا مِقْدَارَ مَافِيْهَا مِنَ الْمَاءِ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنْ قَالَ يُنْزَحُ مِنْ ٢/ مِأَتَادَلْوٍ إِلٰى ثَلٰثِ مِأَةٍ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عبارت کی تشریح کرتے ہوئے ائمہ کا اختلاف واضح کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور اگر کنواں جاری ہو کہ اس کا پانی نہ نکالا جاسکتا ہو اور جو پانی اس میں ہے اس کا نکالنا ضروری ہو تو جو پانی اس میں (گرنے کے وقت موجود ہو) اس کی مقدار نکال دیا جائے اور امام محمدؒ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا دوسو سے تین سوڈول تک نکالے جائیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب) عبارت کی تشریح اور ائمہ کا اختلاف:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کنویں میں اتنا بڑا سوت ہے کہ سب پانی نہیں نکل سکتا جیسے جیسے پانی نکالتے ہیں ویسے ویسے اس میں سے اور پانی نکلتا ہے تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ نجاست کے گرنے کے وقت اس میں جتنا پانی موجود ہو اندازہ کر کے اتنی مقدار نکال ڈالیں، ورنہ تین سو ڈول نکلوا دیں کنواں پاک ہو جائے گا۔

اختلافِ ائمہ:

(۱) نجس کنویں کو پاک کرنے کے لیے اتنا پانی نکالا جائے کہ پانی ان کو تھکا کر مغلوب کر دے۔

(۲) دو آدمیوں سے جن کو پانی پہچاننے میں مہارت ہو اندازہ کرالیا جائے جتنے ڈول وہ بتائیں اتنے ڈول نکال دیے جائیں اوّل قول امام صاحبؒ سے منقول ہے اور دوسرا قول ابونصر محمد بن سلامؒ سے منقول ہے۔ (البحر:۱/۱۲۹)

(۳) کنویں میں رسّی ڈال کر ناپا جائے کہ کتنے ہاتھ پانی ہے پھر کچھ ڈول پانی نکال کر رسّی ڈالی جائے کہ کتنے ہاتھ پانی کم ہوگیا اسی حساب سے پانی نکال ڈالا جائے مثلاً رسی ڈال کر دیکھا دس ہاتھ پانی ہے سو ڈول نکالنے کے بعد پھر رسی ڈال کر دیکھا تو ایک ہاتھ کم ہوگیا تو نو سو ڈول نکال دیے جائیں۔

(۴) کنویں میں جس قدر پانی ہے اتنا ہی گہرا لانبا چوڑا گڑھا کھودا جائے اور اس قدر پانی نکالا جائے کہ وہ گڑھا بھر جائے یہ دونوں قول امام ابو یوسفؒ سے منقول ہیں۔ (البحر الرائق:۱/۱۲۹) (۵) دو سو سے تین سو ڈول تک نکالے جائیں۔

(۶) ڈھائی سو سے تین سو تک نکالے جائیں یہ دونوں قول امام محمدؒ سے منقول ہیں۔ (الجوہرۃ النیرۃ:۱/۲۰)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

لوگوں کی آسانی کی خاطر فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے۔

(البحر الرائق:۱/۱۲۹، اللباب فی شرح الکتاب:۱/۵۰)

سوال نمبر (۱۱)، مختصر القدوری

وَسُؤْرُ الْكَلْبِ وَالْخِنْزِيرِ وَسِبَاعِ الْبَهَائِمِ نَجِسٌ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عبارت کی تشریح کرتے ہوئے ائمہ کے اختلاف کو بیان کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

کتے، خنزیر اور درندوں کا جھوٹا ناپاک ہے۔

(ب) عبارت کی تشریح اور ائمہ کا اختلاف:

کتے کا جھوٹا ناپاک ہے، اگر کسی برتن میں منہ ڈال دے تو تین مرتبہ دھونے سے پاک ہوجائے گا، خواہ مٹی کا برتن ہو خواہ تانبے وغیرہ کا؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ سات مرتبہ دھویا جائے اور ایک مرتبہ مٹی لگا کر مانجھ بھی ڈالے تاکہ خوب صاف ہوجائے خنزیر کا جھوٹا نجس ہے اسی طرح شیر، بھیڑیے بندر اور گیدڑ وغیرہ جتنے چیر پھاڑ کر کھانے والے جانور ہیں سب کا جھوٹا نجس ہے۔

کتے کا جھوٹا پاک ہے یا ناپاک ہے اس بارے میں دو مذہب ہیں:

پہلا مذہب: امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ اور اہلِ ظواہر کے نزدیک کتے کا جھوٹا پاک ہے۔ (عینی:۱/۲٦۷، بذل المجهود:۱/۴٦، طحاوی:۱/۲۱)

دلیل: كَانَتِ الْكِلَابُ تُقْبِلُ وَتُدْبِرُ زَمَانَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَلَمْ يَكُونُوا يَرُشُّونَ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ.

(نیل الاوطار:۱/۴۵، ابوداؤد:۱/۵۵)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کتے مسجد نبوی کے اندر داخل ہو کر کبڈی کھیلتے تھے، پس صحابہؓ کسی بھی حصہ کو نہیں دھوتے تھے۔

کتوں کی عادت ہے کہ چلتے پھرتے زبان باہر نکال کر لعاب اور رال گرایا کرتے ہیں جو مسجد نبوی میں ضرور گرتا ہوگا؛ لیکن مسجد نبوی کی دھلائی کا حکم نہیں کیا گیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کتے کی رال اور لعاب پاک ہے۔

جواب: ہم تسلیم کرتے ہیں کہ لعاب اور رال سے مٹی ناپاک ہو جاتی ہے؛ لیکن خشک ہو جانے کے بعد مٹی پاک ہو جاتی ہے، اس وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی دھلائی کا حکم نہیں فرمایا۔ (نیل الاوطار:۱/۴۵)

دوسرا مذہب: ائمہ ثلاثہ اور جمہور فقہاء کا ہے، ان کے نزدیک کتے کا جھوٹا علی الاطلاق ناپاک ہے۔

دلیل: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي الْإِنَاءِ فَأَهْرِقْهُ ثُمَّ اغْسِلْهُ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ. (اعلاء السنن:۱/۱۹۶) یعنی جب کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اس (چیز) کو گرا دو اور تین مرتبہ برتن کو دھوؤ۔

اس حدیث میں برتن کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ وہ برتن پاک ہو جائے؛ کیونکہ اسی چیز کو پاک کیا کرتے ہیں جو ناپاک ہو جاتی ہے معلوم ہوا کتے کا جھوٹا ناپاک ہے۔

دوسرا اختلاف:

امام شافعیؒ کے نزدیک کتے اور خنزیر کے علاوہ تمام درندوں کا جھوٹا پاک ہے۔

دلیل: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حوضوں کے بارے میں معلوم کیا گیا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ہیں جن پر درندے اور کتے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

آکر پانی پیتے ہیں، آپ نے جواباً فرمایا: لَهَا مَا اَخَذَتْ فِي بُطُوْنِهَا وَلَنَا مَابَقِيَ شَرَابٌ وَطَهُوْرٌ. (عینی:۱/۲۷۰، درایہ:۱/۶۲) یعنی جوانھوں نے اپنے پیٹ میں لے لیا وہ ان کے لیے ہے اور جو باقی رہ گیا وہ ہمارے پینے کے لیے ہے اور پاک ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ درندوں کا جھوٹا پاک ہے۔

جواب: صاحبِ عنایہ نے حدیثِ مذکور کے دو جواب تحریر کیے ہیں:

(۱) آپ سے سوال بڑے حوض اور ماءِ کثیر کے متعلق تھا اور اس کے ہم بھی قائل ہیں کہ بڑا حضو اور ماءِ کثیر ناپاک نہیں ہوتا۔

(بدائع الصنائع:۱/۲۰۳، عنایہ:۱/۱۹۵، البحر الرائق:۱/۱۳۶، اعلاء السنن:۱/۲۰۵)

(۲) درندوں کے جھوٹے کے پاک ہونے کا حکم ابتدائے اسلام میں ان کے گوشت کی حرمت سے پہلے تھا پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ (البحر:۱/۱۳۶، بدائع الصنائع:۱/۲۰۳)

حنفیہ کے نزدیک تمام درندوں کا جھوٹا ناپاک ہے۔

دلیل: عَنْ جَابِرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهٰى عَنْ اَكْلِ كُلِّ ذِيْ نَابٍ مِنَ السَّبَاعِ وَذِيْ مِخْلَبٍ مِنَ الطُّيُوْرِ. (عینی:۱/۲۷۰)

یعنی آپ نے کچلیوں والے درندوں جو دانتوں سے شکار کرکے کھاتے ہیں اور پنجہ گیر پرندے جو اپنے چنگل سے شکار کرتے ہیں کھانے سے منع فرمایا؛ کیونکہ ان کا گوشت حرام اور نجس ہے اور جھوٹا گوشت ہی سے پیدا ہوتا ہے لہٰذا جھوٹا درندے کے ناپاک لعاب کے ساتھ مل کر ناپاک ہوجائے گا۔ (عینی شرح ہدایہ:۱/۲۷۰ تا ۲۷۱)

سوال نمبر (۱۲)، مختصر القدوری

وَسُوْرُ الْهِرَّةِ وَالدَّجَاجَةِ الْمُخَلَّاةِ وَسِبَاعِ الطُّيُوْرِ وَمَايَسْكُنُ فِي الْبُيُوْتِ مِثْلُ الْحَيَّةِ وَالْفَارَةِ مَكْرُوْهٌ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔
(ب) مکروہِ تنزیہی کی تعریف کریں۔
(ج) عبارت کی تشریح کرتے ہوئے ائمہ کا اختلاف تحریر کریں۔

جواب

(الف) ترجمۃ

اور بلی کا جھوٹا اور باہر پھرنے والی مرغی اور شکاری پرندوں اور ان جانوروں کا جھوٹا جو گھروں میں رہتے ہیں جیسے سانپ اور چوہا مکروہ ہے۔

(ب) مکروہِ تنزیہی کی تعریف:

مکروہِ تنزیہی: اس کام کو کہتے ہیں جس کو چھوڑنے میں ثواب ہے اور کرنے میں عذاب تو نہیں؛ لیکن ایک قسم کی برائی ہے۔

(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ: ۱/۱۲۵)

(ج) عبارت کی تشریح اور ائمہ کا اختلاف:

بلی کا جھوٹا پاک تو ہے؛ لیکن مکروہ ہے لہٰذا دوسرے پانی کے ہوتے ہوئے اس سے وضو نہ کرے کوئی اور پانی نہ ملے تو اس سے کرلے۔

کھلی ہوئی مرغی جو اِدھر اُدھر گندی چیزیں اور پلیدی کھاتی پھرتی ہے اس کا جھوٹا مکروہ ہے اور جو مرغی بند رہتی ہو اس کا جھوٹا مکروہ نہیں؛ بلکہ پاک ہے۔

شکار کرنے والے پرندے جیسے شکرہ، باز وغیرہ ان کا جھوٹا مکروہ ہے؛ لیکن جو پالتو اور مردار نہ کھائے نہ اس کی چونچ میں نجاست کا شبہ ہو اس کا جھوٹا پاک ہے، جو چیزیں گھر میں رہا کرتی ہیں، جیسے: سانپ، بچھو، چوہا اور چھپکلی وغیرہ ان کا جھوٹا مکروہ ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اختلافِ ائمہ:

امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ، سفیان ثوریؒ، امام اوزاعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بلی کا جھوٹا پاک ہے۔ (عینی شرح ہدایہ:۲۷۳/۱)

دلیل: عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَتَوَضَّأُ أَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ مِنْ إِنَاءٍ قَدْ أَصَابَ مِنْهُ الْهِرُّ قَبْلَ ذٰلِكَ. (مصنف عبدالرزاق:۱۰۲/۱)

یعنی حضرت عائشہؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک برت سے وضو کرتے حالانکہ اس سے پہلے بلی اس میں سے پانی پی چکی ہوتی۔

یہ حدیث اس بات پر واضح دلیل ہے کہ بلی کا جھوٹا بلا کراہت پاک ہے۔

جواب: جن روایات سے بلی کے جھوٹے کے پاک ہونے کا پتہ چلتا ہے، ان سب کا جواب یہ ہے کہ تمام روایات بیانِ جواز پر محمول ہیں اور آپ کے بلی کو اپنے برتن سے پانی پلانے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ مکروہِ تنزیہی بھی نہیں ہوسکتا؛ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیانِ جواز کے لیے مکروہِ تنزیہی پر عمل کرنا کبھی کبھی ثابت ہے۔

(معارف السنن:۳۳۰/۱)

طرفین کے نزدیک بلی کا جھوٹا پاک ہے مگر مکروہ ہے راجح قول کی بنا پر مکروہِ تنزیہی ہے، فتویٰ اسی قول پر ہے۔ (عینی:۲۷۳/۱)

دلیل: اَلْهِرَّةُ سَبُعٌ. (نیل الاوطار:۴۶/۱) یعنی بلی ایک درندہ ہے۔

اس قول سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد حکم کو بیان کرنا ہے کہ بلی کا حکم وہ ہے جو درندہ کا ہے تو درندہ کے مانند اس کا جھوٹا ناپاک ہونا چاہیے تھا؛ لیکن بلی کے جھوٹے کو حرام ونجس قرار دینے کی صورت میں مشقت لازم آتی ہے؛ کیونکہ یہ گھروں میں چلنے پھرنے والے جانوروں میں سے ہے جیسا کہ ابو قتادہ کی روایت میں ہے: إِنَّمَا هِيَ مِنَ الطَّوَّافِيْنَ عَلَيْكُمْ اَوِ الطَّوَّافَاتِ. (اعلاء السنن:۲۰۲/۱)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

چنانچہ اس مشقت کی بنا پر سؤر ہرہ میں تخفیف پیدا کر کے حرام سے مکروہ کے درجہ میں اُتار دیا گیا ہے۔ (عینی شرح ہدایہ:۱/۲۷۵)

یہی حکم سانپ، بچھو اور چوہے کے سلسلہ میں ہوگا۔ (عینی:۱/۲۷۹)

سوال نمبر (۱۳)، مختصر القدوری

وَالتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ يَمْسَحُ بِإِحْدَاهُمَا وَجْهَهُ وَبِالْأُخْرىٰ يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) تیمّم کے لغوی واصطلاحی بیان کریں۔

(ج) عبارت کی تشریح کرتے ہوئے ائمہ کا اختلاف بیان کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور تیمّم دو ضربیں ہیں مسح کرے ایک ضرب سے اپنے چہرہ کا اور دوسری ضرب سے اپنے دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت۔

(ب) تیمّم کی لغوی واصطلاحی تعریف:

لغوی تعریف: قصد وارادہ کرنا۔

اصطلاحی تعریف: پاک مٹی وغیرہ سے چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا مسح کرنا قاعدہ شرعیہ کے مطابق طہارت کی نیت سے۔

(ج) عبارت کی تشریح اور ائمہ کا اختلاف:

اس عبارت میں تیمّم کی کیفیت بیان کر رہے ہیں۔ تیمّم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دونوں ہاتھ پاک زمین پر مارے اور سارے منہ کو مَل لے پھر دوسری مرتبہ زمین پر دونوں ہاتھ مارے اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت ملے اگر ناخن برابر بھی کوئی جگہ چھوٹ جائے گی تو تیمّم نہ ہوگا، اُنگلیوں میں خلال بھی کرے عورت چوڑیوں، کنگنوں وغیرہ کے درمیان اچھی طرح ملے۔

اختلاف الائمہ:

تیمّم میں کتنی ضربوں کی ضرورت ہے اور ہاتھوں کا مسح کہاں تک کیا جائے گا؟ اس سلسلہ میں تین مذاہب ہیں:

(۱) امام احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہؒ، امام اوزاعیؒ اور اہلِ ظواہر کے نزدیک تیمّم کے اندر صرف ایک ضرب ہوگی جس سے چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا مسح گٹّوں تک کیا جائے گا۔ (معارف السنن:۱/۴۷۷)

دلیل: عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِالتَّيَمُّمِ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ. (ترمذی:۱/۳۶، معارف السنن:۱/۴۷۸)

کفین کا اطلاق صرف گٹّوں تک ہوتا ہے اس حدیث سے صرف گٹّوں تک تک مسح کرنا ثابت ہے۔

حضرت عمارؓ ہی سے ایک دوسری روایت ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: ثُمَّ ضَرَبَ بِيَدَيْهِ الْأَرْضَ ضَرْبَةً وَاحِدَةً. (اعلاء السنن:۱/۲۲۲، الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ:۱/۶۸)

اس حدیث سے ایک ضرب کا ثبوت ہوتا ہے۔

جواب: حضرت عمارؓ نے لاعلمی کی بنا پر حالتِ جنابت میں زمین پر لوٹ لگائی اس کی اطلاع جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کی گئی تو آپ نے عملی طور پر تھوڑے سے تیمّم کی جانب اشارہ کرکے دکھادیا کہ زمین پر لوٹ لگانے کی حاجت نہیں؛ بلکہ جنابت کی حالت میں بھی تیمّم کا وہی طریقہ ہے جو حدثِ اصغر میں ہے یہی اشارہ حضرت عمار کی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حدیث میں ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک ضرب یا مسح کفین کافی ہے؛ بلکہ الفاظ مذکورہ سے طریقہ معروف کی جانب اشارہ کیا ہے۔

(معارف السنن:۱/۴۸۷،اعلاء السنن:۱/۲۲۲)

دوسرا مذہب: ابن شہاب زہری کے نزدیک تیمّم کے اندر دونوں ہاتھوں کا مسح مونڈھوں اور بغلوں تک کیا جائے گا۔ (معارف السنن:۱/۴۷۹)

دلیل: حضرت عمارؓ کی حدیث ہے: تَیَمَّمْنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِلَی الْمَنَاکِبِ وَالْآبَاطِ. (ترمذی:۱/۳۸،معارف السنن:۱/۴۹۳) یعنی ہم ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور پانی نہ ہونے کی وجہ سے ہم نے ہاتھوں پر مونڈھوں اور بغلوں تک مسح کیا۔

جواب: حضرت عمارؓ نے اپنی روایات کے اندر صرف اتنا کہا ہے کہ صحابہؓ نے مونڈھوں اور بغلوں تک مسح کیا ہے؛ لیکن یہ نہیں کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح تیمّم کرنے کا حکم فرمایا ہے یہ صحابہ کرام کا اپنا اجتہاد تھا جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر ثابت نہیں لہٰذا صحیح روایات کے مقابلہ میں اس سے استدلال درست نہیں۔ (معارف السنن:۱/۴۹۴،طحاوی:۱/۸۵)

تیسرا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، سفیان ثوریؒ اور امام مالکؒ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ تیمّم کے اندر دو ضربیں ہیں: ایک چہرہ کے لیے، دوسری ہاتھوں کے لیے اور دونوں ہاتھوں کا مسح کہنیوں تک فرض ہے۔ (معارف السنن:۱/۴۷۷)

دلیل: عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلتَّیَمُّمُ ضَرْبَتَانِ ضَرْبَۃٌ لِلْوَجْہِ وَضَرْبَۃٌ لِلْیَدَیْنِ اِلَی الْمِرْفَقَیْنِ. (اعلاء السنن:۱/۲۲۲،عینی:۱/۳۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تیمّم میں دو ضربیں ہیں اور دونوں ہاتھوں کا مسح کہنیوں تک ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال نمبر (۱۴)، مختصر القدوری

وَيَجُوزُ التَّيَمُّمُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ بِكُلِّ مَا كَانَ مِنْ جِنْسِ الْأَرْضِ كَالتُّرَابِ وَالرَّمَلِ وَالْحَجَرِ وَالْجَصِّ وَالنُّورَةِ وَالْكُحْلِ وَالزَّرْنِيخِ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يَجُوزُ إِلَّا بِالتُّرَابِ وَالرَّمَلِ خَاصَّةً.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عبارت کا مطلب تحریر کریں۔

(ج) کن چیزوں سے تیمّم کر سکتے ہیں؟ وضاحت کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور جائز ہے تیمّم امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہر اس چیز سے جو زمین کی جنس سے ہے جیسے مٹی ریت پتھر گچ چونہ سرمہ اور ہڑتال، امام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ نہیں جائز ہے مگر مٹی اور ریت سے خاص کر۔

(ب) عبارت کا مطلب:

زمین کے سوا اور جو چیز مٹی کی قسم سے ہو اس پر بھی تیمّم درست ہے، جیسے مٹی ریت پتھر چونا ہڑتال سرمہ گیرو وغیرہ اور جو چیز مٹی کی قسم سے نہ ہو اس سے تیمّم درست نہیں جیسے سونا چاندی رانگ گیہوں لکڑی کپڑا اناج وغیرہ۔

جو چیز نہ تو آگ میں جلے اور نہ گلے وہ چیز مٹی کی قسم سے ہے اس پر تیمّم کرنا درست ہے اور جو چیز جل کر راکھ ہو جائے اس پر تیمّم درست نہیں اسی طرح راکھ پر بھی درست نہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) کن چیزوں سے تیمّم کر سکتے ہیں؟

اس بارے میں دو مذہب ہیں، امام شافعیؒ امام ابو یوسفؒ کا اصح قول یہ ہے کہ تیمّم صرف مٹی سے کر سکتے ہیں اس کے علاوہ کسی دوسری چیز سے تیمّم نہیں کر سکتے۔

(نیل الاوطار:۱/۲۸۱، البحر الرائق:۱/۱۵۶)

دلیل: عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَجُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَجُعِلَ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُوْرًا. (البحر الرائق:۱/۱۵۶) یعنی زمین کو میرے لئے مسجد اور اس کی مٹی کو ہمارے لئے پاکی کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔

دوسرا مذہب: امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ، سفیان ثوریؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہر وہ چیز جو زمین کی جنس سے ہو مٹی ہو یا اس کے علاوہ ہو تیمّم کرنا جائز ہے۔

(نیل الاوطار:۱/۲۸۱، البحر الرائق:۱/۱۵۶)

دلیل: جُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا۔ (اعلاء السنن ج:۱، ص:۲۲۰)

اس حدیث میں ارض سے مراد ہر وہ چیز ہے جو زمین کی جنس سے ہو خواہ مٹی ہو یا اس کے علاوہ۔

سوال نمبر (۱۵)، مختصر القدوری

وَيُصَلِّيْ بِتَيَمُّمِهٖ مَاشَاءَ مِنَ الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عبارت کا مطلب تحریر کریں۔

(ج) ایک تیمّم سے کتنی نمازیں پڑھ سکتے ہیں؟ وضاحت کے ساتھ تحریر کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(الف) ترجمۃ

اور پڑھے اپنے تیمّم سے جو چاہے فرائض ونوافل میں سے۔

(ب) عبارت کا مطلب:

اگر ایک نماز کے لئے تیمّم کیا دوسرے وقت کی نماز بھی اس سے پڑھنا درست ہے اور قرآن کریم کا چھونا بھی اس تیمّم سے درست ہے۔

(ج) ایک تیمّم سے کتنی نمازیں پڑھ سکتے ہیں؟

ایک تیمّم سے کتنی نمازیں پڑھ سکتے ہیں، اس بارے میں دو مذہب نقل کئے جاتے ہیں۔

(۱) امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ایک تیمّم سے صرف ایک فرض نماز پڑھ سکتے ہیں؛ البتہ سنتیں اور نوافل فرض کے تابع ہیں۔

دلیل: ۱-تیمّم طہارت ضروریہ ہے یعنی ضرورت کی بنیاد پر اس کو کافی سمجھا گیا ہے، اور دو فرضوں کے لئے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (عینی:۱/۳۲۸)

دلیل: ۲-عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ أَنْ لَّا يُصَلِّيَ الرَّجُلُ بِالتَّيَمُّمِ إِلَّا صَلَاةً وَّاحِدَةً ثُمَّ تَيَمَّمَ لِلصَّلَاةِ الْأُخْرٰى.

(مصنف عبدالرزاق:ص/۲۱۵، عینی:۱/۳۲۹)

ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ سنت یہ ہے کہ کوئی آدمی ایک تیمّم سے ایک سے زیادہ نماز نہ پڑھے پھر دوسری نماز کے لئے دوسرا تیمّم کرے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک تیمّم سے ایک سے زیادہ نماز نہ پڑھنا سنت ہے۔ احناف کی دلیل اور ائمہ ثلاثہ کی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دلیلوں کا جواب: إِنَّ الصَّعِيْدَ الطَّيِّبَ طَهُوْرُ الْمُسْلِمِ وَإِنْ لَّمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِيْنَ. (اعلاء السنن: ۱/۲۱۳، ابوداؤد: ۱/۴۸) پاک مٹی مسلمان کیلئے وضوء کا کام دیتی ہے اگر چہ دس برس تک پانی نہ ملے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تیمّم وضوء کے حکم میں ہے کہ جس طرح ایک وضوء سے متعدد نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں اسی طرح ایک تیمّم سے بھی کئی نمازیں پڑھنا جائز ہے۔

حدیث اس بات پر واضح دلیل ہے کہ تیمّم طہارت مطلقہ ہے لہٰذا آپ کا تیمّم کو طہارت ضروریہ قرار دینا درست نہیں ہے۔ (اعلاء السنن: ۱/۲۱۳)

ابن عباسؓ کی روایت کا جواب یہ ہے کہ اس کی سند میں حسن بن عمارہ ہیں جن کو ابن یحییٰ وغیرہ نے متروک کہا ہے، اس لئے روایت قابل حجت نہیں نیز ابن عباس کی راویت میں صرف سنت کا بیان ہے اور سنت جواز کو نہیں روکتی۔ (عینی: ۱/۳۲۹)

حدیث کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ آپ بھی ایک تیمّم سے ایک سے زیادہ نماز پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں یعنی فرائض کے ساتھ نوافل کی بھی اجازت دیتے ہیں؛ حالانکہ حدیث میں صلاۃ واحدہ ہے۔ (الاعلاء السنن: ۱/۲۲۴، عینی: ۱/۳۲۹)

سوال نمبر (۱۶)، مختصر القدوری

وَالْمُسَافِرُ إِذَا نَسِيَ الْمَاءَ فِيْ رَحْلِهٖ فَتَيَمَّمَ وَصَلّٰى ثُمَّ ذَكَرَ الْمَاءَ فِي الْوَقْتِ لَمْ يُعِدْ صَلٰوتَهٗ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ يُعِيْدُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عبارت کی تشریح کرتے ہوئے ائمہ کے اختلاف کو بیان کریں۔

(ج) عبارت کے فوائد قیود بیان کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(الف) ترجمۃ

اورمسافر جب بھول گیا پانی اپنے اسباب میں پھر وہ تیمّم کرے اور نماز پڑھ لے پھر پانی یاد آیا وقت میں تو نماز نہ لوٹائے طرفین کے نزدیک اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ نماز لوٹائے۔

(ب) عبارت کی تشریح اور ائمہ کا اختلاف:

(۱) ایک شخص مسافر ہے اس نے تیمّم کر کے نماز ادا کر لی حالانکہ اس کے کجاوے میں پانی موجود تھا لیکن اس کو معلوم نہیں تھا، کیونکہ دوسرے نے بغیر اس کے حکم کے رکھ دیا تھا اس صورت میں اس کی نماز ہوگئی، اس پر نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے۔

(۲) یا اس کو پانی کا علم تھا کہ اس نے خود ہی رکھا تھا یا دوسرے نے اس کے حکم سے رکھا تھا اور یہ گمان کر کے کہ میرے کجاوے میں پانی نہیں تیمّم کر کے نماز پڑھ لی تو اس صورت میں نماز نہیں ہوئی اور اس پر وضوء کر کے نماز کا اعادہ ضروری ہوگا۔

ماقبل کے دونوں مسئلے محض افادہ لئے تحریر کئے ہیں۔

(۳) یہی مسئلہ ہمارے لئے زیر بحث ہے اگر مسافر کجاوہ میں پانی رکھ کر بھول گیا گور تیمّم کر کے نماز ادا کر لی پھر اس کو وقت کے اندر پانی یاد آ گیا تو اس پر نماز کا اعادہ واجب ہے یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں:

امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ، سفیان ثوریؒ اور امام مالکؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اس پر نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے۔

امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ کا قول جدید اور امام احمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اس پر نماز کا اعادہ ضروری ہے پانی خواہ وقت میں یاد آیا ہو یا وقت کے بعد۔ (عینی شرح ہدایہ: ۱/۳۳۳)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

مذہب نمبر(۲) کی دلیل: عام طور سے کجاوہ میں پانی رکھا جاتا ہے اس لئے اس پر کجاوہ میں تلاش کرنا واجب تھا، جب اس نے تلاش نہیں کیا تو معذور نہیں سمجھا جائے گا، اور اس پر اعادہ واجب ہوگا، اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص آبادی میں ہو تو اس پر پانی تلاش کرنا واجب ہے بغیر تلاش کئے اگر تیمّم کر کے نماز پڑھ لی پھر پانی مل گیا تو اعادہ صلوۃ واجب ہے۔ (عینی:۱/۳۳۵،عنایہ من ہامش فتح القدیر:۱/۱۲۴)

(ج) عبارت کے فوائد قیود:

المسافر: یہ قید اتفاقی ہے؛ کیونکہ یہی حکم مقیم کے لیے بھی ہے؛ چونکہ عام طور سے مسافر ہی پانی ساتھ رکھتا ہے؛ اس لیے مسافر کی قید لگا دی۔

نَسِيَ: اس قید کا مقصد یہ ہے کہ اگر مسافر نے یہ شک یا گمان کرتے ہوئے کہ پانی ختم ہو چکا ہے تیمّم کر کے نماز پڑھ لی تو بالاتفاق نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔

فِي رَحلِهٖ: اگر پانی کی مشک پشت پر لدی ہوئی ہو یا گردن میں لٹکی ہو یا سامنے رکھا ہو اور بھول کر تیمّم کر کے نماز پڑھ لے تو بالاتفاق نماز نہ ہوگی۔

ذکر الماءِ في الوقتِ: تیمّم کر کے نماز شروع کر دی، درمیان نماز کے پانی یاد آ گیا تو تیمّم باطل ہو جائے گا اور وضو کر کے نماز دوبارہ پڑھنی ضروری ہے۔

(الجوہرۃ النیرہ:۱/۲۸،اللباب فی شرح الکتاب:۱/۵۵)

سوال نمبر (۱۷)، مختصر القدوری

اَلْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ جَائِزٌ بِالسُّنَّةِ مِنْ كُلِّ حَدَثٍ مُوْجِبٍ لِلْوُضُوْءِ إِذَالَبِسَ الْخُفَّيْنِ عَلٰى طَهَارَةٍ ثُمَّ اَحْدَثَ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عبارت کے فوائد قیود کو بیان کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) موزے پہننے کے وقت طہارتِ کاملہ ضروری ہے یا نہیں؟ اگر اس میں اختلاف ہو تو وضاحت کریں۔

(د) مسح کی لغوی واصطلاحی تعریف بیان کریں۔

(ھ) خفین کی تعریف اور مسح علی الخفین کے ثبوت کو بیان کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

موزوں پر مسح کرنا جائز ہے سنت سے ہر ایسے حدث سے جو وضو کو واجب کرنے والا ہو جب پہنے موزوں کو طہارت پر پھر حدث ہو جائے۔

(ب) عبارت کے فوائد قیود:

بِالسُّنَّةِ: اس قید کو لگا کر ان لوگوں پر رد کرنا مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ مسح علی الخفین کا جواز وَاَرْجُلِکُمْ کی قرأت جر سے ہے۔ (البحرالرائق:۱/۱۷۳)

موجب للوضوءِ: اس قید کا فائدہ یہ ہے کہ جس شخص پر غسل کرنا واجب ہے اس کے لیے موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ (عنایہ:۱/۱۲۸)

(ج) موزے پہننے کے وقت طہارتِ کاملہ ضروری ہے یا نہیں؟

موزے پہننے کے وقت طہارتِ کاملہ ضروری ہے یا نہیں؟ یعنی اگر دونوں پیر دھونے کے بعد موزے پہن لیے اور اس کے بعد وضو کی تکمیل کرے یہ صحیح ہے یا مکمل وضو کے بعد پہننا شرط ہے اس سلسلہ میں دو مذہب نقل کیے جاتے ہیں:

(۱) امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ اور اسحاق بن راہویہؒ کے نزدیک طہارتِ کاملہ عند اللبس شرط ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۲) احناف اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک موزے پہننے کے وقت طہارتِ کاملہ شرط نہیں ہے؛ بلکہ حدث کے وقت طہارتِ کاملہ شرط ہے۔
چنانچہ اگر کسی نے پہلے اپنے پاؤں دھو کر موزے پہنے پھر باقی وضو پورا کیا پھر حدث ہوا تو اس کو موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ (نیل الاوطار:۱/۱۹۹)
ائمہ ثلاثہ کی دلیل: ثُمَّ اَهْوَيْتُ لِاَنْزَعَ خُفَّيْهِ فَقَالَ دَعْهُمَا فَإِنِّي اَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا. (نیل الاوطار:۱/۱۹۸)
مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موزے اُتارنے کا ارادہ کیا تو فرمایا کہ موزے رہنے دو؛ کیونکہ میں نے اپنے پاؤں موزے میں داخل کیے ہیں حالانکہ وہ دونوں طاہر تھے؛ چنانچہ آپ نے ان پر مسح کیا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موزہ پہنتے وقت طہارتِ کاملہ شرط ہے۔
جواب: حدیث سے لُبس کے وقت صرف پیروں کی طہارت ثابت ہو رہی ہے نہ کہ مکمل طہارت؛ کیونکہ محاورہ عرب کے بموجب إِنِّيْ اَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ کا مفہوم و مراد إِنِّيْ اَدْخَلْتُ كُلًّا مِّنْهُمَا وَهِيَ طَاهِرَةٌ ہے یعنی میں نے اپنے پاؤں موزے میں داخل کیے ہیں اور ان دونوں پیروں میں سے ہر ایک پاک تھا، محاورۂ عرب دَخَلْنَا الْبَلَدَ رُكْبَانًا ہے جس کا مطلب ای دخل كلّ منا وهو راكب ہے نہ کہ ان جميعنا راكب عند دخول كلمنا حاصل یہ کہ حکم میں وحدت رجل مراد ہے نہ کہ رجلین تثنیہ پر حکم مرتب ہے۔
احناف کی دلیل: موزہ قدم میں حدث حلول کرنے کو روکتا ہے لہٰذا روکنے کے وقت کمالِ طہارت کی رعایت کی جائے گی۔ (عینی:۱/۳۴۶)

(د) مسح کی لغوی واصطلاحی تعریف:

مسح کی لغوی تعریف: کسی چیز پر ہاتھ پھیرنا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اصطلاحی تعریف: بھیگے ہوئے ہاتھ کو اس چیز پر پھیرنا کہ جس پر پھیرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (نورالانوار:۲۱ حاشیہ)

(ھ) خفین کی تعریف اور مسح علی الخفین کا ثبوت:

خفین کی تعریف: اگر موزے پورے کے پورے چمڑے کے ہوں یعنی سوت وغیرہ کا ان میں بالکل دخل نہ ہو، تو انھیں خفین کہتے ہیں۔

مسح علی الخفین کا ثبوت:

موزوں پر مسح بکثرت احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔

(۱) عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ. (بخاری:۳۳/۱)

حضرت سعدؓ سے منقول ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے موزوں پر مسح کیا۔

(۲) عَنْ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ أَنَّهُ رَأَى رَسُوْلَ اللّٰهِ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ. (بخاری:۳۳/۱)

یعنی حضرت عمرو بن امیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا ہے، امام حسن بصریؒ سے منقول ہے میں نے ستر بدری صحابہ کو مسح علی الخفین کا قائل پایا ہے۔ (بدائع الصنائع:۷۷/۱، نیل الاوطار:۱۹۴/۱، معارف السنن:۳۳۱/۱)

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اہلِ سنت والجماعت کی شرائط میں سے یہ ہے کہ مسح علی الخفین کو جائز سمجھے؛ چنانچہ ملک العلماء علامہ کاسانیؒ نے بدائع الصنائع:۷۷/۱ پر اہلِ سنت والجماعت کی چار شرطیں نقل فرمائی ہیں: (۱) شیخین کو فضیلت دینا (۲) ختنین سے محبت کرنا (۳) مسح علی الخفین کو جائز سمجھنا (۴) نبیذ تمر کو حلال سمجھنا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال نمبر (۱۸)، مختصر القدوری

وَلَایَجُوْزُ الْمَسْحُ عَلٰی خُفٍّ فِیْهِ خَرْقٌ کَثِیْرٌ یَتَبَیَّنُ مِنْهُ قَدْرُ ثَلٰثِ اَصَابِعِ الرِّجْلِ وَاِنْ کَانَ اَقَلَّ مِنْ ذَالِکَ جَازَ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) پہلے مسئلہ میں امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کا مسلک مدلل تحریر کریں۔

(ج) عبارت کی تشریح کرتے ہوئے احناف کے دلائل قلمبند کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور جائز نہیں ہے مسح کرنا ایسے موزے پر جس میں زیادہ پھٹن ہو کہ اس سے پیر کی تین اُنگلیوں کی مقدار ظاہر ہو جائے اور اگر پھٹن اس سے کم ہو تو جائز ہے۔

(ب) پہلے مسئلہ میں امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کا مسلک:

امام شافعیؒ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ پھٹے ہوئے موزے پر مطلقاً مسح کرنا جائز نہیں ہے خواہ شگاف قلیل ہو یا کثیر، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ شگاف کی وجہ سے پاؤں کا جو حصہ ظاہر ہو گیا ہے، اس کا دھونا واجب ہے اور چونکہ مسح اور غسل دونوں کا ایک عضو میں جمع کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لیے موزہ نکال کر باقی کا دھونا بھی واجب ہو گا۔

(ج) عبارت کی تشریح اور احناف کے دلائل:

احناف علماء کے نزدیک اگر پاؤں کی چھوٹی تین اُنگلیوں کی مقدار پاؤں کھل گیا یا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اس سے زائد کھل گیا تو یہ خرق کثیر کے اندر داخل ہے اس صورت میں موزے پر مسح جائز نہیں اور اگر اس سے کم مقدار میں کھلا ہے تو یہ خرق قلیل ہے اس صورت میں موزے پر مسح کرنا جائز اور درست ہے۔

(بدائع الصنائع:۱/۸۶)

دلیل: موزے عام طور پر معمولی پھٹن سے خالی نہیں ہوتے؛ چنانچہ اگر معمولی پھٹن کی وجہ سے موزے نکال دینے کا حکم کیا گیا تو لوگ حرج میں مبتلا ہو جائیں گے؛ اس لیے اس کو معاف کر دیا گیا اور خرقِ کثیر سے موزے بالعموم خالی ہوتے ہیں نکالنے میں کوئی حرج بھی نہ ہوگا؛ اس لیے معافی کا حکم بھی نہیں دیا گیا۔

سوال نمبر (۱۹)، مختصر القدوری

وَمَنْ لَبِسَ الْجُرْمُوْقَ فَوْقَ الْخُفِّ مَسَحَ عَلَيْهِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) جرموں کی تعریف کریں۔

(ج) جرموق پر مسح جائز ہے یا نہیں؟ وضاحت کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور جس شخص نے موزے پر جرموق پہنا تو وہ جرموق پر مسح کرے۔

(ب) جرموں کی تعریف:

جرموق: وہ موزے جو موزے کے اوپر پہنے جاتے ہیں تا کہ موزے کو کیچڑ و نجاست وغیرہ سے بچایا جا سکے۔ (اعلاء السنن:۱/۲۴۳)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) جرموق پر مسح جائز ہے یا نہیں؟

جرموق پر مسح جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں دو مذہب ہیں:

پہلا مذہب امام شافعیؒ کا ہے، ان کے نزدیک جرموق پر مسح جائز نہیں ہے یہی ایک روایت امام مالکؒ سے ہے۔ (عینی:۱/۳۶۴)

دلیل: موزہ پیروں کا بدل ہے اور بدل کا بدل نہیں ہوتا؛ کیونکہ مسح علی الخفین پر احادیث وارد ہوئی ہیں پاؤں کا بدل ہوکر پس جرموق پر مسح جائز قرار دینا موزہ کا بدل ہوکر ہوگا؛ حالانکہ یہ ناجائز ہے؛ اس لیے جرموق پر مسح جائز نہیں ہے۔

(البحر الرائق:۱/۱۸۹، عینی:۱/۳۶۵)

جواب: جرموق بدل کا بدل ہے ہمیں یہ بات تسلیم نہیں ہے؛ کیونکہ جرموق موزہ کا بدل نہیں؛ بلکہ پاؤں کا بدل ہے جیسا کہ موزہ پاؤں کی حفاظت کے واسطے ہوتا ہے اسی طرح جرموق موزے کی حفاظت کے واسطے ہوتا ہے؛ چنانچہ موزمہ پر جرموق ایسا ہوگیا جیسے دوتہ والا موزہ اور دوتہ والے موزے کے اوپری حصہ پر مسح جائز ہے اسی طرح جرموق پر بھی جائز ہوگا۔ (البحر الرائق:۱/۱۸۹، عینی:۱/۳۶۶)

دوسرا مذہب حنفیہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، سفیان ثوری اور جمہور علماء کا ہے، ان کے نزدیک جرموق پر مسح جائز ہے۔ (عینی:۱/۳۶۴)

دلیل: حضرت بلالؓ سے روایت ہے: رأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَسَحَ عَلَى الْمُوْقَيْنِ. (اعلاء السنن:۱/۲۴۳، نیل الاوطار:۱/۱۹۷، ابوداؤد:۱/۲۱) موق بھی جرموق ہی کا نام ہے۔ (اعلاء:۱/۲۴۳) اس کے علاوہ حضرت ابوذرؓ کی روایت سے بھی احناف کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔ (درایہ:۱/۶۷، عینی شرح ہدایہ:۱/۳۶۵)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال نمبر (۲۰)، مختصر القدوری

وَلَایَجُوْزُ الْمَسْحُ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ إِلَّا اَنْ يَّكُوْنَا مُجَلَّدَيْنِ اَوْمُنَعَّلَيْنِ وَقَالَا يَجُوْزُ إِذَا كَانَا ثَخِيْنَيْنِ لَايَشِفَّانِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) جورب، مجلد اور منعل کی تعریف کریں۔

(ج) جوربین پر مسح جائز ہے یا نہیں؟ وضاحت کریں۔

(د) ثخینین اور رقیق کا مطلب تحریر کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور جائز نہیں مسح کرنا جوربین پر مگر یہ کہ وہ مجلد ہوں یا منعل ہوں اور صاحبین نے کہا کہ جائز ہے بشرطیکہ موٹے کپڑے کے ہوں چھنتے نہ ہوں۔

(ب) جورب، مجلد اور منعل کی تعریف:

جورب: سوت یا اون کے بنے ہوئے موزے جو سخت جاڑے میں استعمال کیے جاتے ہیں۔

مجلد: اگر ایسے موزوں پر اوپر نیچے دونوں طرف چمڑا چڑھا ہوا ہو تو اس کو مجلد کہتے ہیں۔

منعل: اگر صرف نیچے کے حصہ میں چمڑا چڑھا ہوا ہو یعنی جوتے کے برابر تو اس کو منعل کہتے ہیں۔ (عینی:۱/۳۶۶)

(ج) جوربین پر مسح جائز ہے یا نہیں؟

جوربین مجلدین، جوربین منعلین پر بالاتفاق مسح کرنا جائز ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اگر جوربین مجلد یا منعل نہ ہوں اور رقیق ہوں یعنی ان میں ثخینین کی شرائط نہ پائی جاتی ہوں تو ان پر بالاتفاق مسح جائز نہیں ہے۔ (عینی:۱/۷ ۳۶، اعلاء السنن:۱/۲۴۴)

(د) ثخینین اور رقیق کا مطلب:

ثخینین کا مطلب: وہ موزے جن میں تین شرائط پائی جائیں: (۱) اگر ان پر پانی ڈالا جائے تو پاؤں تک نہ پہنچے (۲) بغیر باندھے پنڈلیوں پر رُکے رہیں (۳) ان کو پہن کر بغیر جوتے کے ایک دومیل پیدل چلا جاسکے۔

رقیق کا مطلب: وہ موزے جن میں مذکورہ بالا شرائط نہ پائی جائیں۔

سوال نمبر (۲۱)، مختصر القدوری

اَقَلُّ الْحَيْضِ ثَلٰثَةُ اَيَّامٍ وَلَيَالِيْهَا وَمَانَقَصَ مِنْ ذَالِكَ فَلَيْسَ بِحَيْضٍ وَهُوَاسْتِحَاضَةٌ وَاَكْثَرُهُ عَشَرَةُ اَيَّامٍ وَمَازَادَعَلٰى ذَالِكَ فَهُوَاسْتِحَاضَةٌ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) حیض کے لغوی واصطلاحی معنیٰ تحریر کریں۔

(ج) عبارت کی تشریح کرتے ہوئے اختلاف الائمہ مع دلائل تحریر کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور ان کی راتیں ہیں اور جو اس سے کم ہو وہ حیض نہیں بلکہ وہ استحاضہ ہے اور حیض کی اکثر مدت دس دن ہے، اور جو اس پر زیادہ ہو وہ استحاضہ ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب) حیض کے لغوی واصطلاحی معنیٰ:

حیض کی لغوی تعریف: بہنا۔

اصطلاحی تعریف: حیض اس خون کو کہا جاتا ہے جو رحم کی گہرائی سے بحالتِ صحت مقررہ وقت کے مطابق جاری ہوتا ہے۔

(ج) عبارت کی تشریح اور اختلاف الائمہ مع دلائل:

کم سے کم حیض کی مدت تین دن تین رات ہے، اور زیادہ سے زیادہ دس دن اور دس رات ہے، کسی کو تین دن تین رات سے کم خون آیا وہ حیض نہیں بلکہ استحاضہ ہے اور اگر دس دن رات سے زیادہ آیا ہے، وہ بھی استحاضہ ہے۔

حیض کی اقلِ مدت واکثرِ مدت میں اختلاف ائمہ مع دلائل وجوابات:

امام مالکؒ کے نزدیک کم کی کوئی حد نہیں ایک قطرہ بھی ان کے نزدیک حیض ہوگا، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ایک دن ایک رات ہے۔

(عینی: ۱/۲۷۷، معارف السنن: ۱/۴۱۲)

حنفیہ کے نزدیک تین دن تین رات ہے۔ (معارف السنن: ۱/۴۱۲)

اکثر مدت کے سلسلہ میں امام شافعیؒ واحمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ پندرہ دن ہے۔

(البحر الرائق: ۱/۲۰۱)

امام مالکؒ کے نزدیک سترہ دن احناف کے نزدیک دس دن۔ (معارف السنن: ۱/۴۱۲)

احناف کی دلیل: عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اَقَلُّ الْحَيْضِ ثَلَاثٌ اَكْثَرُهُ عَشَرٌ. (اعلاء: ۱/۲۴۹)

اس کے علاوہ واثلہؓ، انسؓ، معاذ بن جبلؓ، ابوسعید خدریؓ اور عائشہؓ کی روایات احناف کے مذہب کی تائید کرتی ہیں یہ تمام روایات اگرچہ ضعیف ہیں، لیکن اس روایت کے مقابلہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

میں احسن ہیں، جس سے شوافع کا استدلال ہے۔ (معارف السنن:۱/۴۱۳، عینی:۱/۳۷۹)

شوافع وحنابلہ کا استدلال: اس روایت سے ہے جس کے الفاظ ہیں: تَمْكُثُ إِحْدَاكُنَّ شَطْرُ عُمْرِهَا لَاتُصَلِّي. (معارف السنن:۱/۴۱۳)

یعنی تم میں سے ہر ایک اپنی عمر کا آدھا حصہ ٹھہری رہتی ہو نماز نہیں پڑھ سکتی اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، کہ آدھی عمر نماز کے قابل نہیں رہتی اور یہ بات اسی وقت ہو سکتی ہے، جب کہ حیض کی اکثر مدت پندرہ دن مانی جائے۔

جواب: اس حدیث کے متعلق ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں: "حَدِيْثٌ لَايُعْرَفُ".

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں: "أَنَّهُ لَمْ يَجِدْهُ" امام نوویؒ فرماتے ہیں: "حَدِيْثٌ بَاطِلٌ لَايُعْرَفُ". (معارف السنن:۱/۴۱۳)

اور اگر بالفرض یہ حدیث درست بھی مان لی جائے اور شوافع وحنابلہ کے مذہب کے مطابق پندرہ دن حیض شمار کیا جائے تب بھی مجموعی عمر میں حیض کا حصہ نصف نہیں ہو سکتا کیونکہ قبل البلوغ اور بعد الایاس کا سارا زمانہ بغیر حیض کا ہے۔ (اعلاء:۱/۲۴۹)

امام مالکؒ کا استدلال: ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى﴾ اس آیت میں بغیر تعیین وتقدیر کے حیض کو گندگی قرار دیا ہے۔

جواب: حضرت ابوامامہؓ وغیرہ صحابہ کی تمام روایات اس آیت کے اجمال کی تفسیر بیان کر رہی ہیں۔ (بدائع:۱/۱۵۴)

سوال نمبر (۲۲)، مختصر القدوری

وَالطُّهْرُ إِذَاتَخَلَّلَ بَيْنَ الدَّمَيْنِ فِي مُدَّةِ الْحَيْضِ فَهُوَ كَالدَّمِ الْجَارِيْ. وَاَقَلُّ الطُّهْرِ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا وَلَاغَايَةَ لِاَكْثَرِهٖ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب) طہر کی تعریف کریں۔

(ج) مذکورہ عبارت کی صورتِ مسئلہ مع اختلاف الائمہ تحریر کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور پاکی جب واقع ہو دونوں خونوں کے درمیان حیض کی مدت میں تو وہ جاری خون کی طرح ہے اور پاکی کی کم سے کم مدت پندرہ دن ہے اور زیادہ کی کوئی انتہا نہیں۔

(ب) طہر کی تعریف:

طہر: وہ زمانہ جو دو خونوں کے درمیان حدِّ فاصل ہے اس کی کم سے کم مدت پندرہ دن ہے اور زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔

(ج) مذکورہ عبارت کی صورتِ مسئلہ مع اختلاف الائمہ:

طہر کامل کی مثال: ایک عورت تین دن خون دیکھے پھر پندرہ دن پاکی دیکھے اور پھر تین دن خون دیکھے تو یہ پندرہ دن بالاتفاق طہر ہے اور دو خونوں کے درمیان حدِّ فاصل ہے۔ طہر ناقص کے فاصل ہونے اور نہ ہونے میں امام صاحب سے چار روایتیں ہیں:

طہر ناقص مطلقاً فاصل نہیں ہوگا (یعنی اگر طہر ناقص کو دونوں طرف سے خون گھیرے ہوئے ہو خواہ ایک دن ہو یا زیادہ دس دن ہو یا دس سے باہر) درمیان کی پاکی کو حیض سمجھا جائے گا اگر عورت کی عادت مقرر ہے تو ایامِ عادت حیض اور باقی استحاضہ ہے اور اگر عادت مقرر نہیں ہے تو دس دن حیض اور باقی استحاضہ ہے۔

مثال: ایک عورت نے ایک دن خون دیکھا پھر چودہ دن پاک رہی پھر ایک دن

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

خون دیکھا اور ہر ماہ اس کی عادت آٹھ روز خون آنے کی ہے تو اس کی عادت کے مطابق آٹھ دن حیض قرار دیے جائیں گے اور باقی استحاضہ۔

اور اگر عادت مقرر نہیں ہے تو شروع کے دس دن حیض اور باقی استحاضہ ہوگا یہ قول امام ابو یوسفؒ کا ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا آخری قول ہے عورتوں پر آسانی کی خاطر اسی قول پر علماء نے فتویٰ دیا ہے۔ صاحبِ عنایہ کے بقول اسی مذہب میں مفتی و مستفتی دونوں کے لیے آسانی ہے، اسی قول کو امام قدوری نے کتاب میں ذکر کیا ہے مزید افادہ کے لیے امام ابوحنیفہؒ سے منقول اور تین روایتیں بیان کی جاتی ہیں، تاکہ قدوری میں ذکر کردہ نقشہ کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

پہلی امام محمدؒ کی روایت جو امام صاحبؒ سے منقول ہے وہ یہ ہے کہ طہر ناقص اگر دو خونوں کے درمیان مدتِ حیض میں واقع ہو تو یہ طہر فاصل نہ ہوگا؛ بلکہ مسلسل خون کے حکم میں ہوگا جیسے ایک دن خون دیکھا پھر پانچ دن پاک رہی، پھر ایک دن خون دیکھا تو سات دن حیض کے شمار ہوں گے اور امام محمدؒ کا مذہب جس میں مذکورہ شرط کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ درمیان کی پاکی جب تین دن سے کم ہو تو سارے ایام حیض کے سمجھے جائیں گے اور دونوں خونوں کے درمیان کی پاکی تین دن یا اس سے زیادہ ہے تو پھر دیکھا جائے گا کہ پاکی دونوں خونوں کے برابر ہے یا کم ہے ان دونوں صورتوں میں بھی سب ایام حیض کے ہی سمجھے جائیں گے اور اگر درمیان کی پاکی دونوں طرف کے خونوں سے زیادہ ہے تو پھر غور کیا جائے گا، اگر دونوں جانب کے خونوں میں سے کوئی ایک حیض بننے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اسے حیض بنا دیا جائے گا اور دوسری طرف کے خون کو استحاضہ اور اگر حیض بنانے کی صلاحیت نہیں ہے تو پھر سارے ایام حیض کے سمجھے جائیں گے۔

مثالیں: ایک عورت دو دن خون دیکھے پھر پانچ دن پاک رہے پھر تین دن خون دیکھے اس صورت میں خون کا مجموعہ طہر کے برابر ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دوسری صورت: تین دن خون دیکھا تین دن پاک رہی پھر ایک دن خون دیکھا اس صورت میں خون کا مجموعہ طہر سے زیادہ ہے لہٰذا دونوں صورتوں میں طہر فاصل نہ ہوگا؛ بلکہ سارے ایام حیض میں شمار ہوں گے۔

تیسری صورت: ایک عورت دو دن خون دیکھے پھر پانچ دن پاک رہے پھر دو خون دیکھے چونکہ اس صورت میں پاکی خون کے مجموعہ سے زیادہ ہے اور کسی ایک جانب حیض بننے کی صلاحیت بھی نہیں ہے لہٰذا سارے ایام استحاضہ کے ہوں گے۔

دوسری روایت امام زفرؒ کے نزدیک جب حیض کی اکثر مدت میں اقل مدت کے بقدر خون دیکھے تو درمیان کی پاکی جاری خون کے مانند ہے؛ چنانچہ سارے ایام حیض کے سمجھے جائیں گے اور اگر حیض کی اکثر مدت میں اقل مدت کے بقدر خون نہیں دیکھا تو پھر کچھ بھی حیض نہیں سمجھا جائے گا۔

مثال: ایک عورت نے دو دن خون دیکھا سات دن پاک رہی پھر ایک دن خون دیکھا تو سارے ایام حیض کے ہیں؛ کیونکہ اکثر مدت میں اقل مدت کے بقدر خون دیکھا ہے۔

دوسری مثال: ایک دن خون دیکھا آٹھ دن پاک رہی پھر ایک دن خون دیکھا اس صورت میں کچھ بھی حیض نہیں ہے؛ کیونکہ اکثر مدت میں اقل مدت کے بقدر خون نہیں دیکھا۔

تیسری روایت جو حسن بن زیادؒ کی امام صاحبؒ سے منقول ہے: وہ یہ ہے کہ درمیان کی پاکی جب تین دن سے کم ہو تو سارے ایام حیض کے ہوں گے جیسا کہ امام محمدؒ نے فرمایا ہے اور اگر تین دن ہوں یا تین دن سے زیادہ خواہ پاکی دونوں جانب کے خونوں کے برابر ہو یا دونوں طرف کا خون پاکی سے زیادہ ہو تو تمام صورتوں میں مطلقاً فاصل ہوگا۔

مثال: ایک عورت نے ایک دن خون دیکھا دو دن پاک رہی پھر ایک دن خون دیکھا تو سارے ایام حیض کے ہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دوسری مثال: ایک عورت نے ایک دن خون دیکھا سات دن پاک رہی پھر دو دن خون دیکھا اس صورت میں کچھ حیض نہیں ہے۔

سوال نمبر (۲۳)، مختصر القدوری

وَدَمُ الْاِسْتِحَاضَةِ هُوَ مَاتَرَاهُ الْمَرْأَةُ اَقَلَّ مِنْ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ اَوْاَكْثَرَ مِنْ عَشَرَةِ اَيَّامٍ فَحُكْمُهٗ حُكْمُ الرُّعَافِ لَايَمْنَعُ الصَّلٰوةَ وَلَاالصَّوْمَ وَلَاالْوَطِيَ وَإِذَازَادَ الدَّمُ عَلَى الْعَشَرَةِ وَلِلْمَرْأَةِ عَادَةٌ مَعْرُوْفَةٌ رُدَّتْ إِلٰى اَيَّامِ عَادَتِهَا وَمَازَادَ عَلٰى ذَالِكَ فَهُوَ اِسْتِحَاضَةٌ وَإِنِ ابْتَدَأَتْ مَعَ الْبُلُوْغِ مُسْتَحَاضَةً فَحَيْضُهَا عَشَرَةُ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَالْبَاقِيْ اِسْتِحَاضَةٌ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) استحاضہ کے لغوی واصطلاحی معنی تحریر کریں۔

(ج) مستحاضہ کے ساتھ جماع کا حکم کیا ہے وضاحت کریں؟

(د) مستحاضہ کی کتنی قسمیں ہیں؟ ہر ایک کو تفصیل کے ساتھ بیان کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور استحاضہ کا خون وہ ہے جس کو دیکھے عورت تین دن سے کم یا دس دن سے زیادہ چنانچہ اس کا حکم نکسیر کا حکم ہے کہ نہ نماز کو روکتا ہے اور نہ روزے کو اور نہ صحبت کو۔ اور اگر بڑھ گیا خون دس دن پر حالانکہ عورت کی عادت مقرر ہے تو وہ اپنی عادت کے ایّام کی طرف لوٹائی جائے گی اور جو اس سے زائد ہو وہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

استحاضہ ہے۔ اور اگر عورت استحاضہ ہی کی حالت میں بالغ ہوئی تو اس کا حیض دس دن ہے ہر ماہ میں سے اور باقی استحاضہ ہے۔

(ب) استحاضہ کے لغوی و اصطلاحی معنیٰ:

لغوی معنیٰ: بہنا۔

اصطلاحی تعریف: وہ خون ہے جو رحم کے راستہ سے کسی بیماری کی بنا پر غیر معین وقت میں جاری ہوتا ہے، استحاضہ کا حکم ایسا ہے جیسے کسی کی نکسیر پھوٹے اور بند نہ ہو، مستحاضہ عورت نماز بھی پڑھے، روزہ بھی رکھے قضا نہ کرنی چاہیے اور اس سے صحبت کرنا بھی درست ہے۔

کسی عورت کو ہمیشہ تین یا چار دن خون آتا ہے پھر کسی مہینہ میں زیادہ آ گیا اور دس دن سے بھی بڑھ گیا تو جتنے دن پہلے سے عادت کے ہیں اتنا تو حیض ہے باقی سب استحاضہ ہے ان دنوں کی نمازیں قضا پڑھنا واجب ہے۔

اور اگر ایسی عورت ہو کہ پہلے اس کو حیض نہ آیا تھا اسی حیض سے بالغہ ہوئی مگر جو حیض بلوغ کا آیا دس دن سے تجاوز کر گیا تو اس کا حیض ہر ماہ دس دن ہوگا اور باقی استحاضہ ہے۔

(ج) مستحاضہ کے ساتھ جماع کا حکم کیا ہے؟

مستحاضہ کے ساتھ وطی کے جواز و عدمِ جواز میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اس کے ساتھ وطی کرنا جائز نہیں ہے؛ البتہ طولِ مدت کی وجہ سے وطی کی جا سکتی ہے اور طولِ مدت چار ماہ ہیں، بہرکیف نماز پڑھنا ضروری ہے۔

(۲) ائمہ ثلاثہ اور جمہور کے نزدیک اس کے ساتھ وطی کرنا جائز ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(د) مستحاضہ کی قسمیں اور ہر ایک کی تفصیل:

احناف کے نزدیک مستحاضہ کی تین قسمیں ہیں: (۱) مبتدءہ (۲) معتادہ (۳) متحیرہ

مبتدءہ: وہ بالغ لڑکی جس کو زندگی میں پہلی مرتبہ حیض شروع ہوا اور پھر مستقل جاری ہو گیا۔ حکم: دس دن حیض میں شمار کرے گی اور نماز روزہ چھوڑ دے گی اور دس دن گزرنے کے بعد غسل کر کے نماز شروع کر دیگی اور بیس دن بعد پھر ایامِ حیض شمار کرے گی۔

معتادہ: وہ عورت جس کو پہلے حیض آچکا تھا اور بعد میں استحاضہ کی بیماری میں مبتلا ہو گئی اور استحاضہ سے قبل دمِ حیض کے لیے عادت متعین تھی۔

حکم: ایامِ عادت کے بعد جو خون آرہا ہے اگر دس دن سے پہلے پہلے بند ہو جائے تو پورا خون حیض ہوگا اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی عادت تبدیل ہو گئی اور اگر دس دن کے بعد بھی خون جاری ہے تو ایامِ عادت کے بعد کے خون کو استحاضہ کا خون قرار دیا جائے گا اور ایامِ عادت کے بعد جتنی نمازیں چھوڑی ہیں ان کی قضا لازم ہوگی۔

متحیّرہ: وہ عورت جو معتادہ تھی پھر برابر خون جاری ہو گیا اور اپنی پہلی عادت بھی بھول گئی اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) متحیرہ بالعدد: وہ عورت جس کو ایامِ حیض کی تعداد یاد نہیں رہی کہ پانچ دن آتا تھا یا سات دن۔

حکم: جس دن سے حیض آنا شروع ہوا اس دن سے وہ تین دن تین رات تک نماز چھوڑ دے گی، تین دن کے بعد اکثر مدتِ حیض کے جو سات دن باقی ہیں، ان میں نماز غسل کر کے پڑھے گی؛ کیونکہ ہر ایک دن حیض سے فارغ ہونے کا احتمال ہے اس کے بعد بیس دن تک وضو لکل صلوٰۃ کرے گی۔

(۲) متحیرہ بالوقت: جس کو یہ یاد نہیں کہ مہینے کے شروع میں حیض آیا کرتا تھا یا بیچ میں یا اخیر میں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حکم: ایسی عورت کا حکم یہ ہے کہ جتنے ایام اس کے حیض کے ہوا کرتے تھے اتنے دن (مثلاً شروع کے پانچ دن) ہر نماز کے لیے نیا وضو کرے گی اور باقی پچیس دن ہر نماز کے لیے غسل کرے گی۔

(۳) متحیرہ بالعدد والزمان: وہ عورت جس کو نہ ایامِ حیض یاد ہے اور نہ اس کا زمانہ یاد ہے دونوں ہی چیزیں بھول گئی۔

حکم: مہینے کے شروع میں تین دن تک ہر نماز کے لیے نیا وضو کرے گی اور باقی ستائیس دن غسل لکل صلوٰۃٍ کرے گی۔

سوال نمبر (۲۴)، مختصر القدوری

وَالنِّفَاسُ هُوَالدَّمُ الْخَارِجُ عَقِيْبَ الْوِلادَةِ وَالدَّمُ الَّذِیْ تَرَاهُ الْحَامِلُ وَمَاتَرَاهُ الْمَرْأَةُ فِیْ حَالِ وِلادَتِهَا قَبْلَ خُرُوجِ الْوَلَدِ اِسْتِحَاضَةٌ وَاَقَلُّ النِّفَاسِ لاحَدَّلَهُ وَاَكْثَرُهُ اَرْبَعُوْنَ يَوْمًا وَمَازَادَ عَلٰی ذَالِکَ فَهُوَاِسْتِحَاضَةٌ

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) نفاس کی تعریف کریں۔

(ج) مذکورہ عبارت کی تشریح کریں۔

(د) نفاس کی اکثر مدت میں کیا اختلاف؟ بیان کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور نفاس وہ خون ہے جو نکلے پیدائش کے بعد۔ اور وہ خون جس کو حاملہ دیکھے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

یا عورت ولادت کے وقت بچہ ہونے سے پہلے دیکھے تو وہ استحاضہ ہے۔اور کم سے کم نفاس کی کوئی حد نہیں اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے اور جو اس پر زیادہ ہو وہ استحاضہ ہے۔

(ب) نفاس کی تعریف:

نفاس کی تعریف: وہ خون جو ولادت کے بعد نکلتا ہو۔ (معارف السنن:۱/۴۶۳)

(ج) مذکورہ عبارت کی تشریح:

اگر حاملہ عورت حمل کے دوران یا بچے کی پیدائش کے وقت پیدا ہونے سے پہلے خون دیکھے تو حنفیہ کے نزدیک یہ خون استحاضہ کا خون ہوگا امام اوزاعی امام زہری سفیان ثوری امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے۔ (عینی:۱/۴۲۵)

دوسرا مذہب: امام شافعیؒ کا اصح قول اور امام مالکؒ کے نزدیک حیض ہے یہ حضرات اس کو نفاس پر قیاس کرتے ہیں کیونکہ دونوں رحم سے ہی آتے ہیں۔ (عینی:۱/۴۲۵)

احناف کی دلیل: حمل کی وجہ سے رحم کا منھ بند ہو جاتا ہے، تو حالت حمل میں جو خون نکلے گا وہ رحم کے علاوہ سے ہوگا اور رحم سے جو خون آتا ہے وہ استحاضہ کا ہوتا ہے۔

(عنایہ:۱/۱۶۵)

امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب: نفاس پر قیاس کرنا درست نہیں ہے؛ کیونکہ بچہ پیدا ہونے کی وجہ سے رحم کا منھ کھل گیا اور رحم کا منھ کھلنے کے بعد جو خون آتا ہے وہ نفاس ہی کا ہوتا ہے۔ (عینی:۱/۴۲۶)

نفاس کی اکثر مدت میں اختلاف ہے۔ اس بارے میں دو مذہب نقل کئے جاتے ہیں:

امام مالکؒ کی ایک روایت اور امام شافعیؒ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ نفاس کی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اکثر مدت ساٹھ دن ہے۔ (معارف السنن:١/٤٦٣، نیل الاوطار:١/٣٠٤، عینی:١/٤٢٩)

دلیل: امام شعبی سے منقول ہے کہ اکثر مدت نفاس ساٹھ دن ہے۔ (بدائع:١/١٥٧)
امام اوزاعی فرماتے ہیں، کہ ہمارے زمانہ میں عورتیں دو ماہ نفاس کا خون دیکھتی تھیں اور ربیعہ سے منقول ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ عورت کو زیادہ سے زیادہ ساٹھ روز نفاس کا خون آتا ہے۔ (ہدایہ مع الحاشیہ:١/٧٠)

جواب: آپ کا مذہب نہ حدیث سے ثابت ہے اور نہ کسی صحابی کے قول سے بلکہ بعض تابعین کے اقوال سے ثابت ہے، لہٰذا یہ اقوال احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ، امام مالکؒ کی ایک روایت اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک اکثر مدت چالیس دن ہے۔

(معارف السنن:١/٤٦٣، عینی:١/٤٢٩)

دلیل: حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ نفاس والی عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چالیس دن بیٹھتی تھی۔ (ترمذی:١/٤٦٣، عینی:١/٤٢٩) اس کے علاوہ عائشہ ابن عباس ابوہریرہ کی روایت بھی ہمارے مذہب کی تائید کرتی ہیں۔ (بدائع:١/١٥٨)

سوال نمبر (٢٥)، مختصر القدوری

وَيَجُوزُ تَطْهِيرُ النَّجَاسَةِ بِالْمَاءِ وَبِكُلِّ مَائِعٍ طَاهِرٍ يُمْكِنُ إِزَالَتُهَا بِهِ كَالْخَلِّ وَمَاءِ الْوَرْدِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) نجاست کی کتنی قسمیں ہیں؟ ہر ایک کی تعریف لکھیں۔

(ج) کن چیزوں سے نجاستِ حقیقی کو زائل کرنا جائز ہے اور کن سے نہیں وضاحت کے ساتھ تحریر کریں؟

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(الف) ترجمة

اور جائز ہے نجاست کو پاک کرنا پانی سے اور ہر ایسی چیز کے ساتھ جو بہتی ہو پاک ہو اس کے ساتھ نجاست کا زائل کرنا ممکن ہو جیسے سرکہ اور گلاب کا پانی۔

(ب) نجاست کی کتنی قسمیں ہیں؟ ہر ایک کی تعریف:

نجاست کی دو قسمیں ہیں: (۱) حکمیہ (۲) حقیقیہ

حکمیہ کی تعریف: انسان کی وہ حالت جس میں نماز اور قرآن کریم پڑھنا درست نہیں ہے۔

نجاستِ حقیقیہ کی تعریف: وہ چیز جس سے انسان نفرت کرتا ہے اپنے بدن، کپڑوں اور کھانے پینے کی چیزوں کو اس سے بچاتا ہے۔ (علم الفقہ: ۱/۴۳)

(ج) کن چیزوں سے نجاستِ حقیقی کو زائل کرنا جائز ہے اور کن سے نہیں؟

کن چیزوں سے نجاستِ حقیقی کو زائل کرنا جائز ہے اور کن سے نہیں؟ اس سلسلہ میں دو مذہب بیان کیے جاتے ہیں۔

پہلا مذہب امام محمدؒ، امام زفرؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور عامۃ الفقہاء کا ہے، انکے نزدیک پانی کے علاوہ دوسری بہنے والی چیزوں سے پاکی حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ (عینی: ۱/۴۲۷)

دلیل: جس طرح نجاستِ حکمی پانی کے علاوہ سے زائل نہیں ہوتی اسی طرح نجاستِ حقیقی بھی پانی کے علاوہ سے زائل نہیں ہوگی۔ (عینی: ۱/۴۲۷)

جواب: نجاستِ حکمی پر نجاستِ حقیقی کو قیاس کرنا درست نہیں ہے؛ کیونکہ نجاستِ حکمی ایک شرعی مانع ہے، لہٰذا یہ اس طور پر زائل ہوگی جیسے شرع وارد ہوئی ہے یعنی پانی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سے، برخلاف نجاستِ حقیقیہ کے، کہ وہ محسوس چیز ہے۔ (بدائع:۱/۲۴۰)

دوسرا مذہب: شیخین کے نزدیک پانی اور ہر ایسی چیز کے ساتھ نجاستِ حقیقیہ کا زائل کرنا جائز ہے جو بہتی ہو، پاک ہو، اور اس سے نجاست زائل کرنا ممکن بھی ہو۔

(نیل الاوطار:۱/۴۹، عینی:۱/۴۳۷)

نقلی دلیل: قَالَتْ عَائِشَةُ مَاكَانَ لِاِحْدَانَا اِلَّاثَوْبٌ وَاحِدٌ تَحِيْضُ فِاِذَا اَصَابَهُ شَيْءٌ مِنْ دَمٍ بَلَّتْهُ بِرِيْقِهَا ثُمَّ قَصَعَتْهُ بِرِيْقِهَا. (ابوداؤد:۱/۵۲)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہمارے زمانہ میں، حیض میں پہننے کے لیے ایک ہی کپڑا ہوتا تھا اگر اس پر خون لگا ہوا ہوتا تو اس کو اپنی ریق اور لعابِ دہن سے تر کر کے رگڑتیں۔ اس حدیث میں لعاب کے ذریعہ ازالۂ نجاست مذکور ہے اگر لعابِ دہن کو مزیلِ نجاست نہ مانا جائے تو پھر اس سے اور زیادتی ہو جائے گی، معلوم ہوا کہ پانی کے علاوہ سے ازالۂ نجاست ہوسکتا ہے۔

عقلی دلیل: بہنے والی چیز نجاست کو اُکھاڑ کر دُور کر دیتی ہے اور پانی میں پاک کرنے والی صفت اسی وجہ سے ہے کہ وہ نجاست کو دُور کر دیتا ہے؛ چنانچہ جب یہ معنیٰ دوسری بہنے والی چیزوں میں موجود ہیں تو پانی کی طرح یہ بھی پاک کرنے والی اور مزیلِ نجاست ہوں گی۔ (بدائع الصنائع:۱/۲۴۰، عینی شرح ہدایہ:۱/۴۳۷-۴۳۸)

سوال نمبر (۲۶)، مختصر القدوری

وَمَنْ اَصَابَتْهُ مِنَ النَّجَاسَةِ الْمُغَلَّظَةِ كَالدَّمِ وَالْبَوْلِ وَالْغَائِطِ وَالْخَمْرِ مِقْدَارُ الدِّرْهَمِ وَمَادُوْنَهُ جَازَتِ الصَّلٰوةُ مَعَهُ وَاِنْ زَادَ لَمْ يَجُزْ وَاِنْ اَصَابَتْهُ نَجَاسَةٌ مُخَفَّفَةٌ كَبَوْلِ مَايُؤْكَلُ لَحْمُهُ جَازَتِ الصَّلٰوةُ مَعَهُ مَالَمْ تَبْلُغْ رُبْعَ الثَّوْبِ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔
(ب) نجاستِ حقیقی کی کتنی قسمیں ہیں ہر ایک کی تعریف کریں۔
(ج) اس عبارت سے مصنف کا کیا مقصد ہے؟ وضاحت کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور جس شخص کو نجاستِ غلیظہ لگ جائے جیسے خون، پیشاب، پاخانہ، شراب ایک درہم کی مقدار یا اس سے کم تو جائز ہے نماز اس کے ساتھ اور اگر زائد ہو تو جائز نہیں۔ اور اگر لگ جائے نجاستِ خفیفہ جیسے ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے تو جائز ہے نماز اس کے ساتھ جب تک نہ پہنچے چوتھائی کپڑے کو۔

(ب) نجاستِ حقیقی کی قسمیں:

نجاستِ حقیقیہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) غلیظہ (۲) خفیفہ

غلیظہ: وہ چیز جس کے ناپاک ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو جملہ دلیلوں سے اس کا ناپاک ہی ہونا ثابت ہے جیسے: آدمی کا پاخانہ یا شراب وغیرہ۔ (علم الفقہ: ۱/۴۳)

خفیفہ: وہ چیز جس کا نجس ہونا یقینی نہ ہو کسی دلیل سے اس کا ناپاک ہونا معلوم ہوتا ہو اور کسی دلیل سے اس کے پاک ہونے کا شبہ ہوتا ہو جیسے بول ما یوکل لحمہ۔

(ج) اس عبارت سے مصنف کا کیا مقصد ہے؟ وضاحت کریں۔

اس عبارت سے مصنف علیہ الرحمہ کا مقصد اِس بات کو بیان کرنا ہے کہ نجاست کی کتنی مقدار معاف ہے اور کتنی مقدار معاف نہیں ہے؛ چنانچہ فرمایا کہ نجاستِ غلیظہ میں سے اگر پتلی اور بہنے والی چیز کپڑے یا بدن پر لگ جائے اور وہ پھیلاؤ میں روپیہ کے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ہتھیلی بھر چوڑائی کے) برابر یا اس سے کم ہو تو معاف ہے بغیر اس کے دھوئے اگر نماز پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی؛ لیکن نہ دھونا اور اسی طرح نماز پڑھتے رہنا مکروہِ تحریمی اور برا ہے اور اگر روپیہ سے زیادہ ہو تو وہ معاف نہیں اس کے دھوئے بغیر نماز نہ ہوگی اور اگر نجاستِ غلیظہ میں سے گاڑھی چیز لگ جائے جیسے پاخانہ، مرغی کی بیٹ وغیرہ تو اگر وزن میں ساڑھے چار ماشہ (۴ گرام ۳۷۴ ملی گرام) یا اس سے کم ہو تو بغیر دھوئے نماز درست ہے اور اگر اس سے زیادہ لگ جائے تو بغیر دھوئے نماز درست نہیں ہے۔

مسئلہ: اگر نجاستِ خفیفہ کپڑے یا بدن میں لگ جائے تو جس حصہ یا عضو میں لگی ہے اگر اس کے چوتھائی سے کم میں لگی ہو تو معاف ہے اور اگر پورا چوتھائی یا اس سے زیادہ ہو ہو تو معاف نہیں اس کا دھونا واجب ہے یعنی بغیر دھوئے نماز درست نہیں۔

سوال نمبر (۲۷)، مختصر القدوری

وَتَطْهِيرُ النَّجَاسَةِ الَّتِي يَجِبُ غَسْلُهَا عَلٰى وَجْهَيْنِ فَمَا كَانَ لَهٗ عَيْنٌ مَرْئِيَّةٌ فَطَهَارَتُهَا زَوَالُ عَيْنِهَا اِلَّا اَنْ يَّبْقٰى مِنْ اَثَرِهَا مَا يَشُقُّ إِزَالَتُهَا وَمَالَيْسَ لَهٗ عَيْنٌ مَرْئِيَّةٌ فَطَهَارَتُهَا اَنْ يَغْسِلَ حَتّٰى يَغْلِبَ عَلٰى ظَنِّ الْغَاسِلِ أَنَّهٗ قَدْ طَهُرَ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) مذکورہ عبارت کی اچھی طرح وضاحت کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور وہ نجاست جس کا دھونا واجب ہے اس سے پاکی حاصل کرنا دو طریقے پر

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہے؛ چنانچہ جونجاست بعینہٖ دکھائی دیتی ہو اس کی پاکی اس کے عین کا زائل ہوجانا ہے مگر یہ کہ نجاست کے اثر سے وہ چیز باقی رہ جائے جس کا دُور کرنا دُشوار ہو۔ اور جونجاست بعینہٖ دکھائی نہ دے اس کی پاکی یہ ہے کہ دھوتا رہے یہاں تک کہ دھونے والے کے گمان پر غالب آجائے کہ وہ پاک ہوگئی۔

(ب) مذکورہ عبارت کی وضاحت:

نجاست کی دو قسمیں ہیں: (۱) نجاستِ مرئیہ (۲) نجاستِ غیر مرئیہ

نجاستِ مرئیہ: وہ ہے جو سوکھنے اور خشک ہونے کے بعد نظر آئے جیسے بہنے والا خون۔

نجاستِ غیر مرئیہ: وہ ہے جو خشک ہونے کے بعد نظر نہ آئے جیسے نجس پانی اگر دلدار نجاست لگ جائے جیسے پاخانہ، خون تو اتنا دھوئے کہ نجاست چھوٹ جائے اور دھبّہ جاتا رہے چاہے جتنی دفعہ میں چھوٹے جب نجاست چھوٹ جائے گی تو کپڑا پاک ہوجائے گا اور اگر بدن میں لگ گئی ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے اگر ایسی نجاست ہے کہ کئی دفعہ دھونے اور نجاست کے چھوٹ جانے پر بھی بد بو نہیں گئی یا کچھ دھبہ رہ گیا تب بھی کپڑا پاک ہوگیا صابون وغیرہ لگا کر دھبہ چھڑانا اور بد بو دُور کرنا ضروری نہیں ہے۔

اگر پیشاب کے مانند کوئی نجاست لگ گئی جو دلدار نہیں ہے تو تین مرتبہ دھوئے اور ہر مرتبہ نچوڑے اور تیسری مرتبہ پوری طاقت لگا کر خوب زور سے نچوڑے تب پاک ہوگ اگر خوب زور سے نہ نچوڑے گا تو کپڑا پاک نہ ہوگا۔

سوال نمبر (۲۸)، مختصر القدوری

وَاَوَّلُ وَقْتِ الظُّهْرِ اِذَازَالَتِ الشَّمْسُ وَآخِرُوَقْتِهَاعِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ اِذَاصَارَظِلُّ كُلِّ شَیْءٍ مِثْلَیْهِ سِوىٰ فَیْءِ الزَّوَالِ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَااللّٰهُ اِذَاصَارَظِلُّ كُلِّ شَیْءٍ مِثْلَهٗ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

وَاَوَّلُ وَقْتِ الْعَصْرِ اِذَا خَرَجَ وَقْتُ الظُّهْرِ عَلَى الْقَوْلَيْنِ وَآخِرُ وَقْتِهَا مَالَمْ تَغْرُبِ الشَّمْسُ

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) صلاۃ کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ تحریر کریں۔

(ج) مذکورہ عبارت کی تشریح کریں۔

(د) اختلاف الائمہ بیان کریں۔

جواب

(الف) ترجمۃ

اور ظہر کا اول وقت وہ ہے، جب سورج ڈھل جائے اور اس کا آخری وقت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جب ہر چیز کا سایہ دوگنا ہوجائے سایۂ اصلی کے علاوہ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا جب ہر چیز کا سایہ اس کے ایک مثل ہوجائے ۔ اور عصر کا اول وقت وہ ہے، جب نکل جائے ظہر کا وقت دونوں قولوں کے مطابق اور اس کا آخری وقت وہ ہے جب تک کہ سورج غروب نہ ہو۔

(ب) صلاۃ کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ:

لغوی معنیٰ: صلاۃ کے لغوی معنیٰ دعاء کے ہیں۔

اصطلاحی معنیٰ: افعالِ مخصوصہ مشہورہ (قیام، قرأت، رکوع اور سجود) کا نام ہے۔ (البحر الرائق: ۲۵۶/۱، بذل المجہود: ۲۲۵/۱، عینی: ۴۷۸/۱)

(ج) مذکورہ عبارت کی تشریح:

دوپہر ڈھل جائے سے ظہر کا وقت شروع ہوجاتا ہے، سورج نکل کر جتنا اور اونچا ہوتا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جاتا ہے، ہر چیز کا سایہ گھٹتا جاتا ہے، جب گھٹنا بند ہوجائے تو اس وقت دوپہر کا وقت ہے، پھر جب سایہ بڑھنا شروع ہوجائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ دن ڈھل گیا، اسی وقت سے ظہر کا وقت شروع ہوجاتا ہے، اور سایۂ اصلی کو چھوڑ کر جب تک ہر چیز کا سایہ دوگنا نہ ہوجائے اس وقت تک ظہر کا وقت رہتا ہے، مثلاً ایک ہاتھ لکڑی کا سایہ دوپہر کو چار انگل تھا تو جب تک دو ہاتھ چار انگل نہ ہوجائے تب تک ظہر کا وقت ہے اور جب دو ہاتھ چار انگل ہوگیا تو عصر کا وقت آ گیا اور عصر کا وقت سورج ڈوبنے تک باقی رہتا ہے؛ لیکن جب سورج کا رنگ بدل جائے اور دھوپ زرد پڑ جائے اس وقت عصر کی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

(د) اختلاف الائمہ:

ظہر کے اوّل وقت کے سلسلہ میں تمام ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زوالِ شمس سے شروع ہوتا ہے؛ البتہ انتہائے وقتِ ظہر واوّلِ وقت عصر میں اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ظہر کا وقت دو مثل پر ختم ہوجاتا ہے، اس کے بعد متصلاً عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔

صاحبین اور جمہور کے نزدیک ایک مثل پر ختم ہوجاتا ہے اور عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ (معارف السنن:۲/۹، عینی:۱/۳۸۷، عمدۃ القاری:۴/۴۷)

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: حضرت ابوذرؓ کی روایت میں ہے: "فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَبْرِدْ ثُمَّ اَرَادَ اَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ لَهُ اَبْرِدْ حَتّٰى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُوْلِ". (معارف السنن:۲/۲)

یعنی حضرت بلال نے ظہر کیلئے اذان کا ارادہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراد کا حکم فرمایا (ابھی ٹھہرو گرمی کی تیزی کم ہونے دو) پھر کچھ دیر کے بعد اذان دینے کا ارادہ کیا آپ نے پھر فرمایا ابرد پھر حضرت بلال نے اتنی تاخیر کی کہ ہم لوگوں کو ٹیلوں کا سایہ نظر آنے لگا۔

وجہ استدلال: عرب کے ٹیلے پھیلے ہوئے اور لمبے ہوتے ہیں، ان کا سایہ زمین پر جلدی پڑنا شروع نہیں ہوتا بلکہ کافی تاخیر سے پڑتا ہے، ان کا سایہ ایک مثل اس وقت

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہوتا ہے، جبکہ دوسری چیزوں کا سایہ دو مثل ہو جاتا ہے۔ (معارف السنن:۲/۲۱)

صاحبین اور جمہور کی دلیل: حدیث جبرئیل میں ہے: "ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ حِيْنَ كَانَ كُلُّ شَيْءٍ مِثْلَ ظِلِّهِ". (ترمذی:۱/۳۸) پھر حضرت جبرئیل نے عصر کی نماز پڑھائی جس وقت کہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مثل اول پر ظہر کا وقت ختم ہو کر عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔

جواب: حدیثِ جبرئیل منسوخ ہے؛ کیونکہ وہ مقدم ہے اور جن احادیث سے مثلین کا ثبوت ملتا ہے، وہ مؤخر ہیں۔ (فتح القدیر:۱/۱۹۴، اعلاء السنن:۲-۴)

سوال نمبر (۲۹)، مختصر القدوری

وَاَوَّلُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ إِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَآخِرُ وَقْتِهَا مَالَمْ تَغِبِ الشَّفَقُ وَهُوَ الْبَيَاضُ الَّذِيْ يُرٰى فِي الْاُفُقِ بَعْدَ الْحُمْرَةِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ هُوَ الْحُمْرَةُ.

(الف): عبارت بالا پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب): شفق کی کتنی قسمیں ہیں؟ ہر ایک کی تعریف کریں۔

(ج): اور اگر شفق کے بارے میں اختلاف ہو تو اس کو بھی تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ

اور مغرب کا اوّل وقت وہ ہے جب سورج غروب ہو جائے اور اس کا آخری وقت وہ ہے جب تک کہ شفق غائب نہ ہو اور وہ ایک سفیدی ہے جو

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کناروں میں نظر آتی ہے، سرخی کے بعد امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور امام ابو یوسف اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ شفق وہ سرخی ہی ہے۔

(ب): شفق کی قسمیں اور ہر ایک کی تعریف:

شفق کی دو قسمیں ہیں: (۱) شفقِ احمر (۲) شفقِ ابیض

شفق احمر کی تعریف: وہ سرخی ہے جو سورج ڈوبنے کے بعد مغرب کی جانب ہوتی ہے۔

شفقِ ابیض کی تعریف: وہ سفیدی ہے جو شفق احمر کے بعد آسمان کے کناروں میں نظر آتی ہے۔

(ج): شفق کے بارے میں اختلافِ ائمہ:

صاحبین اور جمہور کے نزدیک شفق احمر کے غائب ہونے پر مغرب کا وقت ختم ہوجاتا ہے یعنی غروبِ شمس کے بعد تقریباً پون گھنٹہ تک مغرب کا وقت باقی رہتا ہے، اس کے بعد ختم ہوجاتا ہے، امام اعظم کے نزدیک شفقِ ابیض کے ختم ہوتے ہی مغرب کا وقت ختم ہوجاتا ہے یعنی سورج ڈوبنے کے بعد تقریباً سوا گھنٹہ تک مغرب کا وقت باقی رہتا ہے اس کے بعد ختم ہوجاتا ہے۔ (نیل الاوطار: ۲/۱۰ تا ۱۱)

دلیل امام اعظمؒ: مغرب کا آخری وقت بیان کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حِيْنَ يَسْوَدُّ الْأُفُقُ" یعنی جس وقت آسمان کے کنارے سیاہ ہوجائیں اور کناروں کا سیاہ ہونا سفیدی کے بعد ہی ہوتا ہے۔

فائدہ: محقق ابن الہمام نے فتح القدیر میں اور علّامہ ابن نجیم مصری نے البحر الرائق میں امام اعظم کے قول کو صحیح اور مفتیٰ بہ قرار دیا ہے۔

(فتح القدیر: ۱/۱۹۶، البحر الرائق: ۱/۲۵۸)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال نمبر (۳۰)، مختصر القدوری

اَلْاَذَانُ سُنَّةٌ لِلصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ وَالْجُمُعَةِ دُوْنَ مَاسِوَاهَا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔
(ب) اذان کے لغوی و اصطلاحی معنٰی تحریر کریں۔
(ج) اذان کی مشروعیت اور اس کا ثبوت بیان کریں۔
(د) ترجیع کی تعریف کریں۔
(ھ) ائمہ کا اختلاف بیان کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اذان سنت ہے پانچوں نمازوں اور جمعہ کے لیے نہ کہ ان کے علاوہ کے لیے۔

(ب) اذان کے لغوی و اصطلاحی معنٰی:

اذان کی لغوی تعریف: اعلان کرنا اور اطلاع دینا۔

اصطلاحی تعریف: نماز کے وقت کی مخصوص الفاظ کے ذریعہ اطلاع دینا۔

(ج) اذان کی مشروعیت اور اس کا ثبوت:

اذان کی مشروعیت: حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں نماز بغیر اذان و اقامت کے پڑھتے تھے، جب آپ نے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمائی تو سب سے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی، پھر اذان کے سلسلہ میں مشورہ ہوا اور ایک ہجری میں اذان مشروع ہوئی راجح قول یہی ہے۔ (معارف السنن:۲/۱۶۹، بذل المجہود:۱/۲۷۹)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اذان کا ثبوت قرآن سے: حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے:﴿وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ﴾ (پ:۶، آیت:۵۸) اور جب تم نماز کے لیے (اذان کے ذریعہ سے) اعلان کرتے ہو۔ (معارف القرآن:۳/۱۷۰)

اذان کا ثبوت حدیث سے: حضرت عبداللہ بن زید نے خواب میں ایک شخص سے پورے کلماتِ اذان سنے، صبح کے وقت خدمتِ نبوی میں پہنچ کر پورا خواب بیان کردیا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کی مشروعیت کا فیصلہ فرمادیا اور حضرت بلالؓ کو حکم دیا: "يَابِلَال قُمْ! فَانْظُرْ مَايَأْمُرُكَ بِهٖ عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ". (ابوداؤد:۱/۷۱) اے بلال! کھڑے ہو جاؤ اور کہو ان کلمات کو جن کا عبداللہ بن زید تم کو حکم دیں۔

(د) ترجیع کی تعریف:

اذان میں جو شہادت والے چار کلمات ہیں ان میں سے ہر ایک کو دو دو مرتبہ کہا جائے پہلے آہستہ آواز سے پھر زور سے، اس طرح یہ کلمات چار کے بجائے آٹھ ہو جائیں گے۔

(ھ) ائمہ کا اختلاف:

امام مالکؒ کے نزدیک اذان میں ترجیع افضل ہے لہٰذا ان کے نزدیک کلماتِ اذان سترہ ہیں، شروع میں اللہ اکبر دو مرتبہ اور شہادتین میں ترجیع، یعنی آٹھ کلمات اور حیعلتین کے چار کلمات پھر اللہ اکبر دو مرتبہ اور آخر میں کلمہ توحید ایک مرتبہ۔

(عمدۃ القاری:۴/۱۴۶)

امام شافعیؒ کے نزدیک بھی اذان میں ترجیع افضل ہے ان کے نزدیک کلماتِ اذان انیس ہوں گے، شروع میں اللہ اکبر چار مرتبہ اور شہادتین میں ترجیع باقی الفاظ معروف ہیں۔ (عمدہ:۴/۱۴۶)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک کلماتِ اذان پندرہ ہیں، شروع میں تکبیر چار مرتبہ، شہادتین چار مرتبہ (ترجیع نہیں ہے) حیعلتین چار کلمات پھر دو مرتبہ تکبیر، ایک مرتبہ کلمۂ توحید۔ (معارف السنن:۱۷۶/۲، عینی شرح ہدایہ:۵۳۲/۱)

موالک وشوافع کا استدلال حضرت ابومحذورہؓ کی روایت سے ہے جس کے اندر شہادتین کی ترجیع کی صراحت موجود ہے۔"وَاسْتَدَلَّ الْقَائِلُوْنَ بِالتَّرْجِيْعِ بِأَذَانِ أَبِيْ مَحْذُوْرَةَ وَفِيْهِ التَّرْجِيْعُ". (معارف السنن:۱۷۶/۲)

جواب: حضرت ابومحذورہؓ کی روایت میں جو ترجیع ہے وہ ایک علت کے ساتھ معلول ہے کہ اس وقت انھوں نے اسلام قبول نہ کیا تھا تو پہلی شہادتین کا مقصد ان کو مسلمان کرنا تھا، اور دوسری مرتبہ شہادتین تعلیم اذن کے طور پر تھی۔

دوسرا جواب: وہ ترجیع نہ تھی؛ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم کی غرض سے بار بار ان سے کلمات کا اعادہ کرا رہے تھے۔

(البحر الرائق مع منحۃ الخالق:۲۶۹/۱)

حنفیہ کی دلیل: حضرت عبد اللہ بن زید کی روایت جو کہ اذان کے باب میں اصل کی حیثیت رکھتی ہے وہ بغیر ترجیع کے ثابت ہے۔ (معارف السنن:۱۷۵/۲)

سوال نمبر (۳۱)، مختصر القدوری

وَالْإِقَامَةُ مِثْلُ الْأَذَانِ إِلَّا أَنَّهُ يَزِيْدُ فِيْهَا بَعْدَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ مَرَّتَيْنِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) اقامت کی تعریف کریں۔

(ج) کلماتِ اقامت کتنے ہیں؟ ائمہ کا اختلاف مع دلائل تحریر کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(الف) ترجمة

اور تکبیر اذان کے مانند ہے اس کے علاوہ کہ زیادہ کرے تکبیر میں حی علی الفلاح کے بعد قد قامت الصلاۃ (تحقیق کہ نماز کھڑی ہوگئی) دو مرتبہ۔

(ب) اقامت کی تعریف:

اقامت فقہاء کی اصلاح میں ان الفاظِ مخصوصہ کا نام ہے جو حاضرین کی اطلاع کے لیے کہے جاتے ہیں۔

(ج) کلماتِ اقامت کتنے ہیں؟ مع اختلافِ ائمہ:

کلماتِ اقامت کتنے ہیں؟ اس سلسلہ میں تین مذاہب بیان کرتے ہیں:

(۱) امام مالکؒ کے نزدیک کلماتِ اقامت دس ہیں: لفظ اللہ اکبر دو مرتبہ، شہادتین دو مرتبہ، حیعلتین دو مرتبہ، قد قامت الصلوٰۃ ایک مرتبہ، اللہ اکبر دو مرتبہ اور کلمہ توحید ایک مرتبہ۔ (نیل: ۴۲/۲، فتح الملہم: ۲/۲)

(۲) امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اقامت میں گیارہ کلمات ہیں، امام مالکؒ کے نزدیک جس طریقہ پر اقامت ہے ان کے نزدیک بھی اسی طریقہ پر ہے صرف اتنا فرق ہے کہ قد قامت الصلوٰۃ دو مرتبہ ہے؛ اس لیے کلماتِ اقامت گیارہ ہیں۔ (فتح الملہم: ۲/۲، بذل المجہود: ۲۹۲/۱)

(۳) حنفیہ کے نزدیک کلماتِ اقامت سترہ ہیں جو کلمات اذان میں کہے جاتے ہیں ان کے ساتھ ساتھ دو مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کا اضافہ بھی ہے۔ (عمدۃ القاری: ۱۴۶/۴)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ حضرت بلالؓ کو حکم کیا گیا تھا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کہ کلماتِ اقامت ایک ایک مرتبہ کہیں۔ (معارف السنن: ۱۸۵/۲، بدائع الصنائع: ۳۶۶/۱)

جواب: فتح الملہم شرح مسلم (ج: ۲، ص/ ۳) میں علّامہ عثمانیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ احادیثِ صحیحہ میں اقامت دو دو مرتبہ کہنا اور ایک ایک مرتبہ کہنا دونوں کا ثبوت ملتا ہے؛ اس لیے ایک ایک مرتبہ کے کہنے کے جواز میں تو کوئی شبہ اور کلام نہیں؛ البتہ دیکھنا یہ ہے کہ ترجیح کس کو حاصل ہے۔

حنفیہ نے سترہ کلمات والی احادیث کو اس لیے ترجیح دی ہے؛ کیونکہ حضرت عبداللہ بن زید کی روایت میں یہی صراحت ہے اور حضرت بلالؓ کا آخری عمل بھی یہی منقول ہے۔

احناف کی دلیل: حضرت عبداللہ بن زید کو خواب میں اذان کے ساتھ اقامت بھی سکھلائی گئی تھی، اور وہ بھی اذان کی طرح تشفیع (دو دو مرتبہ) پر مشتمل تھی۔ (طحاوی: ۱۰۱/۱)

سوال نمبر (۳۲)، مختصر القدوری

وَبَدَنُ الْمَرْأَةِ الْحُرَّةِ كُلُّهُ عَوْرَةٌ إِلَّا وَجْهَهَا وَ كَفَّيْهَا وَمَا كَانَ عَوْرَةً مِنَ الرَّجُلِ فَهُوَ عَوْرَةٌ مِنَ الْأَمَةِ وَبَطْنُهَا وَظَهْرُهَا عَوْرَةٌ وَمَاسِوٰى ذٰلِكَ مِنْ بَدَنِهَا لَيْسَ بِعَوْرَةٍ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) شروط کے لغوی واصطلاحی معنیٰ تحریر کریں۔

(ج) مذکورہ عبارت کی وضاحت کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور آزاد عورت کا پورا بدن ستر ہے سوائے اس کے چہرے اور دونوں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہتھیلیوں کے۔اور جو حصہ ستر ہے مرد کا وہی ستر ہے باندی کا بھی اور اس کا پیٹ اور اس کی پیٹھ بھی ستر ہے اور اس کے علاوہ باقی بد باندی کا ستر نہیں ہے۔

(ب) شروط کے لغوی واصطلاحی معنیٰ:

لغوی معنیٰ: شُرُوط یہ شَرْطٌ (را کے سکون کے ساتھ کی جمع ہے) کسی چیز کو لازم پکڑنا۔ (منحۃ الخالق:۱/۲۸۰)

اصطلاحی معنیٰ: وہ چیز جس پر کسی دوسری چیز کا وجود موقوف ہو؛ مگر وہ اس کی حقیقت میں داخل نہ ہو۔جیسے: وضو نماز کی حقیقت میں داخل نہیں ہے؛ مگر نماز کا وجود اور اس کی صحت، وضو پر موقوف ہے۔

(ج) مذکورہ عبارت کی وضاحت:

مسئلہ(۱): عورت کا ستر کتنا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آزاد عورت کا پورا بدن ستر کے اندر داخل ہے؛ البتہ بعض اعضاء کا استثناء ہے جیسے: چہرہ اور دونوں ہتھیلی اوّل کا استثناء تو ائمہ اربعہ کے درمیان متفق علیہ ہے، اور کفین کا استثناء احناف وشوافع وموالک کے نزدیک ہے، حنابلہ کی دو روایتیں ہیں کما فی المغنی۔ (در منضود:۲/۱۶۹)

عورت کے قدمین میں اختلاف: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قدمین حد عورت میں داخل ہیں، حنفیہ کی اصح روایت یہ ہے کہ قدمین ستر میں داخل نہیں ہیں؛ کیونکہ ضرورت کا تحقق قدمین میں کہیں زیادہ ہے، چہرہ اور ہتھیلیوں کی بہ نسبت۔ (فتح القدیر مع الکفایہ:۱/۲۲۵)

مسئلہ(۲): مرد کا جو جسم ستر ہے یعنی ناف سے گھٹنے تک وہی باندی کا ستر ہے اس کے علاوہ باندی کا پیٹ اور اس کی پیٹھ بھی ستر ہے؛ کیونکہ یہ دونوں محلِ شہوت ہیں، لہٰذا ان کا چھپانا بھی فرض ہے، اس کے علاوہ اس کا بدن ستر کے اندر داخل نہیں ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دلیل: حضرت عمرؓ نے ایک باندی کو دیکھا کہ اس نے اوڑھنی اوڑھ رکھی ہے، آپ نے فرمایا: اے گندی! اپنے اوپر سے اوڑھنی دُور کردے، کیا تو آزاد عورتوں کے ساتھ مشابہت رکھنا چاہتی ہے۔ (عنایہ من ہامش فتح القدیر:۱/۲۲۹)

سوال نمبر (۳۳)، مختصر القدوری

فَرَائِضُ الصَّلٰوةِ سِتَّةٌ: اَلتَّحْرِيْمَةُ وَالْقِيَامُ وَالْقِرَاْۃُ وَالرُّكُوْعُ وَالسُّجُوْدُ وَالْقَعْدَةُ الْاَخِيْرَةُ مِقْدَارَ التَّشَهُّدِ وَمَازَادَ عَلٰى ذٰلِکَ فَهُوَ سُنَّةٌ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔
(ب) صفت کے لغوی ومرادی معنیٰ تحریر کریں۔
(ج) مذکورہ عبارت کا مطلب تحریر کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

نماز کے فرائض چھ ہیں: تکبیر تحریمہ، قرأت، رکوع، سجود اور قعدۂ اخیرہ تشہد کی مقدار اور جو افعال ان کے علاوہ ہیں وہ سنت ہیں۔

(ب) صفت کے لغوی ومرادی معنیٰ:

صفت کے لغوی معنیٰ: خوبی۔

صفت سے مراد: نماز کی وہ ہیئت ہے جو اس کے ارکان وعوارض سے حاصل ہو۔ جیسے: قیام، قعود، رکوع، سجدہ وغیرہ۔ (عنایہ من ہامش الفتح:۱/۲۳۸)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) مذکورہ عبارت کا مطلب:

نماز میں چھ چیزیں فرض ہیں: (۱) نیت باندھتے وقت اللہ اکبر کہنا (۲) کھڑا ہونا (۳) قرآنِ کریم میں سے کوئی سورت یا آیت پڑھنا (۴) رکوع کرنا (۵) دونوں سجدے کرنا (۶) نماز کے اخیر میں جتنی دیر التحیات پڑھنے میں لگتی ہے اتنی دیر بیٹھنا۔

تکبیر تحریمہ کی فرضیت پر دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر ترک کے اس پر ہمیشگی فرمائی ہے اور یہ فرضیت کی دلیل ہے۔ (فتح القدیر: ۲۳۹/۱)

دوسرا فرض: قیام ہے اگر کھڑے ہونے اور سجدہ کرنے پر قدرت حاصل ہے تو نماز کھڑے ہو کر پڑھنا فرض ہے۔

دلیل: ﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ﴾ (پارہ ۲، آیت: ۲۳۸) کھڑے ہو اللہ کے واسطے بحالتِ خضوع یا بحالتِ خاموشی۔

تیسرا فرض: قرأت ہے، اللہ کا فرمان ہے: ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾.
(آیت: ۲۰، پ: ۲۹)

ترجمہ: ''پڑھو جس قدر آسان ہو''۔ قرآن سے اصح قول کے مطابق فرض قرأت ایک آیت ہے۔

چوتھا فرض: رکوع۔

پانچواں فرض: سجود ہے، ﴿وَارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا﴾ (پ: ۱۷، آیت: ۷۷) ان کی فرضیت پر دلیل ہے۔

چھٹا فرض: قعدۂ اخیرہ تشہد کی مقدار۔

دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تو آخری سجدے سے اپنا سر اٹھالے اور تشہد کی مقدار بیٹھ جائے تو تیری نماز پوری ہوگئی، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کا پورا ہونا تشہد کی مقدار بیٹھنے پر موقوف ہے، لہٰذا بقدرِ تشہد بیٹھنا فرض ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

چھ فرائض کے علاوہ باقی تمام چیزوں کو امام قدوری نے سنت بتلایا ہے؛ حالانکہ نماز میں کچھ چیزیں واجبات بھی ہیں، اس وہم کا ازالہ یہ ہے کہاں کے واجب ہونے کا ثبوت سنت سے ہے۔ (عنایہ:۱/۲۴۱)

سوال نمبر (۳۴)، مختصر القدوری

وَلَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِلَّافِي التَّكْبِيْرَةِ الْاُوْلٰى.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) رفع الیدین میں اختلاف ائمہ تحریر کریں۔

جواب

(الف) ترجمہ

اور اپنے ہاتھ نہ اُٹھائے مگر تکبیرِ تحریمہ میں۔

(ب) رفع الیدین میں اختلاف ائمہ:

اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) شوافع وحنابلہ کے نزدیک رکوع سے اُٹھنے کے وقت اور رکوع میں جانے کے وقت رفع یدین افضل ہے۔ (اوجز المسالک:۱/۲۰۳، معارف:۲/۴۵۳)

دلیل: ان حضرات کا سب سے بڑا استدلال حضرت ابن عمرؓ کی حدیث سے ہے، جس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اُٹھاتے ایسے ہی جب رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اُٹھاتے۔ (ترمذی:۱/۵۹) اس کے علاوہ بھی بہت سی احادیث ہیں جن سے رفع یدین کا ثبوت ملتا ہے۔

جواب: حقیقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع اور ترک رفع دونوں ثابت

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہیں؛ اس لیے ثبوت و عدمِ ثبوت میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے؛ بلکہ اختلاف محض افضلیت اور عدمِ افضلیت کا ہے، ہم نے ترکِ رفع کو ترجیح دی ہے۔

وجوہِ ترجیح:

(۱) ترکِ رفع کی روایات اوفق بالقرآن ہیں؛ کیونکہ "قُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ" کا تقاضہ یہ ہے کہ نماز میں کم سے کم حرکت ہو۔

(۲) علم کے دو بڑے مرکز مدینہ اور کوفہ کے اصحاب کا تعامل ترکِ رفع رہا ہے۔

(معارف:۲/۴۶۶)

دوسرا مذہب: مالکیہ وحنفیہ کے نزدیک ترکِ رفع افضل ہے۔

(معارف:۲/۴۵۳، اوجز:۱/۲۰۳)

دلیل: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے جس میں ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے فرمایا کہ کیا میں تم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ کر نہ دکھلاؤں پھر انھوں نے نماز پڑھ کر دکھلائی اور تکبیر تحریمہ کے علاوہ کہیں ہاتھ نہیں اُٹھائے۔

(ترمذی:۱/۵۹)

یہ حدیث بالکل واضح ہے کہ نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ کہیں رفع یدین نہیں ہے۔ نیز ابن مسعود کی روایت ہر طرح کے اضطراب سے پاک ہے اور خود ان کا عمل بھی اسی پر ہے۔

سوال نمبر (۳۵)، مختصر القدوری

وَالْوِتْرُ ثَلٰثُ رَکْعَاتٍ لَایَفْصِلُ بَیْنَهُنَّ بِسَلَامٍ وَیَقْنُتُ فِي الثَّالِثَةِ قَبْلَ الرُّکُوْعِ فِيْ جَمِیْعِ السَّنَةِ وَیَقْرَءُ فِيْ کُلِّ رَکْعَةٍ مِّنَ الْوِتْرِ فَاتِحَةَ الْکِتَابِ وَسُوْرَةً مَّعَهَا فَإِذَا أَرَادَ أَنْ یَّقْنُتَ کَبَّرَ وَرَفَعَ یَدَیْهِ ثُمَّ قَنَتَ وَلَایَقْنُتُ فِيْ صَلٰوةٍ غَیْرِهَا.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عبارت کی تشریح کریں۔

(ج) نمازِ وتر واجب ہے یا سنت وضاحت کریں۔

(د) وتر کی نماز میں کتنی رکعتیں ہیں وضاحت کریں۔

(ھ) نمازِ وتر ایک سلام کے ساتھ ہے یا دو سلاموں کے ساتھ وضاحت کریں۔

(و) وتر کے علاوہ کسی اور نماز میں قنوت پڑھے گا یا نہیں وضاحت کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور وتر تین رکعت ہیں ان کے درمیان سلام سے فصل نہ کرے اور قنوت پڑھے تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے پورے سال اور پڑھے وتر کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت پھر جب ارادہ کرے دعاءِ قنوت پڑھنے کا تو تکبیر کہے اور اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے پھر قنوت پڑھے اور قنوت وتر کے علاوہ اور نماز میں نہ پڑھے۔

(ب) عبارت کی تشریح:

مصنفؒ اس عبارت میں وتر کی کتنی رکعتیں ہیں اور وتر کی کیفیت کو بیان کر رہے ہیں؛ چنانچہ فرمایا کہ وتر کی نماز تین رکعت ہیں، تینوں رکعتوں کو ایک سلام سے پڑھے، درمیان میں فصل نہ کرے سلام کے ذریعے اور وتر کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور کوئی دوسری سورۃ پڑھے اور جب دعاءِ قنوت پڑھنے کا ارادہ کرے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اُٹھائے اور وتر کے علاوہ کسی اور نماز میں دعاء نہ پڑھے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) نمازِ وتر واجب ہے یا سنت؟

وتر واجب ہیں یا سنت؟ اس سلسلے میں دو مذاہب ہیں:

(۱) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر کی نماز واجب ہے۔ (اوجزالمسالک: ج ۱/ص ۴۳۰)

(۲) ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک وتر کی نماز واجب نہیں، بلکہ سنت ہے۔

اور احناف کا فتویٰ امام اعظم کے قول کے مطابق ہے۔

(اللباب: ۱/۸۷، اوجزالمسالک: ۱/۴۳۰)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حضرت علیؓ کا ارشاد ہے: "اَلْوِتْرُ لَيْسَ بِحَتْمٍ كَصَلٰوتِكُمُ الْمَكْتُوْبَةِ وَلٰكِنْ سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" (ترمذی: ۱/۱۰۳) وتر تمہاری فرض نمازوں کی طرح لازم نہیں ہے؛ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت قرار دیا ہے۔

جواب: حضرت علیؓ نے وتر کی فرضیت کی نفی فرمائی ہے، وجوب کی نفی نہیں فرمائی ہے، اور فرضیت کی نفی کا مطلب یہ ہے کہ نمازِ وتر کا درجہ فرض نمازوں سے کم ہے، اور فرض سے کم درجہ واجب ہے نہ کہ سنت؛ اس لیے حضرت علیؓ کے ارشاد سے نمازِ وتر کو سنت ثابت کرنا صحیح نہیں ہے۔ (معارف السنن: ۴/۱۷۹)

امام ابوحنیفہ کی دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: "اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا" (ابوداؤد: ۱/۲۰۱، اوجز: ۱/۴۳۱)

وتر حق ہے؛ چنانچہ جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ یہ جملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا اور حق یہاں واجب کے معنیٰ میں ہے۔ معلوم ہوا کہ وتر واجب ہے۔

(د) وتر کی نماز میں کتنی رکعتیں ہیں؟

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک نمازِ وتر ایک رکعت سے گیارہ رکعات تک

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہے یعنی ایک رکعت، تین رکعت، پانچ رکعت، سات رکعت، نو رکعت اور گیارہ رکعت۔

دلائل مع جوابات: ایک رکعت کے ثبوت میں "اَلْوِتْرُ رَکْعَةٌ مِنْ آخِرِ اللَّیْلِ"۔ (مسلم:۱/۲۵۷)

جواب: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز دو رکعت کر کے پڑھتے تھے، مگر جب نمازِ وتر کا ارادہ فرماتے تو دو رکعت میں ایک رکعت ملا کر وتر بنالیا کرتے تھے یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ نے ایک رکعت نمازِ وتر ادا فرمائی۔

(معارف السنن:۴/۲۱۳)

حنفیہ کے نزدیک وتر کی نماز تین رکعت ہیں۔ اس سے زیادہ جائز نہیں ہے۔

(ترمذی: ج۱/ص۱۰۶)

اَوْتَرَ بِثَلٰثٍ (طحاوی:۱/۲۰۱) احناف کا مذہب بھی یہی ہے؛ اس لیے جواب کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

پانچ رکعت والی حدیث: "اَوْتَرَ بِخَمْسٍ" (نسائی:۱/۲۴۹)

اس کا جواب یہ ہے کہ پانچ رکعات وتر کی نہیں تھیں؛ بلکہ تین رکعات وتر کی تھیں، اور دو رکعات نفل کی تھیں، راوی نے دونوں کو ملا کر بیان کر دیا ہے۔

سات رکعات والی حدیث: "اَوْتَرَ بِسَبْعٍ" (نسائی:۱/۲۵۰) کا جواب یہ ہے کہ اس میں تین رکعات وتر کی تھیں اور چار رکعات تہجد کی تھیں۔

نو رکعات والی حدیث: "اَوْتَرَ بِتِسْعٍ" (نسائی:۱/۲۵۰) کا جواب یہ ہے کہ اس میں چھ رکعات تہجد کی تھیں تین وتر کی راوی نے دونوں کو ملا کر بیان کر دیا ہے۔

گیارہ رکعات والی حدیث: "اِحْدٰی عَشَرَ رَکْعَةً" (نسائی:۱/۲۵۱) کا جواب یہ ہے کہ چھ رکعت تہجد کی تھیں اور تین رکعت وتر کی تھی، اور دو رکعت وتر کے بعد والی تھیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر ادا فرماتے تھے راوی نے سب کو ملا کر بیان کر دیا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حنفیہ کے نزدیک وتر کی تین رکعتیں ہیں، اس سے زیادہ جائز نہیں ہے۔

(معارف السنن: ۱۶۷/۴، اوجز المسالک: ۴۳۴/۱)

دلیل: حضرت علیؓ کی حدیث ہے كان رسول الله يوتر بثلاثٍ. (ترمذی: ۱۰۶/۱) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعات وتر پڑھا کرتے تھے، یہ حدیث احناف کے مذہب پر واضح دلیل ہے۔

(ھ) نمازِ وتر ایک سلام کے ساتھ ہے یا دو سلاموں کے ساتھ؟

اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کے پاس کوئی صحیح یا صریح حدیث موجود نہیں ہے، اور نہ ہی صحابہ کرام کا معمول رہا ہے؛ البتہ یہ حضرات عبداللہ بن عمرؓ کے عمل سے استدلال کرتے ہیں "كَانَ يُسَلِّمُ بَيْنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَالرَّكْعَةِ" (نیل الاوطار: ۳۷/۳) کہ وہ نماز وتر میں ایک دو رکعت اور ایک دو رکعت کے درمیان سلام پھیرتے تھے اور دوسرا سلام آخری رکعت پر پھیرتے تھے۔

جواب: یہ ہے کہ ان کا اپنا اجتہاد تھا نیز وہ اپنے اجتہاد میں تنہا تھے، دوسرے یہ کہ اگر وتر دو سلاموں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتے تو یہ ایک غیر معمولی عمل ہوتا اور صحابہ کرامؓ اس کو ضرور نقل کرتے، حالانکہ صحابہؓ اس کی کوئی تفصیل ذکر نہیں کرتے؛ بلکہ اس کا برعکس ثابت ہے۔

(و) وتر کے علاوہ کسی اور نماز میں قنوت پڑھے گا یا نہیں؟

اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) شوافع وموالک کے نزدیک نمازِ فجر میں پورے سال قنوت مشروع ہے۔

دلیل: حضرت انسؓ سے منقول ہے: "مَازَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقْنُتُ فِي الْفَجْرِ حَتّٰى فَارَقَ الدُّنْيَا" (معارف السنن: ۱۸/۴) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ فجر میں قنوت پڑھتے رہے یہاں تک دنیا سے رخصت ہو گئے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب: جن روایات میں بھی قنوت فی الفجر کا ذکر ہے ان میں قنوتِ نازلہ مراد ہے، جب بھی مسلمانوں پر کوئی مصیبت آتی تو قنوتِ نازلہ پڑھا کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو گئے۔

(۲) حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک قنوت فی الفجر دائماً مشروع نہیں ہے۔ (اوجز:۲/۱۲۱، معارف السنن:۴/۱۷) لیکن جب کفار کی جانب سے مسلمانوں پر حملہ کیا جائے اور مسلمانوں پر ظلم وستم شروع ہو جائے تو دشمنانِ اسلام پر بددعاء کے لیے عارضی طور پر نمازِ فجر میں قنوتِ نازلہ پڑھنا مشروع ہے اور عام حالات میں مشروع نہیں ہے۔

دلیل: حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے: "اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ كَانَ لَايَقْنُتُ فِيْ صَلَاةٍ اِلَّا اِذَا دَعَا الْقَوْمُ اَوْ دَعَا عَلٰى قَوْمٍ". (اوجز:۲/۱۲۲) کہ رسول اللہ نمازِ فجر میں صرف اس وقت قنوت پڑھتے تھے جب کسی قوم کے لیے دعا یا بدعا کرنی ہوتی تھی۔ یہ حدیث بالکل واضح ہے کہ قنوت فی الفجر دائماً مشروع نہیں ہے۔

سوال نمبر (۳۶)، مختصر القدوری

وَاِنْ تَكَلَّمَ فِيْ صَلَاتِهٖ عَامِدًا اَوْ سَاهِيًا بَطَلَتْ صَلَاتُهٗ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عبارت کی تشریح کرتے ہوئے اختلافِ ائمہ کی وضاحت کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور اگر بات کر لی اپنی نماز میں جان بوجھ کر یا بھول کر تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب) عبارت کی تشریح اور اختلافِ ائمہ کی وضاحت:

امام شافعیؒ کے نزدیک اگر کلام بھول کر ہو یا حکم سے ناواقفیت کی بنا پر ہو تو نماز فاسد ہوگی، بشرطیکہ کلام طویل نہ ہو۔ (معارف السنن:۵۰۵/۳)

امام مالکؒ کے نزدیک اصلاحِ صلوٰۃ کے لیے امام کا مقتدی سے اور مقتدی کا امام سے درمیان نماز کے گفتگو کرنا مفسدِ صلوٰۃ نہیں ہے۔ (معارف السنن:۵۰۶/۳)

امام احمدؒ سے چار روایتیں منقول ہیں: تین روایات ائمہ ثلاثہ کے مذہب کے مطابق ہیں اور چوتھی روایت یہ ہے کہ اگر نمازی نے یہ سمجھتے ہوئے گفتگو کی کہ میری نماز ابھی پوری نہیں ہوئی ہے، تو یہ کلام مفسدِ صلوٰۃ ہوگا اور اگر یہ سمجھتے ہوئے گفتگو کی کہ میری نماز پوری ہو چکی ہے تو پھر اس کلام سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ (معارف السنن:۵۰۶/۳تا۵۰۸)

دلیل: حدیث ذوالیدین ہے جس میں اس کی تصریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ظہر کی نماز میں بھول سے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے آپ سے دریافت کیا یا رسول اللہ کیا آپ نے بالقصد نماز مختصر کی ہے یا آپ بھول گئے؟ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت اور پڑھا کر چار رکعتیں پوری کر دیں۔ (ترمذی:۹۱/۱)

اس واقعہ میں حضرت ذوالیدین کی یاددہانی اور آپ کا تصدیق کرنا یہ سب نماز کے درمیان میں ہوا؛ لیکن نماز فاسد نہیں ہوئی، معلوم ہوا کہ نماز میں بات چیت کرنے کی گنجائش ہے۔

جواب: حدیث ذوالیدین منسوخ ہو چکی ہے اور اس کے لیے وہ تمام احادیث ناسخ ہیں جن میں کلام فی الصلوٰۃ سے روکا گیا ہے؛ اس لیے یہ واقعہ آپ کا مستدل نہیں بن سکتا۔ (معارف السنن:۵۴۲/۳)

حنفیہ کے نزدیک نماز کے درمیان میں کلام کرنا جائز نہیں ہے، چاہے اصلاحِ صلوٰۃ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کے لیے ہو یا سہو وغیرہ کی وجہ سے کسی بھی طرح کا کلام کرنا ہر حال میں ناجائز اور مفسدِ صلوٰۃ ہے۔ (معارف:۵۰۵/۳، اوجز:۲۹۵/۱)

دلیل: حضرت زید بن ارقم کی حدیث ہے کہ ہم نماز میں گفتگو کرلیا کرتے تھے، آدمی اپنے ساتھی سے جو کہ نماز میں اس کے برابر میں ہوتا تھا گفتگو کرلیا کرتا تھا، یہاں تک کہ آیت "وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ" نازل ہوگئی؛ چنانچہ ہم کو خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور گفتگو کرنے سے منع کردیا گیا۔ (معارف السنن:۵۰۹/۳)

یہ حدیث پاک صراحۃً دلالت کررہی ہے کہ کلام فی الصلوٰۃ منسوخ ہو چکا ہے۔

سوال نمبر (۳۷)، مختصر القدوری

اَلسُّنَّةُ فِي الصَّلٰوةِ اَنْ يُّصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ وَاَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَاَرْبَعًا قَبْلَ الْعَصْرِ وَاِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْنِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَاَرْبَعًا قَبْلَ الْعِشَاءِ وَاَرْبَعًا بَعْدَهَا وَاِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْنِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) نوافل کے لغوی واصطلاحی معنیٰ تحریر کریں۔

(ج) عبارت کی تشریح کریں۔

جواب

(الف) ترجمہ

سنت نمازیں یہ ہیں کہ پڑھے دو رکعت صبح صادق کے بعد اور چار رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو رکعتیں اس کے بعد اور چار رکعتیں عصر سے پہلے اور اگر

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

چاہے دو رکعت پڑھے اور دو رکعتیں مغرب کے بعد اور چار رکعتیں عشاء سے پہلے اور چار اس کے بعد اگر چاہے تو دو رکعتیں پڑھے۔

(ب) نوافل کے لغوی واصطلاحی معنیٰ:

نفل کی لغوی تعریف: نوافل نافلۃ کی جمع ہے معنیٰ زیادتی۔

نفل کی اصطلاحی تعریف: نفل اس عبادت کا نام ہے جو فرائض اور واجبات پر زائد ہو اور اس کے کرنے پر ثواب ہو اور چھوڑنے پر کوئی عذاب نہ ہو؛ چونکہ نوافل سنن کو بھی شامل ہے، اس وجہ سے صرف نوافل ذکر ہے اور سنن کا ذکر نہیں کیا ہے۔

(ج) عبارت کی تشریح:

دن رات میں بارہ رکعت سنت مؤکدہ ہیں۔ نمازِ فجر سے پہلے دو رکعت اور ظہر سے پہلے چار رکعت اور اس کے بعد دو رکعت اور مغرب کے بعد دو رکعت اور عشاء کے بعد دو رکعت، ان کے علاوہ سب سنتِ غیر مؤکدہ ہیں۔ فرض فجر سے پہلے دو رکعت پڑھنا کیا حکم رکھتا ہے؟

ائمہ ثلاثہ اور اکثر احناف کے نزدیک واجب نہیں ہے، بلکہ سنت مؤکدہ ہے اور اسی پر حنفیہ کا فتویٰ ہے، مذکورہ بارہ رکعت کے سنت مؤکدہ ہونے میں اصل یہ حدیث ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے بارہ رکعت مسنونہ پر ہمیشگی کی اللہ تعالیٰ اس کے واسطے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔ (ترمذی شریف: ج ۱/ ص ۹۴، ابن ماجہ: ج ۱/ ص ۸۰)

سوال نمبر (۳۸)، مختصر القدوری

اَلسَّفَرُ الَّذِيْ يَتَغَيَّرُ بِهِ الْاَحْكَامُ هُوَاَنْ يَّقْصِدَ الْاِنْسَانُ مَوْضِعًا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْمَقْصِدِ مَسِيْرَةُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ بِسَيْرِ الْاِبِلِ وَمَشْيِ الْاَقْدَامِ وَلَامُعْتَبَرَ فِيْ ذٰلِكَ بِالسَّيْرِ فِي الْمَاءِ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) سفر کی لغوی و اصطلاحی تعریف کریں۔

(ج) سفرِ شرعی کی مسافت کیا ہے؟

(د) مسافر نماز کا اتمام کب کرے گا اور مدتِ اقامت میں مذاہبِ ائمہ بیان کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

وہ سفر جس سے احکام بدلجاتے ہیں یہ ہے کہ آدمی ایسی جگہ کا ارادہ کرے کہ اس کے اور اس جگہ کے درمیان تین دن کی مسافت ہو اونٹ یا پیدل کی رفتار سے اور اس (خشکی) میں دریائی رفتار کا اعتبار نہیں ہے۔

(ب) سفر کی لغوی و اصطلاحی تعریف:

سفر کی لغوی تعریف: مسافت طےکرنا۔

اصطلاحی تعریف: سفر وہ ہے جس سے احکام میں تبدیلی ہوجاتی ہے جیسے: جمعہ، عیدین، قربانی کے وجوب کا ساقط ہونا، نماز کا قصر، رمضان میں افطار کی اجازت۔

(ج) سفرِ شرعی کی مسافت کیا ہے؟

مسافت سفر کے بارے میں شامی وغیرہ معتبر کتبِ فقہ میں چار اقوال نقل کیے گئے ہیں: (۱) ۶۳ ؍میل، (۲) ۵۴ ؍میل (۳) ۴۸ ؍میل (۴) ۴۵ ؍میل۔

(شامی کراچی: ۲/۱۲۵، عمدۃ القاری: ۵/۲۷۶)

لیکن اکابر فقہاء و اہلِ فتاوی نے ۴۸ ؍میل کو ترجیح دی ہے اور ۴۸ ؍میل شرعی موجودہ زمانے کے اعتبار سے ۷۸ ؍کلومیٹر ۸۲۷ ؍میٹر، ۴۰ سینٹی میٹر کا ہے اور ۴۵ ؍میل شرعی کا اعتبار

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کیا جائے تو ۸۲ رکلومیٹر، ۲۹۶ میٹر مسافت بنتی ہے تو معلوم ہوا کہ شرعی میل کے لحاظ سے ۸۲ رکلومیٹر ۲۹۶ رمیٹر سے کم کی مسافت میں قصر جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد ایضاح المسائل:۶۸)

(د) مسافر نماز کا اتمام کب کرے گا اور مدتِ اقامت میں مذاہبِ ائمہ:

جب سفر پورا کر کے اپنے وطن واپس آجائے یا یہ کہ سفر میں منزل پر پہنچ کر وہاں اقامت کی نیت کر لے۔

مذاہب ائمہ:

(۱) حنفیہ کے نزدیک پندرہ روز کے قیام کے ارادہ سے مقیم بن جاتا ہے اس سے کم ہو تو مسافر رہتا ہے۔ (عمدۃ القاری:۳۷۲/۵)

(۲) امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک چار دن کے قیام کے ارادہ سے مقیم بن جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری:۳۷۱/۵)

(۳) امام احمدؒ کے نزدیک بائیس نمازوں تک قیام کا ارادہ کرے گا تو مقیم بن جائے گا۔ (عمدۃ القاری:۳۷۲/۵)

سوال نمبر (۳۹)، مختصر القدوری

لَاتَصِحُّ الْجُمُعَةُ إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ أَوْفِي مُصَلَّى الْمِصْرِ وَلَاتَجُوْزُ فِي الْقُرىٰ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) جمعہ کے فرض ہونے کے بارے میں کتنی شرطیں ہیں؟

(ج) عبارت کی تشریح کریں۔

(د) خطبہ کی مقدار میں علماء احناف کے اختلاف کو بیان کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(الف) ترجمة

جمعہ صحیح نہیں ہوتا ہے، مگر شہر جامع میں یا شہر کی فناء میں اور جمعہ گاؤں میں جائز نہیں ہے۔

(ب) جمعہ کے فرض ہونے کے بارے میں کتنی شرطیں ہیں؟

جمعہ کے فرض ہونے کی بارہ شرطیں ہیں: چھ وجوب کی، چھ صحت کی: وجوب کی شرطیں، (۱) آزاد ہونا (۲) مرد ہونا (۳) مقیم ہونا (۴) تندرست ہونا (۵) پاؤں کا سلامت ہونا (۶) آنکھوں کا سلامت ہونا۔ چھ صحت کی: (۱) شہر (۲) بادشاہ یا اس کا نائب ہو (۳) وقت (۴) خطبہ (۵) جماعت (۶) عام اجازت۔

(ج) عبارت کی تشریح:

اس عبارت میں مصنفؒ یہ بیان کر رہے ہیں کہ جمعہ کی نماز کس جگہ قائم کی جاسکتی ہے اور کہاں نہیں؟ متن میں دو لفظ ''مصر جامع''، ''مصلی المصر'' قابلِ تشریح ہیں۔

مصر جامع کی تعریف: وہ بڑا شہر جس میں باقاعدہ سڑکیں ہوں اور بازار ہوں، امیر یا قاضی ہو جو احکام جاری کرنے اور شرعی سزاؤں کو قائم کرنے پر قادر ہو؛ لیکن تحقیق یہ ہے کہ مصر کی کوئی جامع تعریف نہیں ہے، بلکہ اس کا مدار عرف پر ہے۔

مصلی المصر کی تعریف: شہر کا مصلی عیدگاہ ہوتا ہے؛ لیکن یہاں مصلی سے فناء شہر مراد ہے، فناء شہر کی کوئی حد مقرر نہیں، بلکہ جہاں تک شہر کی ضروریات پوری ہوتی ہوں وہاں تک کا علاقہ شہر میں داخل ہے، جیسے: قبرستان، عیدگاہ، مذبح وغیرہ۔

بعض لوگوں نے فناء شہر سے مراد یہ لیا ہے کہ جو لوگ شہر سے اتنے فاصلہ پر رہتے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہیں کہ اگر وہ شہر میں جمعہ کی نماز ادا کر کے شام ہونے سے پہلے بلا تکلف اپنے مقام پر پہنچ سکتے ہیں تب تو ان پر جمعہ فرض ہے، ورنہ نہیں صاحبِ بدائع نے اسی قول کو پسند کیا ہے، وہٰذا احسن۔

(د) خطبہ کی مقدار میں علماءِ احناف کا اختلاف:

خطبہ میں بارہ چیزیں مسنون ہیں، چند چیزیں یہاں بیان کی ہیں، حنفیہ کے نزدیک چونکہ دو خطبے مسنون ہیں اس لیے ان کے درمیان بیٹھنا بھی مسنون ہوگا، دونوں خطبوں کے درمیان اتنی دیر تک بیٹھنا کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکیں، خطبہ پڑھنے کی حالت میں خطبہ پڑھنے والے کا کھڑا رہنا بیٹھ کر خطبہ پڑھنا ایسے ہی بلا وضو خطبہ پڑھنا مکروہ ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ناجائز ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر خطبہ کی نیت سے صرف الحمد للہ کہا یا سبحان اللہ کہا تو جائز ہے مگر اسی پر اکتفاء کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

دلیل: اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ اس آیتِ شریفہ میں قلیل وکثیر کی کوئی تفصیل نہیں ہے؛ اس لیے مطلقاً ذکر اللہ سے خطبہ ادا ہو جائے گا۔

صاحبینؒ کے نزدیک خطبہ کے لیے ذکر طویل ہونا شرط ہے جسے خطبہ کہا جائے اور عرف میں صرف سبحان اللہ اور الحمد للہ کو خطبہ نہیں کہتے۔

(مظاہر حق جدید: ۲/۲۸۹، مکتبہ اسلامیہ دیوبند)

اس لیے متعارف خطبہ ہی پڑھنا ضروری ہے، مثلاً (۱) جس میں اللہ کی ایسی تعریف کرنا جو اس کے لائق ہو (۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا (۳) وعظ و نصیحت کرنا (۴) دوسرے خطبہ میں تمام مسلمانوں کے لیے دعاء کرنا (۵) قرآن شریف پڑھنا جس کی مقدار تین چھوٹی آیتیں یا بڑی ایک آیت ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال نمبر (۴۰)، مختصر القدوری

إِذَا انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ صَلَّى الْإِمَامُ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ كَهَيْئَةِ النَّافِلَةِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ رُكُوعٌ وَاحِدٌ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) کسوف کے لغوی واصطلاحی معنیٰ تحریر کریں۔

(ج) عبارت کی تشریح کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

جب سورج گرہن ہو تو نماز پڑھائے امام لوگوں کو دو رکعتیں نفل کی طرح ہر رکعت میں ایک رکوع ہے۔

(ب) کسوف کے لغوی واصطلاحی معنیٰ:

کسوف کے لغوی معنیٰ: بے نور ہو جانا، خسوف کے معنیٰ نقصان۔ (نیل الاوطار)

اصطلاحی تعریف: کسوف سورج گرہن اور خسوف چاند گرہن کو کہتے ہیں یہی قول علامہ عینی کے بقول افصح ہے۔

کسوف کی نماز کا حکم: سورج گرہن کے وقت نماز باجماعت پڑھنا متفق علیہ مسئلہ ہے، اور یہ نماز ائمہ اربعہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔

(ج) عبارت کی تشریح:

اگر سورج گرہن ہو گیا تو امام جمعہ یا اس کے حکم سے کوئی دوسرا شخص لوگوں کو نف

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

نماز کی طرح دو رکعت پڑھائے یعنی جس طرح نفل نماز بلا اذان واقامت کے ہوتی ہے، اسی طرح نماز کسوف ادا کی جائے گی، دیگر نمازوں کی طرح اس میں بھی ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہے یہی حنفیہ کا مذہب ہے۔ (عمدۃ القاری:۵/۲۹۷)

دوسرا مذہب: جمہور علماء کا ہے، ان کے نزدیک نماز کسوف کا طریقہ دوسری نمازوں سے بالکل مختلف ہے ان کے یہاں نمازِ کسوف کی دو رکعتیں ہیں، ہر دو رکعت میں دو رکوع اور دو قیام ہیں، ایک رکوع کر کے پھر قیام کی طرف لوٹ آئے، دوسرے قیام کے بعد پھر دوسرا رکوع کیا جائے گا، سجدے اور تشہد وغیرہ دوسری نمازوں ہی کی طرح ہیں۔ (عمدۃ القاری:۵/۲۹۶)

ائمہ ثلاثہؒ کا استدلال: حضرت عائشہؓ کی روایت (مسلم:۱/۲۹۵) حضرت ابن عباسؓ کی روایت (بخاری:۱/۱۴۵) حضرت ابوہریرہؓ کی روایت (نسائی:۱/۲۲۱) ان تمام روایات میں دو رکوع کی تصریح پائی جاتی ہے۔

جواب: نمازِ کسوف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاشبہ دو رکوع ثابت ہیں؛ بلکہ پانچ رکوع تک بھی روایات میں ثبوت ملتا ہے؛ لیکن یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، اس نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عجائب وغرائب کا مشاہدہ کرایا گیا جنت اور اس کی نعمتیں دوزخ اور اسکی بلائیں دکھائی گئیں، لہٰذا اس نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر معمولی طور پر کئی رکوع فرمائے؛ لیکن یہ رکوع نماز کا جز نہیں تھے؛ بلکہ سجدۂ شکر کی طرح تواضع وعاجزی کے رکوع تھے اور ان کی ہیئت نماز کے عام رکوعوں سے کسی قدر مختلف تھی، بعض صحابہؓ نے ان رکوعات کو تخشع شمار کیا ہے، اور ایک سے زائد رکوع کی روایت کردی، اور بعض نے ان کو شمار نہیں کیا۔

حنفیہ کا استدلال: ان تمام احادیث سے ہے جو ایک رکوع پر دلالت کرتی ہیں۔ (بخاری:۱/۱۴۵، نسائی:۱/۲۱۹)

حنفیہ کی وجوہِ ترجیح: تعداد رکوع کی تمام روایات فعلی ہیں، جبکہ حنفیہ کے مستدلات قولی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہیں اور فعلی بھی، حنفیہ کے مذہب پر تمام روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے قول پر بعض روایتوں کو چھوڑنا پڑتا ہے، حنفیہ کے مستدلال عام نمازوں کے اُصول کے مطابق ہیں۔

سوال نمبر (۴۱)، مختصر القدوری

اَلشَّهِيْدُ مَنْ قَتَلَهُ الْمُشْرِكُوْنَ اَوْ وُجِدَ فِي الْمَعْرَكَةِ وَبِهٖ اَثَرُ الْجِرَاحَةِ اَوْ قَتَلَهُ الْمُسْلِمُوْنَ ظُلْماً وَلَمْ يَجِبْ بِقَتْلِهٖ دِيَةٌ، فَيُكَفَّنُ وَيُصَلّٰى عَلَيْهِ وَلَا يُغْسَلُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) شہید کے لغوی واصطلاحی معنیٰ تحریر کریں۔

(ج) شہید کی قسمیں بیان کریں۔

(د) عبارت کی تشریح کرتے ہوئے ائمہ کا اختلاف تحریر کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

شہید وہ ہے جس کو قتل کر دیا ہو مشرکوں نے یا پایا گیا میدان جنگ میں اور اس پر زخم کا نشان ہو یا قتل کر دیا ہو اس کو مسلمانوں نے ظلماً اور اس کے قتل کی وجہ سے دیت واجب نہ ہوئی ہو، تو اس کو کفن دیا جائے اور اس پر نماز پڑھی جائے اور اس کو غسل نہ دیا جائے۔

(ب) شہید کے لغوی واصطلاحی معنیٰ:

شہید کی لغوی تعریف: شہید فعیل کے وزن پر ہے مفعول کے معنیٰ میں یعنی فرشتے تعظیم کی خاطر اس کی موت کی شہادت دیتے ہیں۔ (اللباب فی شرح الکتاب:۱/۱۳۳)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اصطلاحی تعریف: شہید وہ ہے جس کو مشرکین نے قتل کر ڈالا یا میدانِ جنگ میں پڑا ہوا پایا گیا اور اس کے بدن پر قتل کے نشانات ہیں یا اس کو مسلمانوں نے ظلماً قتل کر دیا اور اس کے قتل کی وجہ سے دیت واجب نہیں ہوئی مثلاً کوئی شخص جنگل میں مقتول پایا گیا جس کے قریب کوئی آبادی نہیں اور قاتل معلوم نہ ہو سکے تو اسے غسل و کفن نہیں دیا جائے گا۔

(ج) شہید کی قسمیں:

غسل و کفن کے اعتبار سے شہید کی دو قسمیں ہیں: (۱) دنیوی و اُخروی (۲) اُخروی

(۱) جس کو غسل و کفن نہیں دیا جاتا ہے؛ بلکہ بغیر غسل دیے انہیں کپڑوں میں نماز پڑھ کر دفن کر دیا جاتا ہے۔

(۲) جس کو عام مسلمانوں کے مانند غسل و کفن دیا جائے یہ صرف آخرت کے اعتبار سے شہید ہے۔

(د) عبارت کی تشریح اور ائمہ کا اختلاف:

اس عبارت میں شہید کی قسم قریب کر کے لکھو اور (جو دنیوی و اخری اعتبار سے شہید ہے) کا بیان ہے، مذکورہ تمام صورتوں میں مقتول پر شہید کے احکام جاری ہوں گے یعنی اسے غسل و کفن نہیں دیا جائے گا، بلکہ جو کپڑے وہ پہنے ہوئے ہوا نہی کپڑوں میں غسل دیئے بغیر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا جائے گا۔

شہید کو جس طرح بلا غسل دفن کرنے کا حکم ہے اسی طرح بلا نماز دفن کیا جائے یا عام میتوں کی طرح نماز جنازہ پڑھنے کے بعد دفن کیا جائے اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

اختلاف الائمہ

(۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک شہید پر نماز جنازہ مشروع نہیں ہے، جیسے غسل مشروع نہیں ہے۔ (نیل الاوطار: ۴/۴۸، بذل المجہود: ۴/۱۹۰)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۲) حنفیہ کے نزدیک عام میتوں کی طرح شہید کی نماز جنازہ بھی واجب ہے۔
(نیل الاوطار:۸۴/۴)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کو ان کے خونوں میں دفن کرنے کا حکم دیا ہے نہ ان کو غسل دیا گیا، اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر نماز جنازہ ادا فرمائی ہے۔ (طحاوی:۳۲۱/۱)

جواب: حضرت جابرؓ کی روایت میں دو احتمال ہیں:

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے نماز جنازہ نہیں پڑھی کہ شہید کے لئے سنت طریقہ یہ ہے کہ بغیر نماز جنازہ کے دفن کردیا جائے جس طرح بغیر غسل کے شہداء کو دفن کرنا سنت ہے۔

(۲) ممکن ہے کہ آپ نے نماز جنازہ کسی عذر کی وجہ سے نہ پڑھی ہو مگر صحابہؓ نے نمازِ جنازہ پڑھی ہے اور اس احتمال کی تائید میں کثیر روایات ہیں جیسا کہ حضرت سہلؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں سخت زخم آگیا تھا، اور اس سے خون مسلسل بہہ رہا تھا گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے سے معذور تھے۔ (طحاوی:۳۲۱/۱، ایضاح الطحاوی:۶۸/۳)

حنفیہ کی دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام شہداء احد پر نماز جنازہ ادا فرمائی ہے جیسا کہ عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ (طحاوی:۳۲۲/۱)

سوال نمبر (۴۲)، مختصر القدوری

اَلزَّکَاۃُ وَاجِبَۃٌ عَلَی الْحُرِّ الْمُسْلِمِ الْبَالِغِ الْعَاقِلِ إِذَا مَلَکَ نِصَابًا کَامِلًا مِلْکًا تَامًّا وَحَالَ عَلَیْہِ الْحَوْلُ وَلَیْسَ عَلٰی صَبِیٍّ وَلَا مَجْنُوْنٍ وَلَا مُکَاتَبٍ زَکٰوۃٌ۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) زکاۃ کے لغوی و اصطلاحی معنیٰ بیان کریں۔

(ج) زکاۃ کی فرضیت اور اس کا حکم و حکمت بیان کریں۔

(د) عبارت کی تشریح کریں۔

جواب

(الف) ترجمۃ

زکوۃ فرض ہے آزاد، مسلمان، بالغ، عاقل پر جبکہ وہ مالک ہو کامل نصاب کا مکمل طور پر اور گزر جائے اس پر سال اور بچہ پر، دیوانے پر اور مکاتب پر زکوۃ نہیں ہے۔

(ب) زکاۃ کے لغوی و اصطلاحی معنیٰ:

زکوۃ کی لغوی تعریف: زکوۃ کے معنیٰ لغت میں بڑھوتری کے ہیں نیز پاک و صاف کرنے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ (عینی: ج۱، ص۱۱۵، جز دوم)

زکوۃ کی اصطلاحی تعریف: مالِ نصاب حولی کے چالیسویں حصہ کو زکوۃ کہتے ہیں، جو غیر ہاشمی مسلمان فقیر کی ملکیت میں دینے کے لیے نکالا جاتا ہے۔ (عینی: ج۱، ص۱۱۵۱)

(ج) زکاۃ کی فرضیت اور اس کا حکم و حکمت:

زکوۃ کی فرضیت: زکوۃ کی فرضیت روزوں کی فرضیت سے پہلے ۲ھ شوال المکرّم میں ہوئی۔ (عینی: ۱۱۵۱/۱)

زکوۃ کی حکمت: بخل و معصیت کی گندگی کو دُور کرنا، درجات کا بلند ہونا، محتاجوں کی ضرورت پوری کرنا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

زکوٰۃ کا حکم: زکوٰۃ کی فرضیت پر تمام امت کا اجماع ہے، جو شخص زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کرے گا اس پر کفر کا حکم ثابت ہوگا۔ (عینی: ج/۱، ص/۱۵۱)

(د) عبارت کی تشریح:

اس عبارت میں مصنفؒ زکوٰۃ کے واجب ہونے کی شرطیں بیان فرمارہے ہیں۔

(۱) آزاد ہونا، غلام پر زکوٰۃ واجب نہیں، اگر چہ وہ مکاتب ہو یعنی وہ غلام جس کے آقا نے اس کو اس شرط پر آزاد کر دیا ہو کہ وہ اس قدر روپیہ کما کر اس کو دیدے جب وہ روپیہ اس قدر کما کر نہ دے غلام رہتا ہے اور دینے کے بعد آزاد ہو جاتا ہے، یا ماذون غلام ہو (وہ غلام جس کو اس کے آقا نے اجازت دی ہو کہ وہ کمائی کرے اور اپنے آقا مالک کو لا کر دے)۔

(۲) مسلمان ہونا، کافر پر زکوٰۃ فرض نہیں مسلمان ہونا جس طرح زکوٰۃ کے فرض ہونے کی شرط اسی طرح ادائیگی کی صحت کے لیے بھی شرط ہے؛ کیونکہ زکوٰۃ بغیر نیت کے درست نہیں اور کافر کا نیت کرنا درست نہیں ہے۔

(۳) بالغ ہونا، نابالغ پر زکوٰۃ فرض نہیں، لہٰذا اس کے ولی سے ادا کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ: ج/۱، ص/۹۴۰)

(۴) عاقل ہونا، مجنون پر زکوٰۃ فرض نہیں اور نہ اس شخص پر جس کے دماغ میں کوئی بیماری پیدا ہوگئی ہو اور اس کی وجہ اس کی عقل میں فتور آ گیا ہو اور یہ نقصان عقل پورے سال بھر رہے گا تو زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ (شامی: ج/۲، ص/۴)

(۵) نصاب کا کامل ہونا۔

(۶) اس مال کا ایسے قرض سے محفوظ ہونا جس کا مطالبہ بندوں کی جانب سے ہوسکتا ہے یا وہ قرض بندوں کا ہو جیسے بیوی کا مہر، جو مال اس قسم کے قرض میں مستغرق ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۷) اس مال پر ایک سال کامل کا گزر جانا ہے بغیر ایک سال کے گزرے ہوئے زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

سوال نمبر (۴۳)، مختصر القدوری

اَلصَّومُ ضَرْبَانِ وَاجِبٌ وَنَفْلٌ فَالْوَاجِبُ ضَرْبَانِ مِنْهُ مَايَتَعَلَّقُ بِزَمَانٍ بِعَيْنِهِ كَصَومِ رَمَضَانَ وَالنَّذْرِ الْمُعَيَّنِ فَيَجُوْزُ صَوْمُهُ بِنِيَّةٍ مِّنَ اللَّيْلِ فَإِنْ لَّمْ يَنْوِ حَتّٰى أَصْبَحَ أَجْزَأَتْهُ النِّيَّةُ مَابَيْنَهُ وَبَيْنَ الزَّوَالِ وَالضَّرْبُ الثَّانِي مَايَثْبُتُ فِي الذِّمَّةِ كَقَضَاءِ رَمَضَانَ وَالنَّذْرِ الْمُطْلَقِ وَالْكَفَّارَاتِ فَلَايَجُوْزُ صَوْمُهُ إِلَّا بِنِيَّةٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَكَذٰلِكَ صَوْمُ الظِّهَارِ وَالنَّفْلُ كُلُّهُ يَجُوْزُ بِنِيَّةٍ قَبْلَ الزَّوَالِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) صوم کے لغوی و اصطلاحی معنیٰ بیان کریں۔

(ج) عبارت کی تشریح کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

روزہ کی دو قسمیں ہیں واجب اور نفل پھر واجب کی دو قسمیں ہیں ان میں سے ایک وہ ہے جو خاص زمانہ سے تعلق رکھے جیسے رمضان اور نذر معین کے روزے؛ چنانچہ جائز ہیں یہ روزے ایسی نیت سے جو رات سے ہو اگر صبح تک نیت نہیں کی تو کافی ہے اس کو نیت کر لینا صبح اور زوال کے درمیان اور

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دوسری قسم وہ ہے جو ذمہ میں ثابت ہو جیسے قضائے رمضان، نذر مطلق اور کفار کے روزے؛ چنانچہ یہ روزے جائز نہیں مگر رات ہی میں نیت کرنے سے اور اسی طرح ظہار کے روزے ہیں۔ اور تمام نفل روزے زوال سے پہلے نیت کر لینے سے درست ہو جاتے ہیں۔

(ب) صوم کے لغوی واصطلاحی معنیٰ:

صوم کی لغوی تعریف: کسی چیز سے رکنا قول ہو یا فعل۔

اصطلاحی تعریف: طلوع صبح صادق سے غروبِ شمس تک کے درمیان کھانے، پینے، صحبت سے اللہ کی رضا اور اللہ کے قرب کے ارادہ سے رُکے رہنے کا نام روزہ ہے۔ (ایضاح الطحاوی:۲۰۱/۳)

مشروعیتِ صوم: روزہ کی مشروعیت شعبان ۲ھ میں ہوئی۔ (اوجز المسالک)

(ج) عبارت کی تشریح:

اس عبارت میں امام قدوری روزوں کی نیت کے وقت کو بیان فرمارہے ہیں کہ روزوں کے لیے نیت رات میں کرنا ضروری ہے یا رات گزر جانے کے بعد بھی کی جاسکتی ہے اس بارے میں روزوں کی تین قسمیں بیان کی ہیں:

قسم اوّل: صوم اداء رمضان اور نذر معین کی نیت رات میں کرنا لازم ہے یا دن میں کرنا بھی کافی ہوسکتا ہے اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک رات میں نیت کرنا شرط ہے، اگر رات میں نیت نہیں کی گئی ہے تو روزہ صحیح نہیں ہوگا۔

(ترمذی مع حاشیۃ العرف الشذی:۱۵۴/۱، اوجز:۱۳/۳)

(۲) حنفیہ کے نزدیک نیت رات ہی میں کرنا لازم نہیں ہے؛ بلکہ طلوعِ فجر اور طلوعِ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

آفتاب کے بعد زوال سے پہلے پہلے تک نیت کرلی جائے تو جائز اور درست ہے اس سے روزہ صحیح ہو جاتا ہے۔ (اوجز المسالک:۱۳/۳، معارف السنن:۸۳/۶، عمدۃ القاری:۷۲/۸)

قسم دوم: رمضان کے قضاء روزے اور نذر غیر معین کے روزے اور کفارے کے روزے کے صحیح ہونے کے لیے تمام علماء کے نزدیک رات میں نیت کرنا شرط ہے اور ان روزوں کے لیے دن کی نیت معتبر نہیں ہے۔ (الاشباہ:۸۲، عمدۃ القاری:۷۲/۸)

قسم سوم: نفل روزوں کے بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام مالکؒ کے نزدیک نفل روزہ کی نیت بھی رات میں کرنا ضروری ہے اگر رات میں نیت نہ کی تو روزہ صحیح نہ ہوگا۔ (اوجز المسالک:۱۳/۳، معارف:۸۳/۶، عمدۃ القاری)

(۲) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نفل روزوں کی نیت رات میں کرنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ زوال سے پہلے پہلے تک نیت کرلی جائے تو درست ہے۔

(ترمذی مع حاشیۃ العرف الشذی:۱۵۴/۱، معارف السنن:۸۳/۶، نیل الاوطار:۲۱۰/۴)

تنبیہ: امام قدوری نے روزہ کی تقسیم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ روزہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) واجب (۲) نفل، متن میں لفظ واجب، فرض اور واجب دونوں کو شامل ہے؛ کیونکہ واجب کے معنیٰ ثابت کے ہیں؛ اس لیے کوئی اشکال نہیں ہے۔

سوال نمبر (۴۴)، مختصر القدوری

اَلْاِعْتِكَافُ مُسْتَحَبٌّ وَهُوَ اللُّبْثُ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ الصَّوْمِ وَنِيَّةِ الْاِعْتِكَافِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) اعتکاف کے لغوی و اصطلاحی معنیٰ بیان کریں۔

(ج) عبارت کی تشریح کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(الف) ترجمة

اعتکاف کرنا مستحب ہے اور وہ ٹھہرنا ہے مسجد میں روزہ کے ساتھ اور اعتکاف کی نیت کے ساتھ۔

(ب) اعتکاف کے لغوی و اصطلاحی معنیٰ:

اعتکاف کی لغوی تعریف: کسی چیز کو لازم پکڑنا اور اپنے نفس کو اس پر جمانا۔
اصطلاحی تعریف: امام قدوری کے بقول شرعی معنیٰ ی ہیں کہ مسجد میں ٹھہرنا اعتکاف کی نیت سے روزہ کے ساتھ۔

(ج) عبارت کی تشریح:

صاحبِ قدوری نے فرمایا ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف مستحب ہے، مگر اصل یہ ہے کہ اعتکاف کی تین قسمیں ہیں: (۱) واجب (۲) سنت (۳) نفل۔

(۱) اعتکاف واجب: یہ نذر کا اعتکاف ہوتا ہے، خواہ ایک دن کی نذر ہو یا ایک ہفتہ کی یا ایک ماہ کی اس مدت کا پورا کرنا واجب اور ضروری ہے، اس کے ساتھ روزہ رکھنا بھی لازم ہوتا ہے۔

(۲) اعتکاف سنت: یہ رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ کے ساتھ خاص ہے یہ اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے، یعنی محلّہ کی مسجد میں ایک دو آدمی اعتکاف کرلیں گ تو پورے محلّہ کی طرف سے ذمہ داری ادا ہوجائے گی اور اگر کسی نے بھی نہ کیا تو پورے محلّہ پر ترکِ سنتِ مؤکدہ کا گناہ ہوگا اور اس کے ساتھ بھی روزہ شرط ہے، نیز بیس رمضان کو سورج ڈوبنے سے پہلے مسجد میں داخل ہونا لازم ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۳) اعتکاف مستحب: اس کے لیے روزہ رکھنا شرط نہیں اور نہ پورا دن شرط ہے جتنا چاہے حسبِ استطاعت کرسکتا ہے۔

اس کے بعد صاحبِ قدوری اعتکاف کی شرطیں بیان کررہے ہیں:

(۱) جس مسجد میں اعتکاف کیا جائے اس میں پانچوں وقت نماز باجماعت ہوتی ہو۔

(۲) اعتکاف کی نیت سے ٹھہرنا؛ چنانچہ بے ارادہ ٹھہر گیا تو اعتکاف نہ ہوگا۔

سوال نمبر (۴۵)، مختصر القدوری

اَلْحَجُّ وَاجِبٌ عَلَى الْاَحْرَارِ الْمُسْلِمِيْنَ الْبَالِغِيْنَ الْعُقَلَاءِ الْاَصِحَّاءِ إِذَا قَدَرُوْا عَلَى الزَّادِ وَالرَّاحِلَةِ فَاضِلًا عَنِ الْمَسْكَنِ وَمَالَابُدَّ مِنْهُ وَعَنْ نَفَقَةِ عَيَالِهٖ اِلٰى حِيْنَ عَوْدِهٖ وَكَانَ الطَّرِيْقُ آمِنًا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) حج کے لغوی واصطلاحی معنیٰ بیان کریں۔

(ج) حج کس سن میں فرض ہوا؟ تحریر کریں۔

(د) عبارت کی تشریح کریں۔

جواب

(الف) ترجمہ

حج واجب ہے آزاد مسلمان، عاقل، بالغ اور تندرست پر جبکہ قادر ہوں یہ لوگ توشہ اور سواری پر جو زائد ہو رہنے کے گھر ضروریات کی چیزوں اور بال بچوں کے خرچ سے واپس آنے تک اور راستہ پُر امن ہو۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب) حج کے لغوی واصطلاحی معنیٰ:

حج کے لغوی معنیٰ: حج کے لغوی معنیٰ: قصد وارادہ کے ہیں۔

حج کے اصطلاحی معنیٰ: مخصوص زمانہ میں مخصوص مقامات میں جاکر مخصوص افعال کو مخصوص طریقے سے ادا کرنا۔

(ج) حج کس سن میں فرض ہوا؟

حج کس سن میں فرض ہوا؟ حج کس سن میں فرض ہوا اس بارے میں متعدد اقوال ہیں: علّامہ ابن عابدین شامیؒ اور صاحبِ درمختار نے ۹ ھ کے آخر میں حج کی فرضیت کے قول کو ترجیح دی ہے، علّامہ شامی فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال حج اس وجہ سے نہیں کیا کہ حج کی فرضیت وقت حج گزرنے کے بعد ہوئی گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کرنے میں تاخیر بالکل نہیں کی، حنفیہ کا راجح قول یہی ہے۔ (درمختار مع الشامی: ج ۲، ص ۱۹۰)

(د) عبارت کی تشریح:

یہ بات ذہن نشین رہے کہ عبارت میں واجب سے اصطلاحی واجب مراد نہیں ہے؛ بلکہ بمعنیٰ ثبوت اور لزوم مراد ہے، یعنی حج ثابت اور لازم ہے اس صورت میں یہ لفظ فرض کو بھی شامل ہوگا، وجوب حج کے لیے انسان کے اندر چار شرطوں کا موجود ہونا ضروری ہے: (۱) آزاد ہونا، لہٰذا غلام، باندی پر حج فرض نہیں ہے (۲) مسلمان ہونا؛ چنانچہ غیر مسلم پر حج فرض نہیں اور نہ ہی کسی غیر مسلم کے لیے حدودِ حرم کے دائرہ میں داخل ہونا جائز ہے (۳) مکلّف ہونا لہٰذا نابالغ، مجنون وغیرہ پر حج فرض نہیں ہے (۴) مستطیع ہونا یعنی حج ایسے مالدار پر واجب ہوتا ہے جس کو اللہ نے اتنی دولت عطا فرمائی ہے کہ جس سے وہ اپنے وطن سے مکۃ المکرّمہ تک آنے جانے اور وہاں کے اخراجات پر قادر ہو اور اپنے بال بچوں کے مصارف بھی واپس آنے تک بآسانی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

برداشت کرسکتا ہو، اور راستہ کی ساری رکاوٹیں بھی ختم ہوں مثلاً حکومت کی جانب سے سفر کی منظوری، ویزا اور سواری اور ٹکٹ کی فراہمی اور دشمن وغیرہ کے خطرات سے مامون ہونا اور خود کا لنگڑا، اپاہج نہ ہونا۔ (ایضاح الطحاوی:۳۰۴/۳)

سوال نمبر (۴۶)، مختصر القدوری

اَلْقِرَانُ اَفْضَلُ عِنْدَنَا مِنَ التَّمَتُّعِ وَالْاِفْرَادِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) قران کے لغوی واصطلاحی معنیٰ تحریر کریں۔

(ج) حج کی اقسام بیان کریں۔

(د) حج قران کا مطلب بیان کریں۔

(ھ) عبارت کی تشریح کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

قِران افضل ہے ہمارے نزدیک تمتع اور افراد سے۔

(ب) قران کے لغوی واصطلاحی معنیٰ:

قرآن کے لغوی معنیٰ: دو چیزوں کو جمع کرنا۔

اصطلاحی تعریف: اصطلاحِ شرع میں اس سے مراد حج اور عمرہ کو جمع کرنے کا احرام ہے۔

دوسری تعریف: حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھ کر ایک ساتھ حج اور عمرہ کرنے کو قران کہتے ہیں؛ کیونکہ اس صورت میں حج اور عمرہ دونوں کو اکٹھا کیا جاتا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) حج کی اقسام:

حج کی کل تین قسمیں ہیں: (۱) حج افراد (۲) حج قران (۳) حج تمتع۔

(د) حج قران کا مطلب:

اس کا مطلب یہ ہے کہ میقات سے حج اور عمرہ دونوں کے لیے ایک ساتھ احرام باندھے اور مکہ مکرمہ پہنچ کر ارکانِ عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام نہ کھولا جائے یا میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھ لیا جائے اور مکہ مکرمہ پہنچنے سے پہلے راستہ میں یا مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد طواف عمرہ سے قبل حج کا احرام باندھ لیا جائے پھر ارکانِ عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام نہ کھولا جائے اور نہ ہی حلق رأس کیا جائے، بلکہ اسی حالت احرام میں مکہ مکرمہ میں قیام کیا جائے پھر دسویں ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد ایک قربانی کرے پھر حلق کر کے احرام کھول دیا جائے اور حج قران کرنے والے پر جو قربانی واجب ہوتی ہے اس کو دمِ شکر کہتے ہیں اور قارِن پر دو سعی اور دو طواف لازم ہیں اگر کوئی جنایت ہو جائے تو دو جرمانے واجب ہو جائیں گے۔

(ھ) عبارت کی تشریح:

حج افراد، حج قران، اور حج تمتع تینوں جس سے ہر ایک تمام کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے؛ مگر اختلاف اس بارے میں ہے کہ تینوں میں سے کونسا حج افضل اور اولیٰ ہے اس بارے میں تین مذہب ہیں:

(۱) امام مالکؒ کے نزدیک حج کی تینوں قسموں میں سے سب سے افضل حج افراد ہے، اس کے بعد حج تمتع پھر اس کے بعد حج قران ہے یہی امام شافعیؒ سے منقول ہے۔

(۲) امام احمدؒ کے نزدیک حج کی تینوں قسموں میں سے سب سے افضل حج تمتع ہے اس کے بعد حج افراد اس کے بعد حج قران۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۳) حنفیہ کے نزدیک سب سے افضل حج قران ہے اس کے بعد حج تمتع اور اس کے بعد حج افراد ہے۔ (معارف السنن:۶/۳/۲۷۳)

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کی دلیل: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے: "إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهَلَّ بِالْحَجِّ مُفْرِدًا". (مسلم شریف:۱/۴۰۴)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج افراد فرمایا ہے؛ اس لیے حج افراد افضل ہے۔

جواب: اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا حج افراد کیا اس کے ساتھ عمرہ نہیں کیا؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ حج کے اعمال کو مستقل ادا کیا۔

دوسرا جواب: حج کے لیے مستقل احرام باندھا؛ لیکن اصل میں قارن تھے۔

امام احمدؒ کی دلیل: "تمتع رسول الله في حجة الوداع بالعمرة الى الحج". (نسائی:۲/۱۴/باب التمتع)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے حج تمتع فرمایا ہے لہٰذا یہی افضل ہے۔

جواب: لفظ تمتع عام ہے جو کہ قران کو بھی شامل ہے؛ اس لیے یہاں تمتع سے مراد قران ہی لیا جائے گا، دوسرے یہ کہ حضرت ابن عمرؓ نے اس روایت کو نقل فرمایا ہے انہیں سے قران کی بھی روایت ہے، تیسرے یہ کہ تمتع سے مراد تمتع لغوی ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے ساتھ حج کو ملا کر دونوں کو ایک ہی سفر میں ادا کر کے نفل حاصل کیا ہر ایک کے لیے الگ الگ سفر نہیں کرنا پڑا۔

حنفیہ کی دلیل: حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے وادی عقیق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرمارہے تھے کہ رات میرے پاس میرے پروردگار کی جانب سے ایک آنے والا آیا اور اس نے کہا کہ اس مبارک وادی میں دو رکعت نماز ادا کیجیے اور حج کے ساتھ عمرہ بھی کیجیے۔ (بخاری)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے حج قران کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج قران ہی ادا کیا ہے لہٰذا یہی افضل ہوگا۔

سوال نمبر (۴۷)، مختصر القدوری

اَلتَّمَتُّعُ اَفْضَلُ مِنَ الْاِفْرَادِ عِنْدَنَا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) تمتع کے لغوی واصطلاحی معنیٰ بیان کریں۔

(ج) حج تمتع کا مطلب تحریر کریں۔

(د) عبارت کی تشریح کریں۔

جواب

(الف) ترجمہ

تمتع کرنا افضل ہے تنہا حج کرنے سے۔

(ب) تمتع کے لغوی واصطلاحی معنیٰ:

تمتع کے لغوی معنیٰ: فائدہ حاصل کرنا۔

اصطلاحی تعریف: ایک سفر میں حج اور عمرہ دونوں کو جمع کرنا، اوّلاً عمرہ کا احرام باندھ کر اس کے افعال ادا کرے۔ (اللباب:۱/۱۷۷)

(ج) حج تمتع کا مطلب:

حج تمتع کا مطلب یہ ہے کہ میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھ لیا جائے اور مکۃ المکرّمہ پہنچ کر ارکانِ عمرہ ادا کر کیا احرام کھول دیا جائے، اس کے بعد مکۃ المکرّمہ کے باشندوں کی طرح بغیر احرام کے قیام کیا جائے پھر آٹھویں ذی الحجہ کی صبح کو حدودِ حرم میں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جہاں اپنا قیام ہے وہاں سے حج کا احرام باندھ کر منیٰ کو روانہ ہو جائے اور مستحب یہ ہے کہ مسجد حرام میں آ کر طواف کر کے دوگانہ طواف کے بعد دو رکعت نمازِ نفل پڑھ کر احرام باندھے پھر دسویں ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی کرنے کے بعد تمتع کی قربانی کی جائے، اس کے بعد حلق کر کے احرام کھول دیا جائے اور تمتع کرنے والے پر جو قربانی واجب ہوتی ہے اس کو دمِ شکر کہا جاتا ہے اور اس پر عمرہ کے لیے ایک سعی اور ایک طواف الگ اور حج کے لیے بھی ایک سعی اور ایک طواف الگ سے لازم ہو جاتے ہیں۔

(د) عبارت کی تشریح:

تمتع بھی قران کے معنیٰ میں ہے؛ کیونکہ جس طرح قران میں حج وعمرہ دونوں عبادتوں کو جمع کیا جاتا ہے اسی طرح تمتع میں بھی دونوں کو جمع کرنا پایا گیا اور ماقبل میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ قران افضل ہے تو اس مشابہت کی وجہ سے تمتع اِفراد سے افضل ہوگا؛ کیونکہ افراد میں جمع بین العبادتین کے معنیٰ نہیں پائے جاتے۔

نمبر (۴۸)، مختصر القدوری

اَلْبَيْعُ يَنْعَقِدُ بِالْإِيْجَابِ وَالْقَبُوْلِ إِذَا كَانَا بِلَفْظِ الْمَاضِيْ وَإِذَا أَوْجَبَ أَحَدُ الْمُتَعَاقِدَيْنِ الْبَيْعَ فَالْآخَرُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَبِلَ فِي الْمَجْلِسِ وَإِنْ شَاءَ رَدَّهُ فَأَيُّهُمَا قَامَ الْمَجْلِسِ قَبْلَ الْقَبُوْلِ بَطَلَ الْإِيْجَابُ فَإِذَا حَصَلَ الْإِيْجَابُ وَالْقُبُوْلُ لَزِمَ الْبَيْعُ وَلَا خِيَارَ لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا إِلَّا مِنْ عَيْبٍ أَوْعَدَمِ رُؤْيَةٍ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) بیع، ایجاب اور قبول کی تعریف کریں۔

(ج) ثمن اور عقد کے اعتبار سے بیع کی کتنی قسمیں ہیں؟ تحریر کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(د) فـإذا حـصـل الإيـجـاب والـقـبـول الخ کی وضاحت کرتے ہوئے خیارِ مجلس کا مطلب مع اختلاف الائمہ تحریر کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

بیع منعقد ہوجاتی ہے ایجاب اور قبول سے جبکہ دونوں (ایجاب وقبول) فعل ماضی کے صیغہ سے ہوں۔ اور جب ایجاب کرلیا خرید وفروخت کرنے والوں میں سے ایک نے بیع کا تو دوسرے کو اختیار ہے اگر چاہے تو قبول کرے اسی مجلس میں اور اگر چاہے تو اس کو رد کردے۔ چنانچہ جو بھی اُٹھ کھڑا ہو مجلس سے قبول سے پہلے تو ایجاب باطل ہوجائے گا۔ جب حاصل ہوجائے گا ایجاب وقبول تو بیع لازم ہوجائے گی اور اختیار نہیں ہوگا ان دونوں میں سے کسی کو مگر عیب اور نہ دیکھنے کی وجہ سے۔

(ب) بیع، ایجاب اور قبول کی تعریف:

بیع کی لغوی تعریف: بیع بـاع يبيـع بيعًا سے مشتق ہے بیچنا، مال کو مال کے بدلے میں دینا۔

اصطلاحی تعریف: آپس کی رضامندی سے ایک مال کو دوسرے مال سے بدل لینے کو بیع کہتے ہیں۔ (عینی شرح ہدایہ:۳/۲)

بیع کا ثبوت: بیع جائز ہونے کی دلیل یہ آیتِ شریفہ ہے: ﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَـرَّمَ الـرِّبٰـوٰا﴾. (پ:۳، آیت:۲۷۵) اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا۔ اس آیت شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خرید وفروخت جائز ہے۔

ایجاب وقبول کی تعریف: متعاقدین میں سے جس کا کلام پہلے مذکور ہو اس کو

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ایجاب کہتے ہیں اور جو اس کے بعد مذکور ہو اس کو قبول کہتے ہیں۔ ایجاب وقبول کا ہونا اس وجہ سے ضروری ہے کہ بائع اور مشتری کی رضامندی کے بغیر بیع نہیں ہوتی اور رضامندی کا اظہار ایجاب وقبول سے ہوگا۔

(ج) ثمن اور عقد کے اعتبار سے بیع کی قسمیں:

ثمن کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں:

(۱) مرابحہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنے میں خریدا بائع مشتری کو صاف بتائے کہ میں نے دس روپے میں یہ مبیع خریدی ہے اور دو روپے نفع لے کر بارہ روپے میں آپ کے ہاتھ بیچتا ہوں۔

(۲) تولیہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ بائع مشتری کو بتائے کہ میں نے دس روپے میں یہ مبیع خریدی ہے اور دس ہی میں بیچتا ہوں۔

(۳) وضیعہ: اصل قیمت سے کم کے عوض بیچنا۔

(۴) مساومۃ: اس قیمت کے عوض فروخت کرنا جس پر بائع اور مشتری دونوں کا اتفاق ہو گیا ہو۔

عقدِ بیع کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں:

(۱) نافذ (۲) موقوف (۳) فاسد (۴) باطل۔

(د) فإذا حصل الإيجاب والقبول الخ کی وضاحت:

بائع اور مشتری دونوں نے ایجاب وقبول کرلیا اب بیع مکمل ہوگئی چاہے مجلس موجود ہو پھر بھی کسی کو بیع توڑنے کا اختیار نہیں ہے ہاں! اگر مبیع میں عیب ہو یا مبیع کو دیکھا نہ ہو تو خیارِ عیب اور خیارِ رویت کی وجہ سے بیع توڑنے کی اجازت ہو جائے گی۔ حاصل یہ کہ حنفیہ کے نزدیک خیارِ مجلس کسی کو نہیں ہوگا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

خیارِ مجلس کا مطلب مع اختلاف الائمہ:

خیار مجلس کا مطلب: یہ ہے کہ جب بائع اور مشتری نے آپس میں ایجاب و قبول کرلیا تو اگر چہ عقد مکمل ہوگیا؛ لیکن جب تک مجلس باقی ہے اس وقت تک فریقین میں سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ ایک طرفہ طور پر بیع کو فسخ کردے؛ لیکن اگر مجلس ختم ہوجائے گی تو یہ اختیار بھی ساقط ہوجائے گا اس خیار کو خیارِ مجلس کہتے ہیں۔

اختلاف الائمہ:

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک عاقدین کو خیارِ مجلس حاصل ہوتا ہے یعنی قبول کرنے کے بعد اور بیع مکمل ہونے کے بعد بھی مجلس بیع موجود ہو تو دونوں کو اپنی بات واپس لینے اور بیع توڑنے کا اختیار ہوگا۔

دلیل: حضرت حکیم بن حزام کی حدیث ہے: اَلْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ مَالَمْ یَتَفَرَّقَا. (بخاری: ۲۷۹/۱) یعنی بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو خیارِ مجلس حاصل ہے جب تک کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں۔

جواب (۱): یہ حدیث خبر واحد ہے جو کہ آیتِ قرآنیہ کے مقابلہ میں قابلِ قبول نہیں ہوسکتی۔

(۲) اس حدیث میں خیار سے خیارِ قبول مراد ہے خیارِ مجلس مراد نہیں ہے یعنی بائع کو ایجاب واپس لینے کا اختیار اور مشتری کو قبول کرنے کا اختیار اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک مجلس باقی ہو اور جب مجلس ختم ہوجائے تو خیارِ قبول ختم ہوجاتا ہے اور مَالَمْ یَتَفَرَّقَا سے تفرق بالابدان مراد نہیں بلکہ تفرق بالاقوال (ایجاب وقبول) مراد ہے۔

حنفیہ ومالکیہ: حنفیہ ومالکیہ خیارِ مجلس کے قائل نہیں وہ فرماتے ہیں کہ جب عاقدین کے درمیان ایجاب وقبول ہوگیا تو اب بیع تام ہوگئی اب کسی کو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دلیل: قرآن کریم میں ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ (المائدہ، رکوع:۱) اے ایمان والو! عقود کا ایفاء کرو۔ عقود عقد کی جمع ہے اور عقد ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے لہٰذا جب ایجاب وقبول کرلیا تو عقد منعقد ہوگیا، اس آیت میں عقد تام ہونے کے بعد اس کے پورا کرنے کو لازم قرار دیا گیا ہے اب اگر ہم خیارِ مجلس کو ثابت کریں تو اس ایفاء کے لازم ہونے کی نفی ہوجائے گی اور مطلب یہ ہوجائے گا کہ عقد تم ہوجانے کے بعد ایفاء ضروری نہیں ہے؛ بلکہ عاقدین کو اختیار ہے۔

سوال نمبر (۴۹) مختصر القدوری

(وَمَنِ ابْتَاعَ صُبْرَةَ طَعَامٍ عَلٰى أَنَّهَا مِائَةُ قَفِيْزٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ فَوَجَدَهَا أَقَلَّ مِنْ ذَالِكَ كَانَ الْمُشْتَرِيْ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ أَخَذَ الْمَوْجُوْدَ بِحِصَّتِهٖ مِنَ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ فَسَخَ الْبَيْعَ وَاِنْ وَجَدَهَا أَكْثَرَ مِنْ ذَالِكَ فَالزِّيَادَةُ لِلْبَائِعِ) وَمَنِ اشْتَرٰى ثَوْبًا عَلٰى أَنَّهٗ عَشَرَةُ أَذْرُعٍ بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ أَوْ أَرْضًا عَلٰى أَنَّهَا مِائَةُ ذِرَاعٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ فَوَجَدَهَا أَقَلَّ مِنْ ذَالِكَ فَالْمُشْتَرِيْ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَخَذَهَا بِجُمْلَةِ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَهَا وَإِنْ وَجَدَهَا أَكْثَرَ مِنَ الذِّرَاعِ الَّذِيْ سَمَّاهُ فَهِيَ لِلْمُشْتَرِيْ وَلَاخِيَارَ لِلْبَائِعِ وَاِنْ قَالَ بِعْتُكَهَا عَلٰى أَنَّهَا مِائَةُ ذِرَاعٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ كُلُّ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ فَوَجَدَهَا نَاقِصَةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهَا بِحِصَّتِهَا مِنَ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَهَا وَاِنْ وَجَدَهَا زَائِدَةً كَانَ الْمُشْتَرِیْ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَ الْجَمِيْعَ كُلُّ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ وَاِنْ شَاءَ فَسَخَ الْبَيْعَ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب)اصل اور وصف کی تعریف کریں۔

(ج) بکری کے ریوڑ اور غلّہ کے ڈھیر کے حکم میں سببِ فرق بیان کریں۔

(د)صورتِ مسئلہ مع مطلب بیان کریں۔

جواب

(الف)ترجمة

اور جس آدمی نے خریدا غلّہ کا ڈھیر اس شرط پر کہ وہ سوقفیز ہے سو درہم میں پھر پایا مشتری نے اس کو اس سے کم تو مشتری کو اختیار ہے چاہے تو لے لے موجودہ غلہ کو اس کے حصہ کی قیمت دے کر اور اگر چاہے تو بیع کو فسخ کر دے اور اگر پایا اس کو سوقفیز سے زیادہ تو زیادہ بائع کے لیے ہے۔ اور جس آدمی نے خریدا غلہ کا ڈھیر اس شرط پر کہ وہ سوقفیز ہے سو درہم میں پھر پایا مشتری نے اس کو اس سے کم تو مشتری کو اختیار ہے چاہے تو لے لے موجودہ غلہ کو اس کے حصہ کی قیمت دے کر اور اگر چاہے تو بیع کو فسخ کر دے اور اگر پایا اس کو سوقفیز سے زیادہ تو زیادہ بائع کے لیے ہے۔ اور اگر کہا کہ فروخت کی میں نے تجھ کو یہ زمین اس شرط پر کہ یہ سوگز ہے سو درہم میں ہر گز ایک درہم کے بدلے پھر اس کو کم پایا تو اسے اختیار ہے اس زمین کو لے لے اس کے حصہ کے مطابق ثمن سے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے اور اگر زمین کو زیادہ پایا تو مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو پوری زمین کو لے ہر گز ایک درہم کے بدلے میں اور اگر چاہے تو بیع توڑ دے۔

(ب)اصل اور وصف کی تعریف:

اصل: اگر کوئی چیز ٹکڑے کر دینے سے عیب دار نہ ہو تو اس میں کمی زیادتی کو اصل کہتے ہیں، جیسے: کیلی اور وزنی چیزوں میں کمی زیادتی اصل ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

وصف: اگر کوئی چیز ٹکڑے کر دینے سے عیب دار ہو جاتی ہے تو اس میں کمی زیادتی کو وصف کہتے ہیں جیسے: پیمائشی چیزوں میں گز وصف ہے۔

(ج) بکری کے ریوڑ اور غلّہ کے ڈھیر کے حکم میں سببِ فرق:

بکری کے ریوڑ اور غلّہ کے ڈھیر کے حکم میں وجہِ فرق یہ ہے کہ ہر بکری دوسری بکری سے وزن، قیمت اور قوت وضعف میں جداگانہ ہوتی ہے اگر وہ بیع میں متعین نہ ہو تو یہ جہالت مفضی الی النزاع ہوگی جو ممنوع ہے اور گیہوں کے تمام اجزاء برابر ہوتے ہیں وہاں اجزاء کی جہالت باعثِ نزاع نہیں ہے؛ اس لیے اس کی بیع درست ہوگی۔

مذکورہ مسئلہ میں صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ بکریوں کے پورے ریوڑ میں بیع جائز ہے؛ کیونکہ مبیع اور ثمن اگرچہ مجہول ہیں؛ لیکن جہالت کو دُور کرنا متعاقدین کے ہاتھ میں ہے اس طرح کہ ریوڑ کی بکریوں کو شمار کر لیں۔

(د) صورتِ مسئلہ مع مطلب:

ایک غلہ کا ڈھیر ہے اور اس میں سو قفیز گیہوں ہے، اب بائع یہ کہتا ہے کہ سو درہم کے بدلے دوں گا؛ چونکہ مقدار بھی معلوم ہو چکی ہے اور مجموعی قیمت بھی سو درہم معلوم ہے؛ اس لیے پورے ڈھیر کی بیع ہوئی؛ لیکن ناپنے کے بعد نوّے قفیز نکلا چونکہ بائع نے یہ بھی کہا تھا کہ سو قفیز ہے اور سو درہم کے عوض میں دوں گا تو ایک قفیز ایک درہم کا ہوا تو نوّے قفیز کے نوّے درہم ہی لازم ہوں گے جتنا گیہوں اتنا ہی ثمن لازم ہوگا؛ لیکن بائع کی طرف سے سو قفیز کی بات تھی اور مشتری کو اس سے کم ملا تو وعدہ کے مطابق اس کو نہیں مل سکا؛ اس لیے اس کو اختیار ہوگا چاہے تو نوّے درہم سے نوّے قفیز لے اور چاہے تو بیع فسخ کر دے اور اگر گیہوں سو قفیز سے زیادہ نکلے تو چونکہ سو قفیز ہی دینے کی بات تھی؛ اس لیے یہ زیادہ گیہوں بائع کے ہوں گے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ایک شخص نے کپڑا اس شرط پر خریدا کہ یہ دس گز دس درہم کے بدلے ہے یا زمین اس شرط پر خریدی کہ یہ سو گز سو درہم کے عوض ہے؛ لیکن جب اسے ناپ کر دیکھا گیا تو وہ بیان کردہ گزوں سے کم نکلی اور کپڑے اور زمین میں گز سے ناپنا ایک وصف ہے اور وصف کے مقابلہ میں الگ سے کوئی قیمت نہیں ہوتی؛ اس لیے دس گز یا سو گز صرف ترغیب کے لیے ہے ہر گز کے بدلے ایک درہم نہیں ہوا گویا کہ پورے تھان کی قیمت دس درہم ہے اور پوری زمین کی قیمت سو گز ہے خواہ تھان یا زمین میں گز زیادہ ہوں یا کم؛ اس لیے اگر مشتری لینا چاہتا ہے تو پورے دس درہم اور سو درہم دے کر پورا تھان اور پورا ٹکڑا زمین کا لے لے چاہے گز کم ہوں یا زیادہ؛ لیکن گز کم ہونے کی صورت میں خریدار کی رغبت کم ہے اس وجہ سے اسے چھوڑنے کا بھی اختیار ہوگا۔

اور اگر زمین یا کپڑا مقررہ گزوں سے زیادہ نکلا تو وہ زیادتی مشتری کے لیے ہوگی اور بائع کو روکنے کا اختیار اس لیے نہیں ہوگا کہ گز ایک وصف ہے اور وصف کے مقابلہ میں ثمن کا کوئی حصہ نہیں آتا؛ اس لیے گز کے بڑھ جانے سے ثمن میں اضافہ نہیں ہوگا برخلاف گیہوں والے مسئلے کے کہ وہاں اگر مقررہ مقدار سے زیادہ نکلے تو وہ بائع کے ہوں گے؛ کیونکہ کیلی چیزوں میں کمی زیادتی اصل ہے اور اصل ہی کے مقابلے میں قیمت ہوا کرتی ہے۔

کپڑے اور زمین میں گز صفت ہے؛ لیکن اگر صفت کو اصل بنا دیا جائے تو اس کے مقابلہ میں الگ سے قیمت ہوگی یہاں بائع نے جب یہ کہا کہ ہر گز ایک درہم کے بدلے میں تو ہر گز کو اصل بنا دیا اور اب ہر گز کے بدلے میں ایک درہم ہوگا؛ اس لیے جتنے گز ہوں گے اتنے ہی درہم لازم ہوں گے کم ہوں گے تو اس کے حساب سے کم اور اگر زیادہ ہوں گے تو اس کے حساب سے زیادہ درہم ہوں گے؛ البتہ گز کم ہونے کی صورت میں مشتری کو وعدہ کے مطابق زمین نہیں ملی؛ اس لیے اسے لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال نمبر (۵۰)، مختصر القدوری

وَمَنْ بَاعَ ثَمْرَةً لَمْ يَبْدُ صَلَاحُهَا أَوْقَدْبَدَا جَازَ الْبَيْعُ وَوَجَبَ عَلَى الْمُشْتَرِيْ قَطْعُهَا فِي الْحَالِ فَإِنْ شَرَطَ تَرْكَهَا عَلَى النَّخْلِ فَسَدَ الْبَيْعُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) مطلب تحریر کریں۔

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل تحریر کریں۔

جواب

(الف) **ترجمة**

اور جس نے بیچے ایسے پھل جو کار آمد نہیں ہوئے تھے یا ہو گئے تھے تو جائز ہے بیع اور ضروری ہے مشتری پر ان کا توڑ لینا فوراً پھر اگر شرط لگائی ان کو درخت پر چھوڑ دینے کی تو بیع فاسد ہو جائے گی۔

(ب) مطلب:

صلاح کا ظاہر ہونا ہمارے نزدیک یہ ہے کہ پھل آندھی وغیرہ کی آفت اور پالے وغیرہ کے فساد سے محفوظ ہو جائے پورا پکنا اور اس میں مٹھاس کا پیدا ہونا ضروری نہیں ہے اور شوافع کے نزدیک گدرانا اور مٹھاس کا شروع ہو جانا صلاح کا ظاہر ہو جانا ہے۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع صحیح ہے خواہ کار آمد ہو گئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں۔

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل:

ائمہ ثلاثہ کا مذہب قبل بدو صلاح پھلوں کی بیع درست نہیں ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دلیل: حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے: نَهٰى عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتّٰى يَزْهُوَ.

احناف کا مذہب یہ ہے کہ قبل بدو صلاح پھلوں کی بیع درست ہے؛ لیکن بیع بشرط القطع کی صورت درست ہے۔

دلیل: لأنه مَالٌ مُتَقَوِّمٌ إمَّالِكَوْنِه مُنْتَفِعًا بِهِ فِي الْحَالِ أَوْفِي الثَّانِيْ.

اس لیے کہ یہ مالِ متقوم ہے؛ کیونکہ اس سے انتفاع کیا جاسکتا ہے فی الحال بدو صلاح کی صورت میں اور مآل میں قبل بدو صلاح کی صورت میں اور ہر وہ چیز جو قابلِ انتفاع ہو وہ مالِ متقوم ہے اور مالِ متقوم کی بیع درست ہے۔

سوال نمبر (۵۱)، مختصر القدوری

وَلَايَجُوْزُ اَنْ يَّبِيْعَ ثَمْرَةً وَيَسْتَثْنِيْ مِنْهَا اَرْطَالًا مَعْلُوْمَةً وَيَجُوْزُ بَيْعُ الْحِنْطَةِ فِيْ سُنْبُلِهَا وَالْبَاقِلّٰى فِيْ قِشْرِهَا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) مطلب مع وضاحت تحریر کریں۔

(ج) دونوں مسئلوں میں ائمہ کا اختلاف مع دلائل تحریر کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور نہیں جائز ہے کہ پھل بیچے اور مستثنی کرے ان میں سے متعین ارطال کا اور جائز ہے گیہوں کا بیچنا اس کی بالوں میں اور لوبیا کا اس کی پھلیوں میں۔

(ب) مطلب مع وضاحت:

اگر کسی نے پھل فروخت کیے اور ان میں سے چند متعین رطل کا استثناء کرلیا تو

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہمارے یہاں یہ استثناء کرنا درست نہیں ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک درست ہے؛ چنانچہ فرماتے ہیں جس طرح باغ میں چند درختوں کا استثناء درست ہے اسی طرح باغ کے پھلوں میں سے چند پھلوں کا استثاء بھی درست ہوگا۔

ہماری دلیل: یہ ہے کہ پھل فروخت کرکے ان میں سے کچھ مقدار کا استثناء کرنے میں دو خرابیاں ہیں: استثناء کے بعد بچی ہوئی مقدار مجہول ہے اور اس میں عمدہ اور خراب ہر طرح کے پھل شامل ہیں اب بائع ان میں سے عمدہ پھلوں کو لینا چاہے گا اور مشتری اسے خراب پھل دینے پر بضد ہوگا اور یہ صورت مفضی الی النزاع بنے گی اور جو چیز مفضی الی النزاع بنے وہ مفسد عقد ہوتی ہے؛ اس لیے ارطالِ معلومہ کا استثناء درست نہیں ہے اور جب استثناء درست نہیں ہے تو ظاہر ہے اس طرح کی بیع بھی درست نہیں ہوگی۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ مثلاً بائع نے ایک باغ کے پھل فروخت کیے اور ان میں سے دس من پھلوں کا استثناء کرلیا اور اتفاق سے باغ میں صرف اتنے ہی پھل آئے تو اس صورت میں چونکہ مبیع معدوم ہے اور معدوم کی بیع درست نہیں؛ اس لیے یہ بیع بھی فاسد ہوگی۔

ہاں اگر کسی نے کوئی باغ فروخت کیا اور اس میں سے چند درختوں کا استثاء کیا تو یہ صورت درست ہے؛ اس لیے کہ مستثنیٰ درخت مشاہدے سے معلوم ہیں اور ان کی نشاندہی کرسکتے ہیں لہٰذا یہ صورت مفضی الی النزاع نہیں ہوگی اور اس میں مبیع معدوم بھی نہیں ہوگی؛ چنانچہ یہ صورت درست ہے؛ لیکن ظاہر الروایہ کے مطابق اس صورت کو جائز ہونا چاہیے؛ کیونکہ حضرات فقہاء نے یہ اصول مقرر کررکھا ہے کہ ہر وہ چیز جس کا تنہا فروخت کرنا جائز ہے عقد سے اس کا استثناء کرنا بھی درست ہے اور چند رطل پھلوں کی تنہا بیع درست ہے تو ان کا استثناء بھی درست ہونا چاہیے جیسا کہ غلے کے ڈھیر سے ایک قفیز کی بیع درست ہے اس کا استثناء بھی درست ہے۔

اور جن اشیاء کو تنہا فروخت کرنا درست نہیں ہے ان کا استثناء بھی درست نہیں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جیسا کہ حمل کا استثناء اور زندہ جانور کے اعضاء یا چمڑے وغیرہ کا استثناء کرنا درست نہیں؛ کیونکہ ان کی تنہا بیع بھی درست نہیں لہٰذا استثناء بھی درست نہیں۔

(ج) دونوں مسئلوں میں ائمہ کا اختلاف مع دلائل:

امام مالکؒ کے نزدیک اس طرح سے استثناء کی صورت میں بیع درست ہے۔

دلیل: آپؒ نے پھلوں کے استثناء کو درختوں کے استثناء پر قیاس کیا ہے۔ "فَإِنَّهُ يَجُوْزُ عِنْدَهُ قِيَاسًا عَلٰى بَيْعِ النَّخْ إِذَابَاعَ وَاسْتَثْنٰى نَخْلًا مُعَيَّنًا.

امام صاحبؒ کے نزدیک اس طرح سے استثناء کرنا درست نہیں ہے۔

دلیل: لان الباقی بعد الاستثناء مجهول وهٰذه الجهالةِ تفضى الى المنازعة و كل جهالة تفضى الى المنازعة تفسد العقد.

یہ جو باقی ہے وہ مجہول ہے اور یہ جہالت مفضی الی النزاع ہے اور جو جہالت مفضی الی النزاع ہو وہ عقد کو فاسد کر دیتی ہے۔

ظاہر الروایہ اس اصول پر مبنی ہے: "ان كل مايجوز العقد عليه بانفراده يصح استثناؤه من العقد" یعنی ہر وہ چیز جس کا تنہا فروخت کرنا جائز ہے عقد سے اس کا استثناء کرنا بھی جائز ہے۔

سوال نمبر (۵۲)، مختصر القدوری

وَمَنْ بَاعَ سِلْعَةً بِثَمَنٍ قِيْلَ لِلْمُشْتَرِىْ اِدْفَعِ الثَّمَنَ اَوَّلًا فَإِذَادَفَعَ قِيْلَ لِلْبَائِعِ سَلِّمِ الْمَبِيْعَ وَمَنْ بَاعَ سِلْعَةً بِسَعَةٍ اَوْثَمَنًا بِثَمَنٍ قِيْلَ لَهُمَا سَلِّمَا مَعًا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) مطلب اس طرح واضح کریں کہ دونوں صورتوں کا فرق واضح ہو جائے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(الف) ترجمۃ

اور جس نے بیچا سامان کو ثمن کے بدلے تو کہا جائے گا مشتری سے کہ پہلے ثمن دے جب وہ دیدے تو بائع سے کہا جائے گا کہ مبیع سپرد کردے۔ جس نے بیچا سامان کو سامان کے بدلے یا ثمن کو ثمن کے بدلے میں تو دونوں سے کہا جائے گا کہ ساتھ ساتھ لو اور ساتھ دو۔

(ب) مطلب:

عبارت میں دو مسئلہ بیان کیے گئے ہیں:

(۱) اگر کسی نے ثمن یعنی دراہم و دنانیر کے عوض کوئی سامان فروخت کیا اور عاقدین ادائیگی میں اختلاف کرنے لگیں اس صورت میں تقدیم ادا کا مکلّف کون ہوگا۔ فرماتے ہیں اس صورت میں دو باتیں قابلِ غور ہیں: (۱) عقد بیع سے مبیع میں مشتری کا حق متعین ہوجاتا ہے اور محض دقد سے ثمن میں بائع کا حق متعین نہیں ہوتا تو نفس عقد سے مشتری کو ایک طرح کا تقدیم حاصل ہوجاتا ہے اور بیع میں مساوات ضروری ہے لہٰذا مشتر کو اس بات کا مکلّف بنایا جائے گا کہ وہ ثمن کی ادائیگی کرے تاکہ اسپر قبضہ کرنے کے بعد بائع کا حق بھی ثمن سے متعلق ہوجائے۔ اب مساوات کو ثابت کرنے کے لیے مشتری کو ثمن کے ادا کرنے کا پہلے مکلّف بنایا جائے گا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر ثمن کو ثمن کے عوض اور سامان کو سامان کے عوض فروخت کیا تو ان دونوں صورتوں میں کسی کو بھی پہلے ادا کرنے کا مکلّف نہیں بنایا جائے گا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ثمن کے عوض ثمن کی صورت میں عدمِ تعیین میں دونوں برابر ہیں اور سامان کے عوض کی صورت میں دونوں تعین حق میں برابر ہے؛ اس لیے ان دونوں صورتوں میں کسی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

یکو بھی تقدم حاصل نہیں ہوگا اور پہلے مسئلہ میں مشتری کو ایک طرح کا تقدم حاصل ہوگا؛ اس لیے اس کو اداءِ ثمن کا مکلّف بنایا جائے گا؛ لیکن دوسرے مسئلہ میں کسی کو کوئی تقدم حاصل نہیں ہوگا؛ اس لیے کسی کو بھی پہلے ادائیگی کا ملف نہیں بنایا جائے گا۔

سوال نمبر (۵۳)، مختصر القدوری

خِيَارُ الشَّرْطِ جَائِزٌ فِي الْبَيْعِ لِلْبَائِعِ وَالْمُشْتَرِي وَلَهُمَا الْخِيَارُ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَمَادُوْنَهَا وَلَايَجُوْزُ اَكْثَرَ مِنْ ذَالِکَ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَجُوْمُ إِذَاسَمّٰى مُدَّةً مَعْلُوْمَةً.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) خیار کی لغوی اور اصطلاحی تعریف سپرد قلم کریں۔

(ج) خیار الشرط کی کتنی قسمیں ہیں؟

(د) مطلب بیان کریں۔

(ھ) ائمہ کا اختلاف مع دلائل تحریر کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

خیارِ شرط جائز ہے بیع میں بائع اور مشتری دونوں کے لیے اور ان دونوں کو اختیار ہے تین دن یا اس سے کم کا اور نہیں جائز ہے اس سے زیادہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور کہا امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے کہ جائز ہے جبکہ مدت معلوم متعین کر دے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب) خیار کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

خیار کی لغوی تعریف: پسندیدگی، خیار اختیار کے معنیٰ میں ہے۔
اصطلاحی تعریف: ایجاب وقبول ہونے کے بعد مجلس میں رہتے ہوئے بائع یا مشتری دونوں یہ کہیں کہ ہمیں تین دن کا اختیار ہے اگر چاہو بیع نافذ کردوں اور چاہوں تو بیع کو رد کردوں اور سامنے والا اس پر ہاں کردے اب اس کو اختیار ہوگا چاہے تو بیع جائز قرار دے اور چاہے تو بیع توڑ دے اگر تین دن تک بیع کو نہیں توڑا تو بیع تام ہوجائے گی۔

(ج) خیار الشرط کی کتنی قسمیں ہیں؟

خیارِ شرط کی تین قسمیں ہیں:
(۱) بالاتفاق فاسد مثلاً خریدار نے کہا کہ میں نے یہ چیز اس شرط پر خریدی کہ مجھ کو ہمیشہ کا خیار ہے۔
(۲) بالاتفاق جائز مثلاً تین دن یا تین دن سے کم کا خیار لیا۔
(۳) مختلف فیہ مثلاً تین دن سے زیادہ کا اختیار لیا، اس بارے میں دو مذہب ہیں: (۱) امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک تین دن سے زیادہ کا اختیار نہیں ملے گا۔ (عینی:۳/۳۶)
دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حبان بن منقذ کو تین دن کے لیے ہی خیارِ شرط دیا تھا۔ فَقُلْ لَا خَلَابَةَ وَلِيَ الْخِيَارُ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ. (عینی شرح ہدایہ:۳/۳۵)
تو کہہ دیا کر کہ کوئی دھوکہ نہیں میرے لیے تین دن کا اختیار ہے یعنی تین دن تک میرے لیے غور وفکر کا موقع ہے اگر مناسب ہوا عقد کو جائز کردوں گا ورنہ فسخ کردوں گا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف تین دن کا اختیار ملے گا۔
عقلی دلیل: تین دن سے زیادہ اختیار لینے میں سامنے والے آدمی کو نقصان ہوگا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کہ بہت دنوں تک اس کا انتظار کرنا ہوگا کہ بیع ہوئی یا نہیں؛ اس لیے تین دن سے زیادہ اختیار نہ دیا جائے۔

دوسرا مذہب: صاحبین اور امام احمد کے نزدیک خیارِ شرط کا معاملہ بائع اور مشتری کے اختیار پر ہے اس لیے اگر وہ دونوں زیادہ دنوں تک اختیار دینے پر راضی ہیں تو کسی کو کیا اشکال، بشرطیکہ مدت معلوم ہو کہ کتنے دنوں کا اختیار لینا چاہتے ہیں مجہول نہ ہو۔

دلیل: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہؐ نے دو ماہ تک خیار کو جائز رکھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدتِ خیار تین دن کے ساتھ خاص ہے؛ بلکہ اس سے زائد بھی ہو سکتی ہے۔

(د) مطلب بیان:

صاحبِ ہدایہ نے اس پوری عبارت میں خیارِ شرط کے ثبوت اس کی مدت اور اس کے حوالے سے حضرات ائمہ کے اختلاف اور ان کے دلائل سے بحث کی ہے؛ چنانچہ پہلی بحث تو یہ ہے کہ باتفاق ائمہ بائع اور مشتری دونوں کے لیے خیار جائز ہے خواہ انفراداً ہو یا اجتماعاً اور اس کی دلیل حضرت حبان بن منقذؓ کی وہ حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے لیے خیار لینے کا حکم دیا ہے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ امام صاحبؒ، امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک خیار کی زیادہ سے زیادہ مدت تین دن ہے اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک خیارِ شرط کی کوئی مدت نہیں ہے؛ بلکہ عاقدین جس مدت کو بیان کر دے وہی مدت خیار ہوگی خواہ وہ تین دن ہو یا تین ماہ۔ (احسن الہدایہ: ۸/۶۶)

(ھ) ائمہ کا اختلاف مع دلائل:

امام صاحبؒ کے نزدیک مدت خیار صرف تین دن ہے اس سے زیادہ تک خیار جائز نہیں ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دلیل: امام صاحبؒ کی دلیل حضرت حبان بن منقذؓ کا واقعہ ہے کہ ان کو بیع میں دھوکہ ہوا تھا؛ کیونکہ ان کی عقل قدرے کم تھی؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بیع میں خیار لینے کا حکم دیا تھا اوران کو صرف تین دن کا خیار دیا تھا "فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ لَا خِلَابَةَ وَلِيَ الْخِيَارُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ".

حضراتِ صاحبینؒ کے نزدیک عاقدین جس مدت کو بیان کردے وہی مدتِ خیار ہوگی۔

دلیل: حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ہے جس میں یہ مضمون موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو مہینے تک خیار کی اجازت دی ہے اور اجازت بربنائے ضرورت تھی۔ معلوم ہوا جب تک ضرورت باقی ہے خیار بھی باقی رہے گا "عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ أَنَّهُ أَجَازَ الْخِيَارَ إِلَى شَهْرَيْنِ.

سوال نمبر (۵۴)، مختصر القدوری

وَخِيَارُ الْبَائِعِ يَمْنَعُ خُرُوْجَ الْمَبِيْعِ مِنْ مِلْكِهٖ. فَإِنْ قَبَضَهُ الْمُشْتَرِيْ فَهَلَكَ بِيَدِهٖ فِيْ مُدَّةِ الْخِيَارِ ضَمِنَهُ بِالْقِيْمَةِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) مطلب تحریر کریں۔

(ج) اشیاء مثلی ہونے کی صورت میں کیا واجب ہوتا ہے؟ اور غیر مثلی ہونے کی صورت میں کیا واجب ہوتا ہے؟ تحریر کریں۔

(د) قیمت اور ثمن کا فرق بیان کریں۔

جواب

(الف) ترجمہ

اور بائع کا اختیار روکتا ہے مبیع کے نکلنے کو اس کی ملکیت سے۔ پھر اگر قبضہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کرلیا تھا مشتری نے مبیع پر اور ہلاک ہوگئی اس کے ہاتھ سے مدتِ خیار میں
تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔

(ب) مطلب:

اس عبارت سے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جس طرح خیار مشتری اور بائع دونوں کے لیے درست ہے جیسا کہ بابِ خیارِ شرط کے بالکل شروع میں بیان کیا گیا ہے اسی طرح صرف بائع کے لیے بھی خیار کو ثابت کرنا مقصود ہے پس جب کہ خیار شرط صرف بائع کو ہو تو اس صورت میں مبیع بائع کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتی ہے؛ کیونکہ عقد عاقدین کی رضامندی سے تام ہوتا ہوتا ہے اور رضامندی خیار کی صورت میں موقوف رہتی ہے تو عقد بھی غیر تام رہتا ہے اسی خیار کی وجہ سے اگر بائع نے اپنے غلام کو آزاد کردیا تو غلام آزاد ہوجائے گا؛ کیوں کہ ابھی غلام بائع کی ملکیت میں ہے۔

اور مشتری کو مبیع مین تصرف کا کوئی حق نہیں ہوگا اگرچہ اس نے بائع کی اجازت سے قبضہ کیا ہو۔ اگر اس صورت میں تصرف کو درست قرار دیا جائے تو غیر کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف لازم آئے گا جو فقہی قاعدہ کی رُو سے درست نہیں ہے "لَایَجُوْمُ التَّصرُّفُ فِيْ مِلْکِ الْغَیْرِ بِغَیْرِ اِذْنِهٖ" اگر مشتری نے مبیع پر قبضہ کرلیا اور پھر مبیع مشتری کے قبضہ میں ہلاک ہوگئی مدتِ خیار کے اندر تو اس صورت میں مشتری پر قیمت واجب ہوگی ثمن واجب نہیں ہوگا؛ کیوں کہ مبیع کے ہلاک ہونے سے بیع فسخ ہوگئی اور بیع بغیر محل کے اس کا نفاذ ہو ہی نہیں سکتا اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ مشتری کے پاس مبیع صرف بھاؤ تاؤ کرنے کے لیے تھی اور اس صورت میں مبیع کے ہلاک ہونے سے صرف قیمت واجب ہوتی ہے اور قیمت کا وجوب ایک فقہی قاعدہ کی وجہ سے ہے "مَقْبُوْضٌ بِجِهَةِ الْعَقْدِ مَضْمُوْنٌ بِالْقِیْمَةِ"۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) اشیاء مثلی ہونے کی صورت میں کیا واجب ہوتا ہے؟ اور غیر مثلی...:

اشیاء کے مثلی ہونے کی صورت میں اس کا مثل واجب ہوتا ہے اور اشیاء کے غیر مثلی ہونے یعنی قیمتی ہونے کی صورت میں اس کی قیمت واجب ہوتی ہے۔

(د) قیمت اور ثمن کا فرق:

قیمت اس قیمت کو کہا جاتا ہے جو بازار میں اس چیز کی قیمت ہوتی ہے یعنی مارکیٹ میں جو اس کا ریٹ ہے۔

ثمن اس قیمت کو کہا جاتا ہے کہ کسی چیز کی جو قیمت بائع اور مشتری دونوں نے اپنی رضامندی سے طے کی ہو؛ خواہ وہ بازار کی قیمت سے کم ہو یا زیادہ۔

سوال نمبر (۵۵)، مختصر القدوری

وَخِيَارُ الْمُشْتَرِيْ لَايَمْنَعُ خُرُوْجَ الْمَبِيْعِ مِنْ مِلْكِ الْبَائِعِ اِلَّا أَنَّ الْمُشْتَرِيْ لَايَمْلِكُهُ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَمْلِكُهُ فَإِنْ هَلَكَ بِيَدِهٖ هَلَكَ بِالثَّمَنِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عبارت کا مطلب واضح تحریر کریں۔

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل تحریر کریں۔

(د) خیار فی البیع کی کتنی قسمیں ہیں؟

(ھ) بائع کے خیار اور مشتری کے خیار کی صورت میں جو فرق ہے اس کو واضح کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(الف) ترجمۃ

اور مشتری کا خیار شرط نہیں روکتا مبیع کے نکلنے کو بائع کی ملکیت سے مگر یہ کہ مشتری اس کا مالک نہیں ہوگا، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مالک ہوجائے گا۔ پھر اگر مشتری کے ہاتھ میں ہلاک ہوگئی تو ہلاک ہوگی ثمن کے بدلے۔

(ب) عبارت کا مطلب:

صاحبِ قدوری اس عبارت سے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جس طرح صرف بائع کے لیے خیار ثابت ہے اسی طرح صرف مشتری کے لیے بھی خیار ثابت ہوتا ہے اب جبکہ مشتری کو خیار ہو تو مبیع بائع کی ملکیت سے تو نکل جاتی ہے؛ کیوں کہ بائع کی طرف سے رضامندی پائی جارہی ہے اور اب یہ مبیع مشتری کی ملک میں داخل ہوگی یا نہیں، اس بارے میں امام صاحب اور حضرات صاحبینؒ کا اختلاف ہے۔

امام صاحبؒ کے نزدیک مبیع مشتری کی ملک میں داخل نہیں ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک مشتری کی ملک میں داخل ہوگی۔

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل:

حضراتِ صاحبینؒ کے نزدیک مبیع بائع کی ملک سے نکل کر مشتری کی ملک میں داخل ہوجائے گی۔

دلیل: اس لیے کہ جب مبیع بائع کی ملک سے نکل گئی اور اگر مشتری کی ملک میں داخل نہ ہو تو اس طرح مبیع ہلاک ہوجائے گی؛ اس لیے کہ کسی کی ملک ہونا ضروری ہے تو اس صورت میں وہ مشتری کی ملک میں ہوگی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حضرت امام صاحبؒ کا مذہب یہ ہے کہ مبیع بائع کی ملک سے نکل کر مشتری کی ملک میں داخل نہیں ہوگی۔

دلیل: یہ ہے کہ جب مشتری کو خیار ہے تو ثمن اس کی ملک سے نہیں نکلے گا اور اگر ہم مشتری کی ملک میں مبیع کے داخل ہونے کو تسلیم کریں تو ایک آدمی کی ملک میں مبیع اور ثمن دونوں کا داخل ہونا لازم آئے گا اور بیع میں مساوات ضروری ہے اور یہ مساوات کے خلاف ہے؛ اس لیے اس کو مشتری کی ملک میں داخل قرار نہیں دیا جائے گا۔

(د) خیار فی البیع کی کتنی قسمیں ہیں؟

خیار فی البیع کی چار قسمیں ہیں:

(۱) خیارِ شرط (۲) خیارِ رؤیت

(۳) خیارِ عیب (۴) خیارِ تعیین

(ھ) بائع کے خیار اور مشتری کے خیار کی صورت میں جو فرق ہے:

بائع کے خیار اور مشتر کے خیار میں فرق یہ ہے کہ جب خیار بائع کے لیے ہو تو اگر وہ مشتری کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے یا مبیع عیب دار ہو جائے تو اس صورت میں مبیع کی واپسی متعذر نہیں ہے؛ کیونکہ مبیع اتمامِ عقد سے قبل ہلاک ہوگئی اور مشتری کا قبضہ بجہت العقد ہوگا اور جب عقد والے قبضہ میں اگر ہلاک ہو جائے تو قیمت کا ضامن ہوتا ہے۔

اور جب خیار مشتری کے لیے ہو اور مشتری کے قبضہ میں مبیع ہلاک ہو جائے یا عیب دار ہو جائے جو عیب مدتِ خیار میں ختم نہ ہو سکتا ہو تو ایسی صورت میں مبیع کی واپسی "عَلٰی حَالَةِ الْقَبْضِ" محال ہوگی تو اب عقد لازم ہو گیا اور جب عقد لازم ہو جائے تو ثمن واجب ہوتا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال نمبر(۵۶)، مختصر القدوری

وَمَنْ شَرَطَ لَهُ الْخِيَارُ فَلَهُ اَنْ يَفْسَخَ فِيْ مُدَّةِ الْخِيَارِ وَلَهُ اَنْ يُجِيْزَهُ فَاِنْ اَجَازَهُ بِغَيْرِ حَضْرَةِ صَاحِبِهِ جَازَ وَاِنْ فَسَخَ لَمْ يَجُزْ اِلَّااَنْ يَّكُوْنَ الْآخَرُ حَاضِرًا.

(الف)عبارت پراعراب لگا کرترجمہ کریں۔

(ب)مطلب کی تشریح کرکے اختلافِ ائمہ مع دلائل تحریر کریں۔

(ج)دوسرے ساتھی کے علم میں لائے بغیر بیع فسخ کرنے میں کیا مضرت ہوسکتی ہے؟تحریر کریں۔

(د)إلّا أن یکون الآخر حاضرا کا مطلب بھی تحریر کریں۔

جواب

(الف)ترجمة

اور جس شخص کے لیے خیار شرط ہےتو اس کے لیے جائز ہے کہ مدتِ خیار میں بیع فسخ کردے اور اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ اس کو نافذ کردے۔

(ب)مطلب کی تشریح اور اختلافِ ائمہ مع دلائل:

صاحبِ قدوری اس عبارت میں یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ صاحبِ خیار کو مدتِ خیار میں بیع کے نافذ کرنے اور فسخ کرنے دونوں کا اختیار ہوتا ہے اب بیع کے نافذ کرنے میں تو اس کے ساتھی کا حاضر ہونا ضروری نہیں ہے، اگر اس نے اپنے ساتھی کی عدمِ موجودگی میں بیع کو نافذ کردیا تو سب کے نزدیک درست ہے؛ لیکن بیع کے فسخ کرنے میں اگر وہ ساتھی حاضر نہ ہو تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فسخ درست ہے؛ لیکن

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

طرفینؒ کے نزدیک یہ فسخ درست نہیں ہے؛ بلکہ اس کے ساتھی جس کو خیار حاصل نہیں اس کا حاضر ہونا یا اس کو فسخ کا علم ہونا ضروری ہے۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس کو اپنے ساتھی کی طرف سے تسلیط حاصل ہے اب جب اس کو فسخ پر تسلط ہے تو یہ اس کے علم پر موقوف نہیں ہے جیسا کہ اجازت میں اس کو علم ہونا ضروری نہیں ہے ایسا ہی فسخ کا علم بھی ضروری نہیں ہے اور یہ وکیل بالبیع کی طرح ہو جائے گا کہ جس طرح وکیل کو ہر طرح کے تصرف کا حق ہوتا ہے اور مؤکل کے لیے اس کا علم ضروری نہیں ہوتا ایسا ہی اس صورت میں بھی علم ضروری نہیں ہے۔

حضرات طرفینؒ فرماتے ہیں کہ یہ غیر کے حق میں تصرف کرنا ہے؛ کیوں کہ عقد اس کے حق میں لازم ہے اب اگر من لہ الخیار عقد کو فسخ کرتا ہے بغیر اس کی اجازت کے تو یہ اس کے حق کا فسخ ہوگا اور بلا اذن یہ درست نہیں ہے اور اس طرح سے اس کو مضرت اور نقصان ہو جائے گا؛ اس لیے اس کا علم ضروری ہے تا کہ اس کو نقصان نہ ہو؛ کیوں کہ فقہ کا اصول ہے "لَاضَرَرَ وَلَاضِرَارَ" اور یہ وکیل کو معزول کرنے کی طرح ہو جائے گا جس طرح وکیل کو معزول کرنے سے پہلے اس کو اس کے عزل پر واقف کر دینا ضروری ہے تا کہ وہ کوئی تصرف کر کے نقصان نہ اُٹھائے۔

ائمہ کا اختلاف:

امام ابو یوسفؒ کا مذہب یہ ہے کہ اس کو فسخ کی صورت میں اپنے ساتھی یعنی "من لیس لہ الخیار" کو فسخ پر واقف کرنا ضرور نہیں ہے۔

دلیل: امام ابو یوسفؒ کا مذہب یہ ہے کہ فسخ کرنے میں "من لیس لہ الخیار" کو مدتِ خیار کے اندر اندر علم ہونا ضروری ہے ورنہ فسخ درست نہیں ہوگا اور اگر مدتِ خیار کے بعد علم ہوا تو یہ بیع تام ہو جائے گی اور عقد لازم ہو جائے گا۔

دلیل: فسخ کی صورت میں اپنے ساتھی "من لیس لہ الخیار" کو فسخ پر واقف کرنا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ضروری ہے، فسخ کرنے میں غیر کے حق میں تصرف کرنا ہوتا ہے اور غیر کے حق میں تصرف کرنے کے لیے اس کی اجازت یا اس کو علم ہونا ضروری ہے اور اگر اس کے علم کے بغیر فسخ کرتے ہیں تو اس کو نقصان ہوگا اس نقصان سے بچانے کے لیے علم کا ہونا ضروری ہے۔

(ج) دوسرے ساتھی کے علم میں لائے بغیر عقد فسخ کرنے میں مضرت:

فسخ میں دونوں کو مضرت ہوسکتی ہے یعنی اگر بائع کو خیار نہ ہو تو بائع کا نقصان ہوگا اور اگر مشتری کو خیار نہ ہو تو مشتری کو نقصان ہوسکتا ہے۔ بائع کا نقصان اس طرح ہوسکتا ہے کہ بائع نے ایسی چیز میں معاملہ کیا جو ایک موسم میں فروخت ہوسکتی ہو۔ اب اس نے مشتری کو خیار دیا، اس نے کوئی اور مشتری تلاش نہ کیا اب اس کا موسم ختم ہو گیا تو اس طرح سے بائع کو نقصان ہوگا۔

نیز مشتری کو نقصان اس طرح ہوسکتا ہے کہ بائع کو خیار حاصل ہے اور مبیع مشتری کے قبضہ میں ہے اور مشتری نے مبیع میں ایسا تصرف کرڈالا جس کی وجہ سے وہ مبیع ہلاک ہوگئی یا عیب دار ہوگئی اور بائع نے معاملہ کو فسخ کردیا اور اس کو اطلاع نہ دی تو اس طرح مشتری کو نقصان ہوگا؛ کیوں کہ اس کو اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔

(د) إلّا أن يكون الآخر حاضرا کا مطلب:

إِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ الْآخَرُ حَاضِرًا: اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسرا فریق حاضر ہو؛ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چاہے وہ حاضر نہ ہو؛ لیکن اس کو بیع ختم کرنے کی اطلاع دے دی جائے۔

سوال نمبر (۵۷)، مختصر القدوری

وَاِذَامَاتَ مَنْ لَّهُ الْخِيَارُ بَطَلَ خِيَارُهٗ وَلَمْ يَنْتَقِلْ اِلٰى وَرَثَتِهٖ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) کیا خیارِ شرط ورثاء کی طرف منتقل ہوتا ہے یا نہیں؟

(ج) ائمہ کا اختلاف مع دلائل تحریر کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور اگر مر گیا وہ شخص جس کے لیے خیارِ شرط تھا تو خیار باطل ہو جائے گا اور اس کے ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔

(ب) کیا خیارِ شرط ورثاء کی طرف منتقل ہوتا ہے یا نہیں؟

بائع یا مشتری جس نے خیارِ شرط لیا تھا وہ مر گیا اب یہ اختیار اس کے ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا؛ چونکہ پہلے ایجاب وقبول ہو چکے ہیں اس لیے بیع لازم ہو جائے گی۔

دلیل: اختیار ارادے اور چاہت کا نام ہے کہ بیع جائز قرار دیں یا نہ دیں اور ارادہ معنوی شئ ہے وہ منتقل نہیں ہوتا؛ اس لیے اختیار ورثہ کی طرف منتقل نہ ہوگا۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح خیارِ عیب اور خیارِ تعیین ورثاء کی طرف منتقل ہوتا ہے اسی طرح خیارِ شرط بھی ورثہ کی طرف منتقل ہوگا اور اس کو بھی بیع توڑنے اور جائز قرار دینے کا حق ہوگا۔

(ج) ائمہ کا اختلاف مع دلائل:

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک خیار ورثاء کی طرف منتقل ہوگا۔

دلیل: یہ ہے کہ خیارِ شرط ایک لازم اور ثابت شدہ حق ہے اور اس طرح کے جملہ حقوق میں وراثت جاری ہوتی ہے لہٰذا اس میں بھی وراثت جاری ہوگی جیسا کہ خیارِ عیب اور خیارِ تعیین میں وراثت جاری ہوتی ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خیار ورثاء کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔

دلیل: یہ ہے کہ خیار اس لیے ہوتا ہے تاکہ انسان اپنی مشیت اور چاہت کا پورا استعمال کرسکے اور مشیت اور چاہت از قبیلِ عرض ہے اور عرض انتقال کو قبول نہیں کرتا ہے تو جب خیار عرض ہے تو اس میں بھی قبول انتقال کی صلاحیت نہیں ہوگی اور وراثت میں انتقال ملک ہی ہوتا ہے لہٰذا خیار میں انتقالِ ملک اور جریان وراثت دونوں معدوم ہے؛ اس لیے خیارِ شرط ورثاء کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔

سوال نمبر (۵۸)، مختصر القدوری

وَمَنِ اشْتَرٰی مَالَمْ یَرَهُ فَالْبَیْعُ جَائِزٌ وَلَهُ الْخِیَارُ إِذَارَآهُ إِنْ شَاءَ أَخَذَهُ وَإِنْ شَاءَ رَدَّهُ. وَمَنْ بَاعَ مَالَمْ یَرَهُ فَلَاخِیَارَ لَهُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) خیارِ رؤیت کی تعریف کیجیے اور بتائیے کہ خیارِ رؤیت کس کو حاصل ہے اور کس حاصل نہیں؟

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل ذکر کریں۔

(د) خیارِ رؤیت انعقادِ بیع سے مانع ہے یا تکمیلِ حکم سے مانع ہے؟

جواب

(الف) ترجمة

اور جس نے خریدا ایسی چیز کو جس کو دیکھا نہیں ہے تو بیع جائز ہے اور اسے اختیار ہے جب مبیع کو دیکھے اگر چاہے تو اس کو لے لے اور اگر چاہے تو اس کو واپس کردے۔ اور جس نے فروخت کردی ایسی چیز جس کو دیکھا نہیں تو اس کو اختیار نہیں ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب) خیارِ رؤیت کی تعریف، خیارِ رؤیت کس کو حاصل ہے اور کس حاصل نہیں؟

خیارِ رؤیت کی تعریف: کسی چیز کو دیکھے بغیر خرید لے تو اس وقت دیکھنے کے بعد چاہے تو خریدے اور چاہے نہ خریدے ایسے خیار کو خیارِ رؤیت کہتے ہیں۔

خیارِ رؤیت کس کو حاصل ہے؟: اگر کسی شخص نے بغیر دیکھے ہوئے کسی چیز کو خریدا تو یہ بیع ہمارے نزدیک جائز ہے؛ مگر مشتری جب اس مبیع کو دیکھے گا تو اس کو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا؛ کیونکہ دیکھنے سے قبل اس کی رغبت کامل نہیں ہے؛ نیز اوپر حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت گزر چکی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دیکھنے کے بعد مشتری کو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا۔

خیارِ رؤیت کس کو حاصل نہیں ہے؟ اگر کسی نے بغیر دیکھے کوئی چیز فروخت کردی اس طریقے سے کہ کسی چیز کا وارث ہوا اور دیکھنے سے پہلے اس کو بیچ دیا تو یہ بیع درست ہے اب بائع بعد میں خیارِ رؤیت لینا چاہتا ہے اور دیکھنے کے بعد خیارِ رؤیت کے تحت بیع توڑنا چاہتا ہے تو اس کو بیع توڑنے کا اختیار نہیں دیا جائے گا؛ کیونکہ مبیع تو اسی کے پاس تھی اس نے بیع سے پہلے کیوں نہیں دیکھی یہ نہ دیکھنا اس کی غلطی تھی۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں "مَنِ اشْتَرٰی شَیْئًا" فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ خریدار کو اختیار ہوگا بائع کو نہیں۔

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل:

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بغیر دیکھے خریدنے کی صورت میں عقد درست نہیں ہوگا۔

دلیل: یہ ہے کہ مبیع مجہول ہے اور جب ثمن یا مبیع مجہول ہو تو عقد درست نہیں ہوتا ہے "لِاَنَّ الْجِهَالَةَ مَجْهُوْلٌ وَالْجِهَالَةُ تُفْضِیْ اِلَی الْمُنَازَعَةِ کُلُّ جِهَالَةٍ تُفْضِیْ اِلَی الْمُنَازَعَةِ تُفْسِدُ الْعَقْدَ"۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حضرت امام صاحبؒ کا مذہب یہ ہے کہ بغیر دیکھے خرید نے کی صورت میں دیکھنے کے بعد مشتری کو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا۔

دلیل: یہ حدیث ہے: "مَنِ اشْتَرىٰ شَيْئًا لَمْ يَرَهُ فَلَهُ الْخِيَارُ" یہ حدیث بالکل صاف طور پر اس بات کو بیان کر رہی ہے کہ بغیر دیکھے عقد کرنا درست ہے اور دیکھنے کے بعد لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا۔

(د) خیارِ رؤیت انعقادِ بیع سے مانع ہے یا تکمیلِ حکم سے مانع ہے؟

خیارِ رؤیت انعقادِ عقد سے مانع نہیں ہے؛ بلکہ تکمیلِ حکم سے مانع ہے۔

سوال نمبر (۵۹)، مختصر القدوری

وَإِنْ نَظَرَ إِلىٰ وَجْهِ نَظَرَ إِلىٰ وَجْهِ الصُّبْرَةِ اَوْإِلىٰ ظَاهِرِ الثَّوْبِ مَطْوِيًّا اَوْإِلىٰ وَجْهِ الْجَارِيَةِ اَوْاِلىٰ وَجْهِ الدَّابَّةِ وَكَفَلِهَا فَلَاخِيَارَ لَهٗ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) غلام اور باندی کا پورا بدن دیکھنا کیسے متعذر ہے؟

(ج) رؤیت کے اعتبار سے مبیع کی کتنی قسمیں ہیں اور کس مبیع میں کیا خیارِ رؤیت باطل ہوگا؟

جواب

(الف) **ترجمہ**

اور اگر دیکھے ڈھیر کے اوپر کا حصہ یا لپیٹے ہوئے کپڑے کے ظاہری حصہ کو یا باندی کے چہرے کو یا جانور کے چہرے کو یا اس کے پچھلے حصہ کو تو اس کے لیے خیارِ رؤیت نہیں ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب) غلام اور باندی کا پورا بدن دیکھنا کیسے متعذر ہے؟

خیارِ رؤیت میں غلام کا پورا بدن اس لیے نہیں دیکھا جا سکتا؛ کیونکہ غلام کے ستر کو دیکھنا جائز نہیں ہے؛ اس لیے غلام کا پورا بدن دیکھنا متعذر ہے۔

باندی کا پورا بدن دیکھنا اس لیے متعذر ہے کہ اگر پورے بدن کو دیکھنے کا خیار دیا جائے اور پورے بدن کو دیکھنے کے بعد مشتری نے بیع فسخ کر دی تو اس صورت میں اس نے غیر کی ملک میں اس باندی کے ستر کو دیکھا اور عقد کے فسخ ہونے کے بعد وہ ایسا ہو گیا گویا کوئی عقد ہوا ہی نہیں تو اس کی نظر حرام طریقہ سے پڑی؛ اس لیے اس کا پورا بدن دیکھنا متعذر ہے۔

(ج) رؤیت کے اعتبار سے مبیع کی کتنی قسمیں ہیں اور....:

خیارِ رؤیت کے اعتبار سے مبیع تین طرح کی ہوتی ہیں:

(۱) پوری مبیع شیٔ واحد ہو۔ جیسے: ایک مکان ایک جانور۔

(۲) مبیع کئی ایک شیٔ ہوں مگر وہ سب متقارب الآحاد ہوں۔ جیسے: مکیلات اور موزونات۔

(۳) اشیائے متعددہ مبیع ہوں مگر متفاوت الآحاد ہوں۔ مثلاً: بہت سارے چوپائے ہوں۔

اگر مبیع پہلی قسم میں سے ہے یعنی مبیع شیٔ واحد ہو تو خیارِ رؤیت کے سقوط کے لیے صرف اتنا دیکھ لینا کافی ہے جو مقصود کی طرف راہنمائی کر دے اور پوری مبیع کا دیکھنا متعذر ہے جیسے ایک غلام یا باندی۔

اگر مبیع دوسری قسم میں سے ہے یعنی مبیع کئی ایک اشیاء ہیں؛ لیکن متقارب الآحاد ہیں اس طرح کی مبیع کسی ایک چیز کو دیکھنے سے خیارِ رؤیت ساقط ہو جائے گا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اگر مبیع تیسری قسم میں سے ہے یعنی مبیع کئی ایک چیزیں ہیں اور متفاوت الآحاد ہیں تو اس طرح کی مبیع میں ہر ہر مبیع کو دیکھنے سے خیارِ رؤیت ساقط ہوگا۔

سوال نمبر (٦٠)، مختصر القدوری

وَبَيْعُ الْأَعْمٰى وَشِرَائُهُ جَائِزٌ إِذَااشْتَرٰى وَيَسْقُطُ خِيَارُهُ بِأَنْ يَجُسَّ الْمَبِيْعَ إِذَاكَانَ يُعْرَفُ بِالْجَسِّ أَوْيَشُمَّهُ إِذَاكَانَ يُعْرَفُ بِالشَّمِّ أَوْيَذُوْقَهُ إِذَاكَانَ يُعْرَفُ بِالذَّوْقِ. وَلَايَسْقُطُ خِيَارُهُ فِي الْعَقَارِ حَتّٰى يُوْصَفَ لَهُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں اور مطلب تحریر کریں۔

(ب) نابینا کی بیع وشراء میں ائمہ کرام کا اختلاف نقل کریں۔

(ج) زمین کی بیع میں امام ابو یوسفؒ کا مذہب کیا ہے اور ان کا یہ مذہب کس اُصول پر مبنی ہے؟ تحریر کریں۔

(د) نابینا کا خیارِ رؤیت کب ساقط ہوگا؟

جواب

(الف) ترجمہ

نابینا کا بیچنا اور اس کا خریدنا جائز ہے اور اس کے لیے خیارِ رؤیت ہوگا جب خریدے۔ اور اس کا اختیار ساقط ہو جائے گا مبیع کو ٹٹو لنے سے جبکہ وہ معلوم ہو جائے ٹٹولنے سے یا اس کو سونگھ لے جبکہ سونگھنے سے معلوم ہو جاتی ہو یا اس کو چکھ لے جبکہ چکھنے سے معلوم ہو جاتی ہو۔ اور ساقط نہ ہوگا اس کا اختیار زمین میں یہاں تک کہ اس کی حالت بیان کر دی جائے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

مطلب:

نابینا کا بیچنا اور خریدنا اس وجہ سے جائز ہے کہ وہ انسان ہے، عاقل و بالغ ہے، انسانی ضرورت اس کے ساتھ بھی لگی ہوئی ہے؛ لیکن آنکھ نہ ہونے کی وجہ سے مبیع کو دیکھا نہیں؛ اس لیے اس کو خیارِ رؤیت ہوگا اور خیارِ رؤیت ساقط ہونے کے مختلف طریقے ہیں جن کی تفصیل اگلے مسئلے میں آرہی ہے۔

نابینا نے زمین خریدی اب اس کو ٹٹول کر یا سونگھ کر یا چکھ کر معلوم نہیں کر سکتا؛ اس لیے خیار ساقط کرنے اور مکمل رضامندی کا طریقہ یہ ہے کہ بائع زمین کی پوری حقیقت بیان کردے اور پورا وصف بیان کردے اس کو سن کر اندھا راضی ہوجائے تو خیار ساقط ہوجائے گا۔

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ نابینا آدمی کی خرید و فروخت احناف کے یہاں درست ہے، اب اگر اس نابینا آدمی نے کوئی چیز خریدی تو اس کو بینا آدمی کی طرح خیارِ رؤیت ہوگا اور ما قبل میں یہ بات گزر چکی کہ اگر بغیر دیکھے مبیع کو خرید لیا تو اب اس کو خیارِ رؤیت حاصل ہوگا۔

بینا آدمی کا خیار تو دیکھنے سے ساقط ہوجائے گا؛ لیکن نابینا کا خیار کس طرح ساقط ہوگا؟ تو اس بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر وہ مبیع ایسی ہے کہ اسکا تعلق چھونے سے اور مَس کرنے سے ہے اور اس کی شناخت مس کرنے سے ہوسکتی ہے اور نابینا نے اس کو مَس کردیا تو اس کا خیار ساقط ہوجائے گا جس طرح بینا آدمی کے حق میں پوری مبیع کا دیکھنا متعذر ہے تو علم بالمقصود سے خیار ساقط ہوجاتا ہے اسی طرح نابینا کا علم بالمقصود سے خیار ساقط ہوجائے گا۔

اگر نابینا زمین وغیرہ خریدتا ہے تو اس کے پورے اوصاف بیان کرنے کے بعد اس کے رضامند ہونے سے اس کا خیار ساقط ہوجائے گا؛ کیونکہ اوصاف یہ رؤیت کے قائم

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

مقام ہوتے ہیں جیسا کہ بیع سلم میں مبیع معدوم ہوتی ہے اور صرف اس کے اوصاف بیان کر دیے جاتے ہیں اور مشتری رضامند ہو جاتا ہے۔

(ب) نابینا کی بیع وشراء میں ائمہ کرام کا اختلاف:

احناف کے نزدیک نابینا کی بیع وشراء درست ہے وہ نابینا مادرزاد ہو یا کسی بیماری کی وجہ سے بعد میں نابینا ہوا ہو۔

امام شافعیؒ کے نزدیک ایسا نابینا جو مادرزاد ہے اس کی بیع وشراء درست نہیں ہے۔

(ج) زمین کی بیع میں امام ابو یوسفؒ کا مذہب اور ان کا یہ مذہب جس اُصول پر مبنی ہے؟

زمین وغیرہ کی بیع میں امام ابو یوسفؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگر نابینا آدمی نے ایسی جگہ کھڑے ہونے کے بعد رضامندی ظاہر کی کہ جس جگہ سے بینا ہونے کی صورت میں اس کو دیکھ سکتا تھا تو اس کا خیار ساقط ہو جائے گا۔

امام ابو یوسفؒ کا مذہب اس اصول پر مبنی ہے کہ موضع عجز میں تشبیہ حقیقت کے قائم مقام ہوتی ہے "ان التشبیه یقام مقام الحقیقة فِي موضع العجز"۔

(د) نابینا کا خیارِ رؤیت کب ساقط ہوگا؟

نابینا کا خیارِ رؤیت اس وقت ساقط ہوگا اگر مبیع ایسی چیز ہو جس کو ہاتھ سے ٹٹول کر پہچانا جاسکتا ہے تو مبیع ٹٹول کر چھونے سے نابینا کا خیارِ رؤیت ساقط ہو جائے گا اور اگر سونگھ کر مبیع کی حقیقت معلوم ہوسکتی ہے اور سونگھ لیا تو خیار ساقط ہو جائے گا اور اگر چکھ کر معلوم کی جاسکتی ہے تو جب چکھ کر دیکھ لیا تو خیار ساقط ہو جائے گا، یا پھر مبیع دیکھنے کا کسی کو وکیل بنالے اور وکیل دیکھ لے تو نابینا کا دیکھنا شمار کیا جائے گا اور اس کا خیار ساقط ہو جائے گا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال نمبر (٦١)، مختصر القدوری

إِذَااطَّلَعَ الْمُشْتَرِىْ عَلٰى عَيْبٍ فِي الْمَبِيْعِ فَهُوَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهٗ بِجَمِيْعِ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ رَدَّهٗ وَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يُمْسِكَهٗ وَيَاخُذَهُ النُّقْصَانَ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عیب کی لغوی اور اصطلاحی تعریف نقل کریں۔

(ج) پوری مبیع کو واپس کرنے کا حق کس عیب کے بارے میں ہے؟

(د) عیب کی معرفت کا اُصول تحریر کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

جب مطلع ہو جائے مشتری کسی عیب پر مبیع میں تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو پورے ثمن سے اس کو لے لے اور اگر چاہے تو اس کو واپس کر دے اور اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ مبیع کو روک لے اور نقصان لے۔

(ب) عیب کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

عیب کی لغوی تعریف: لغت میں عیب ہر وہ چیز ہے جس سے فطرتِ سلیمہ خالی ہو یعنی جو اصل پیدائش میں داخل نہ ہو اور اس کی وجہ سے وہ چیز ناقص شمار کی جانے لگے۔

اصطلاحی تعریف: جس سے سوداگروں کے یہاں قیمت گھٹ جائے جیسے غلام کا بھاگنا یا چوری کرنا وغیرہ وغیرہ۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) پوری مبیع کو واپس کرنے کا حق کس عیب کے بارے میں ہے؟

ایسا عیب جو بائع کے پاس موجود تھا اور مشتری نے خریدتے اور قبضہ کرتے وقت اس کو نہ دیکھا ہو تو اس عیب کی وجہ سے مشتری کو پوری مبیع واپس کرنے کا حق ہوگا۔

(د) عیب کی معرفت کا اُصول:

عیب کی معرفت کا اُصول یہ ہے کہ جس کو امام قدوری نے ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے: "كل ماأوجب نقصان الثمن في عادة التجّارِ فهو عيبٌ" یعنی ہر وہ چیز جس سے تجار کی عادت میں ثمن میں کمی واقع ہو وہ عیب ہے۔

سوال نمبر (٦٢)، مختصر القدوری

وَالزِّنَا وَوَلَدُ الزِّنَا عَيْبٌ فِي الْجَارِيَةِ دُوْنَ الْغُلَامِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) مطلب تحریر کریں۔

(ج) باندی اور غلام میں وجہِ فرق کیا ہے؟

(د) باندی اور غلام میں کفر عیب مشترک ہے یا کوئی فرق ہے؟ جواب سمجھ کر تحریر کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور زنا اور حرامی ہونا باندی میں عیب ہے غلام میں نہیں۔

(ب) مطلب:

مسئلہ یہ ہے کہ باندی کا زانیہ اور اس کا زنا کے نطفہ سے پیدا ہونا دونوں باتیں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

باندی میں عیب ہیں اور غلام میں دونوں باتیں عیب نہیں ہیں۔ باندی میں عیب اس لیے ہیں کہ زنا والی عورت ہوگی تو اس سے جو نسل چلے گی وہ خراب عادت کی ہوگی اور باندی سے نسل بڑھانا ہے تو گویا خراب عادت ڈالنے والی عورت آگئی اس لیے باندی میں زنا کار ہونا عیب ہے، اسی طرح باندی تو خود زنا کار نہیں ہے؛ لیکن اس کی ماں نے زنا کرکے اس کو پیدا کیا ہے اور یہ باندی حرامی ہے اب اس سے جو نسل ہوگی وہ بھی حرامی اور عیب دار کہلائے گی؛ اس لیے باندی میں زنا کار ہونا حرامی ہونا عیب ہے۔ غلام سے نسل بڑھانا نہیں ہے؛ بلکہ غلام سے مقصود خدمت لینا ہے؛ اس لیے اس میں یہ دونوں باتیں عیب نہیں ہیں۔ ہاں! غلام زنا میں اتنا مشغول ہے کہ خدمت کرنے میں خلل انداز ہوتا ہے تو پھر یہ عیب شمار ہوگا؛ کیونکہ اس عادت کی وجہ سے یہ غلام عورتوں کے چکر میں پڑا رہے گا تو آقا کی خدمت کیا خاک کرے گا اس لیے اس عیب کے تحت بائع کو واپس کیا جائے گا۔

(ج) باندی اور غلام میں وجہِ فرق کیا ہے؟

صاحبِ ہدایہ نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ زنا اور ولد الزنا ہونا یہ باندی میں عیب ہے؛ اس لیے کہ یہ مقصود میں خلل انداز ہوگا اور باندی سے مقصود صحبت کرنا اور طلب ولد ہے زنا اور ولد الزنا ان دونوں مقصدوں میں مخل ہے۔

غلام میں زنا اور ولد الزنا عیب نہیں ہے؛ کیونکہ یہ مقصود میں خلل انداز نہیں ہے اور غلام میں مقصود خدمت ہے اور خدمت میں یہ دونوں مخل نہیں ہیں۔

(د) باندی اور غلام میں کفر عیب مشترک ہے یا کوئی فرق ہے؟

کفر غلام اور باندی دونوں میں عیب مشترک ہے اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال نمبر (۶۳)، مختصر القدوری

وَاِذَاحَدَثَ عِنْدَ الْمُشْتَرِي عَيْبٌ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلٰى عَيْبٍ عِنْدَ الْبَائِعِ فَلَهُ اَنْ يَرْجِعَ بِنُقْصَانِ الْعَيْبِ وَلَايَرُدُّهُ الْمَبِيْعُ إِلَّااَنْ يَرْضَى الْبَائِعُ اَنْ يَأْخُذَهُ بِعَيْبِهِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عبارت کی اطمینان بخش تشریح کریں۔

(ج) نقصانِ عیب سے کیا مراد ہے؟

(د) رجوع بالنقصان کے سلسلہ میں اس کی مقدار جاننے کا کیا طریقہ ہے؟

(ھ) بائع سے نقصان عیب لینے کی کیا صورت ہوگی؟

جواب

(الف) ترجمة

اور جب پیدا ہو جائے مشتری کے پاس کوئی عیب پھر وہ مطلع ہو اس عیب پر جو بائع کے پاس تھا تو مشتری کے لیے جائز ہے کہ رجوع کرے عیب کی کمی کو اور واپس نہیں کر سکتا مبیع کو مگر یہ کہ راضی ہو بائع، اس کو بعینہ واپس لینے پر۔

(ب) عبارت کی تشریح:

اس عبارت میں صاحبِ کتاب اس مسئلہ کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مشتری کے پاس عیب جدید پیدا ہونے کے بعد مشتری ایسے عیب پر مطلع ہوا جو بائع کے پاس پہلے سے تھا تو اس صورت میں اب مشتری کو صرف عیب کے بقدر ثمن اور قیمت میں کمی کرنے کا حق ہوگا پوری مبیع واپس کرنے کا حق نہ ہوگا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اس لیے کہ اگر مشتری کو پوری مبیع واپس کرنے کا حق دے دیا جائے گا تو اس صورت میں بائع کو ضرر ہوگا اور ضرر اس طریقہ سے ہے کہ بائع کی ملکیت سے مبیع اس عیب جدید سے پاک اور صحیح سالم نکلی تھی اور اب عیب دار ہو کر لوٹ رہی ہے؛ اس لیے مبیع کو واپس کرنا درست نہیں ہے۔

اور اگر مشتری کو کوئی بھی حق نہ دیا جائے تو اس صورت میں مشتری کا نقصان ہوگا اور اس کو ضرر ہوگا اور اُصول یہ ہے کہ "لاضرر ولاضرار" اس لیے کہ مشتری کو اس عیب کے بقدر ثمن سے کمی کا حق ہوگا جو عیب بائع کے پاس موجود تھا۔

لیکن اگر بائع غایت درجہ کا شریف ہے اور وہ اس عیب جدید کے ساتھ بھی مبیع کو واپس لینے پر رضامند ہے تو اس صورت میں مشتری کا حق رد عود کر آئے گا اور وہ اس عیب جدید کے ساتھ واپس کردے گا؛ اس لیے کہ رَد سے مانع صرف بائع کا حق تھا اور وہ خود اپنے حق کو ساقط کرنے پر راضی ہے تو اس کے حق کو ثابت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

(ج) نقصانِ عیب سے کیا مراد ہے؟

نقصانِ عیب سے مراد یہ ہے کہ اس عیب کی وجہ سے اس مبیع کی جتنی قیمت کم ہوسکتی ہے اس کو کم کردیا جائے گا اور مشتری اتنی مقدار قیمت کم کر کے ادا کرے گا تو اس سے اس عیب کے نقصان کی تلافی ہوجائے گی۔

(د) رجوع بالنقصان کے سلسلہ میں اس کی مقدار جاننے کا طریقہ:

رجوع بالنقصان کے سلسلے میں اس کی مقدار جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ ماہرین تجارات اس کو بغیر عیب کے کس قیمت میں خریدتے ہیں اور عیب کے ساتھ کس قیمت میں خریدتے ہیں ان دونوں صورتوں کے تفاوت اور فرقِ قیمت کو دیکھا جائے گا اگر یہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

فاوت قیمت کے دسویں حصہ کے بقدر ہے تو ثمن سے دسواں حصہ کم کر دیا جائے گا اور اگر زیادہ ہے تو زیادہ اور اگر کم ہے تو اس سے کم کو کم کر دیا جائے گا۔ (البنایہ:۸/۱۱۰)

(ھ) بائع سے نقصان عیب لینے کی کیا صورت ہوگی؟

بائع سے نقصانِ عیب لینے کی صورت یہ ہے کہ اگر ثمن ادا نہیں کیا تو اس عیب کے بقدر ثمن کم کردے گا اور اگر ثمن ادا کر چکا تو اس عیب کے بقدر ثمن واپس لے لے گا۔

سوال نمبر (۶۴)، مختصر القدوری

وَمَنِ اشْتَرٰی عَبْدًا وَشَرَطَ الْبَائِعُ الْبَرَاءَ ةَ مِنْ كُلِّ عَيْبٍ فَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَّرُدَّهٗ بِعَيْبٍ جُمْلَةَ الْعُيُوْبِ وَلَمْ يَعُدَّهَا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) مطلب تحریر کریں۔

(ج) اس براءۃ میں عند العقد موجود عیب کے ساتھ بعد العقد قبل القبض عیب کی براءۃ داخل ہے یا نہیں؟ اگر اختلاف ہو تو ہر امام کا نام، ان کی دلیل کے ساتھ تحریر کریں۔

جواب

(الف) ترجمۃ

کسی نے غلام خریدا اور شرط لگائی بائع نے ہر عیب سے بَری ہونے کی تو مشتری کے لیے جائز نہیں ہے کہ واپس کردے اس کو عیب کی وجہ سے چاہے تمام عیبوں کا نام نہ لیا ہو اور نہ ان کو گنوایا ہو۔

(ب) مطلب:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنا غلام فروخت کیا اور یوں کہا کہ میرا یہ غلام

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہر طرح کے عیب سے بَری ہے اور مشتری نے اسے قبول کرلیا تو اب مشتری کسی بھی عیب کی وجہ سے غلام واپس کرنے کا حقدار نہیں ہوگا، خواہ بائع نے ہر ہر عیب کا نام لے کر انہیں شمار کیا ہو یا نہ کیا ہو اسی طرح خواہ بائع اور مشتری دونوں کو وہ عیب معلوم ہو یا نہ ہو۔ بہر حال بائع کی جانب سے براءۃ کے بعد اگر مشتری اس کو قبول کر لیتا ہے تو بعد میں حق رَد حاصل نہیں ہوگا۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ ابراء میں مالک بنانے کے معنیٰ پائے جاتے ہیں اور عیوب حقوق مجہول میں سے ہے اور مجہول ہیں؛ اس لیے ان کی تملیک بھی درست نہیں ہے۔

ابراء میں تملیک کے معنیٰ اس طرح موجود ہیں کہ اگر مثلاً زید کا بکر پر قرض ہے اور زید نے اس قرض کو معاف کردیا؛ لیکن بکر نے اس معافی کو رَد کردیا تو اس کا ابراء کو رَد کرنا درست ہے۔

اگر ابراء میں تملیک کے معنیٰ ہوتے تو رَد صحیح نہیں ہوتا اور اس کا قرض معاف ہوجاتا تو معلوم ہوا کہ اس میں تملیک کا معنیٰ موجود ہے اور مجہول چیزوں کی تملیک درست نہیں ہے؛ اس لیے صورتِ مسئلہ میں ابراء عن العیوب بھی درست نہیں ہوگی۔

(ج) اس براءۃ میں عند العقد موجود عیب کے ساتھ بعد العقد قبل القبض ....:

براءۃ میں عند العقد موجود عیب کے ساتھ بعد العقد قبل القبض عیب کی براءۃ کے داخل ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہے۔

امام ابو یوسفؒ کے یہاں اس براءۃ میں بوقتِ عقد موجود اور بعد العقد قبل القبض پیش آنے والا دونوں طرح کے عیب داخل ہوں گے اور یہ براءۃ دونوں کو شامل ہوگی۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ابراء کا مقصد سلامتیٔ وصف کیجوا لے سے مشتری کے حق کا اسقاط ہے یعنی بائع براءت کی شرط لگا کر یہ امکان ختم کر دیتا ہے کہ مشتری مبیع میں سلامتیٔ وصف کے متعلق کسی بھی عیب کا دعویٰ کر کے اسے واپس کردے اور یہ مقصد

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

موجود اور حادث دونوں عیب سے براءت کی شرط لگا کر ہی حاصل ہوسکتا ہے "ان الغرض الزام العقد باسقاط حقه عن صفة السلامة و ذلک بالبراءة عن الموجود والحادث".

امام محمدؒ کے یہاں بائع کی شرط میں بوقتِ عقد موجود عیب سے تو براءت حاصل ہوگی لیکن بعد العقد قبل القبض رونما ہونے والے عیب سے براءۃ حاصل نہیں ہوگی۔

حضرات امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ براءۃ ثابت شدہ چیز ہی کو شامل ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ بوقتِ عقد موجود عیب ہی ثابت ہے لہٰذا براء بھی صرف اسی کو شامل ہوگی "لان البراءة تتناول الثابت". (احسن الہدایہ:۱۶۸/۸)

سوال نمبر (۶۵)، مختصر القدوری

إِذَا كَانَ أَحَدُ الْعِوَضَيْنِ أَوْ كِلَاهُمَا مُحَرَّمًا فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ كَالْبَيْعِ بِالْمَيْتَةِ أَوْ بِالدَّمِ أَوْ بِالْخَمْرِ أَوْ بِالْخِنْزِيرِ وَكَذٰلِكَ إِذَا كَانَ الْمَبِيْعُ غَيْرَ مَمْلُوْكٍ كَالْحُرِّ وَبَيْعُ أُمِّ الْوَلَدِ وَالْمُدَبَّرِ وَالْمُكَاتَبِ فَاسِدٌ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) بیع غیر صحیح کی کتنی قسمیں ہیں؟ ہر ایک کو مع تعریف ذکر کریں۔

(ج) ان میں سے بعض بیع باطل اور بعض فاسد ہیں تو سب پر فاسد کا اطلاق کس طرح درست ہے؟

(د) بیع الخمر والخنزیر بالدین باطل اور بالعین فاسد فرق کی وجہ تحریر کریں۔

(ھ) ام ولد کی تعریف کرتے ہوئے بتلائیے کہ مدبر کی کتنی قسمیں ہیں؟ اور ہر ایک کی تعریف ذکر کرنے کے بعد مکاتب کی تعریف تحریر کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(الف) ترجمة

جب ہوں عوضین میں سے ایک یا دونوں حرام چیزیں تو فاسد ہے جیسے بیع مردار کے بدلے یا خون کے بدلے یا شراب کے بدلے یا خنزیر کے بدلے۔ اور ایسے ہی جب مبیع مملوک نہ ہو جیسے آزاد ام ولد، مدبر، مکاتب کی بیع فاسد ہے۔

(ب) بیع غیر صحیح کی قسمیں اور ہر ایک کی تعریف:

بیع غیر صحیح کی چار قسمیں ہیں:

(۱) بیع باطل (۲) بیع فاسد (۳) بیع موقوف (۴) بیع مکروہ

بیع باطل: وہ ہے جو ذات اور وصف دونوں اعتبار سے مشروع نہ ہو یعنی اس بیع کا وجود ہی نہیں ہے جیسے کوئی آزاد کو بیچ دے تو آزاد مال نہیں ہے؛ اس لیے یہ بیع ہوگی ہی نہیں اس کا حکم یہ ہے کہ نہ بائع اس ثمن کا مالک ہوگا جو مشتری سے لیا ہے اور نہ مشتری مبیع کا مالک ہوگا؛ کیوں کہ یہ بیع سرے سے ہوئی ہی نہیں۔

بیع فاسد: فاسد فساد سے مشتق ہے خراب ہونا، بگڑ جانا، بیع فاسد وہ ہے جو ذات کے اعتبار سے مشروع ہو؛ لیکن وصف کے اعتبار سے مشروع نہ ہو جیسے: گھر فروخت کرے اور کہے کہ دو ماہ تک اس میں رہوں گا تو یہ بیع شرط فاسد لگانے کی وجہ سے فاسد ہوگی۔ اس کا حکم یہ ہے کہ حتّی الامکان اس بیع کو توڑ دینا چاہیے؛ لیکن بائع نے ثمن پر قبضہ کر لیا اور مشتری نے مبیع پر قبضہ کر لیا اور بیع کو بحال رکھا اور کوئی لڑائی جھگڑا نہیں ہوا تو کراہیت کے ساتھ اس بیع کو جائز قرار دیں گے اور مشتری مبیع کا مالک بن جائے گا اور بائع ثمن کا مالک ہو جائے گا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

نسبت: فاسد اور باطل میں عموم وخصوص من وجہٍ کی نسبت ہے یعنی فاسد کا اطلاق فاسد اور باطل دونوں پر ہوتا ہے اور باطل کا اطلاق صرف باطل پر ہوتا ہے ہر باطل فاسد ہے؛ لیکن ہر فاسد باطل نہیں ہے۔ (الجوہرۃ النیرۃ: ۲۴۴/۱)

بیع موقوف: وہ ہے جو ذات اور وصف دونوں اعتبار سے درست ہو؛ مگر اس کا نفاذ عاقدین کے علاوہ کسی تیسرے کی اجازت پر منحصر ہو جیسے کسی نے دوسرے کا غلام اس کی اجازت کے بغیر فروخت کر دیا اس کا حکم یہ ہے کہ اصل مالک کی اجازت پر موقوف رہے گی وہ اگر اجازت دے دے تو درست ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

بیع مکروہ: وہ ہے جو ذات اور وصف دونوں کے اعتبار سے درست مشروع ہو، مگر کسی دوسری چیز کے اتصال کی وجہ سے ممنوع ہو، جیسے: اذانِ جمعہ کے بعد خرید وفروخت کرنا۔

(ج) بعض بیع باطل اور بعض فاسد سب پر فاسد کا اطلاق کس طرح درست ہے؟

بیع فاسد بیع باطل کے مقابلہ میں کثیر الوقوع ہے اور متعدد الاسباب والی ہے؛ اس لیے بیع باطل پر بھی بیع فاسد کا اطلاق کر دیا "لقب الباب بالفاسد وان کان مشتملًا علیه وعلی الباطل لکثرة وقوعه بتعدد اسبابه". (البنایہ: ۱۳۹/۸)

(د) بیع الخمر و الخنزیر إلخ اور بالعین فاسد فرق کی وجہ:

بیع الخمر والخنزیر بالدین: کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب خمر اور خنزیر دونوں مبیع ہوں تو اس وقت بیع کو جائز کرنے میں ان کا اعزاز واکرام لازم آئے گا حالانکہ شریعت میں ان چیزوں سے اجتناب برتنے کا حکم دیا گیا ہے ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ﴾ اور جب یہ مبیع ہوگی تو عقد میں مقصود مبیع ہی ہوا کرتی ہے تو اس طرح سے ان کا اعزاز ہوگا اور ان کے اعزاز سے شریعت نے منع کیا ہے لہٰذا مسلمان کے حق میں ان کا متقوم ہونا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ساقط ہوجائے گا اور غیر متقوم کی مبیع باطل ہوتی ہے۔

"بیع الخمر والخنزیر بالعین" فاسد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب خمر اور خنزیر کے مقابلے میں کپڑے کا تھان ثمن ہوگا تو یہ بیع مقایضہ ہوگی یعنی بیع العرض بالعرض اور بیع مقایضہ میں ہر ایک کو مبیع بھی بنا سکتے ہیں اور ثمن بھی تو اس صورت میں خمر کو ثمن قرار دیں گے اور خمر کے ذریعہ مسلمان کو لین دین کرنا ممنوع ہے۔

اس لیے یہ بیع فاسد ہوگی اور خمر کے بجائے اس کی قیمت واجب ہوگی۔

(ھ) ام ولد کی تعریف، مدبر کی قسمیں، ہر ایک کی تعریف اور مکاتب کی تعریف:

اُمِّ ولد کی تعریف: وہ باندی ہے جس کے ساتھ اس کے آقا نے صحبت کی ہو اور اس کے نتیجہ میں اس نے بچہ جنا ہو یہ باندی آقا کے انتقال کے بعد فوراً آزاد ہوجائے گی۔

مدبر کی دو قسمیں ہیں: (۱) مدبر مطلق (۲) مدبر مقید

مدبر مطلق کی تعریف: مدبر مطلق وہ ہے کہ آقا نے یہ کہہ دیا ہو کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے۔

مدبر مقید کی تعریف: وہ ہے کہ آقا نے اس کی آزادی کسی مخصوص موت پر معلق کردی ہو، مثلاً یہ کہہ دیا کہ اگر میں اس بیماری میں مرگیا جس میں مبتلا ہوں تو تُو آزاد ہے۔

مکاتب کی تعریف: وہ ہے کہ آقا نے اس سے یہ کہہ دیا ہو کہ تم ایک ہزار روپیہ ادا کردو تو تم آزاد ہو۔

سوال نمبر (٦٦)، مختصر القدوری

وَلَايَجُوزُ بَيْعُ السَّمَكِ فِي الْمَاءِ قَبْلَ اَنْ يَصْطَادَهُ وَلَابَيْعُ الطَّائِرِ فِي الْهَوَاءِ وَلَايَجُوزُ بَيْعُ الْحَمْلِ فِي الْبَطْنِ وَلَاالنِّتَاجِ وَلَاالصُّوفِ عَلٰى ظَهْرِ الْغَنَمِ وَلَابَيْعُ اللَّبَنِ فِي الضَّرْعِ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) مطلب تحریر کریں۔

(ج) شکار کرنے سے پہلے مچھلی کی خرید وفروخت کرنا ناجائز ہے اس کی وجہ تحریر کریں۔ پرندے کی بیع ہوا میں، حمل کی بیع، حمل کے حمل کی بیع اور بکری کی پشت اون کی بیع ان تمام بیوع کے عدمِ جواز کی وجہ تحریر کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور نہیں جائز ہے مچھلی کی بیع پانی میں اس کو شکار کرنے سے پہلے، اور نہ پرندے کی بیع فضاء میں۔ اور جائز نہیں ہے حمل کی بیع پیٹ میں اور نہ حمل کے حمل کی بیع اور نہیں جائز ہے اون کا بیچنا بکری کی پیٹھ پر اور نہیں جائز ہے دودھ کی بیع تھن میں۔

(ب) مطلب:

مبیع اگر مال تو ہے مگر اپنے قبضہ میں نہیں ہے کہ فوراً مشتری کے حوالے کر سکے تو اس کی بیع جائز نہیں ہے، اب صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ مچھلی پانی میں ہے ابھی اس کا شکار نہیں کیا ہے اسی طرح پرندہ ہوا میں ہے اس کا شکار نہیں کیا ہے یا وہ قبضہ میں نہیں ہے تو اس کی بیع کرنا فاسد ہے؛ کیونکہ اس کو حوالے کرنا مشکل ہے مگر چونکہ مچھلی اور پرندہ مال ہے اس لیے بیع فاسد ہوگی؛ لیکن اگر ان پر قبضہ کر کے بعد میں مشتری کے حوالے کر دیا اور کوئی جھگڑا نہیں ہوا اور خریدار نے قبول کر لیا تو بیع جائز ہو جائے گی۔

ابھی حمل پیٹ میں ہو اور اس کی بیع کرے تو جائز نہیں ہے مثلاً بائع کہے کہ اس بھینس کے پیٹ میں جو بچہ ہے میں نے پانچ سو روپیہ میں بیچ دیا مشتری نے قبول کر لیا تو

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

یہ بیع باطل ہے اسی طرح حمل میں جو بچہ ہے اس بچہ کی بیع کرے تو جائز نہیں ہے مثلاً خریدار کہے کہ اس اونٹنی کے پیٹ میں اگر مادہ بچہ ہو اور وہ بڑا ہوکر بچہ جنے وہ میں نے خرید لیا بائع نے اس کو منظور کرلیا یہ بیع بھی باطل ہے۔

دلیل: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ حَبْلِ الْحَبْلَةِ وَكَانَ بَيْعًا يَبْتَاعُهُ الْجَاهِلِيَّةُ. (بخاری:۱/۲۸۷، باب بیع الغرر و حبل الحبلۃ)

آپ نے حمل کے بچہ کی بیع سے منع کیا جاہلیت کے لوگ ایسی بیع کیا کرتے تھے، لوگ اس طرح بیع کرتے تھے کہ اس اونٹنی کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ جب بچہ جنے اسکی بیع کرتا ہوں۔

اس حدیث میں حمل اور حمل کے بچہ کو بیچنا ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

بکری اور بھیڑ کی پیٹھ پر اون کا فروخت کرنا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ کاٹنے کی جگہ متعین نہیں ہے، اس میں جھگڑا ہوسکتا ہے؛ اس لیے جائز نہیں ہے؛ نیز حدیث میں بھی ممانعت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی ایک طویل روایت ہے جسے علامہ بدرالدین عینیؒ نے شرح ہدایہ میں دار قطنی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اس کے اندر ہے: وَلَا يُبَاعُ صُوْفٌ عَلٰى ظَهْرٍ. (عینی:۳/۸۵) اور نہ بیچا جائے اون کو پیٹھ پر۔

تھن کے دودھ کا فروخت کرنا ناجائز ہے؛ کیونکہ اس میں دھوکہ ہے اور دھوکہ اس وجہ سے ہے کہ ہوسکتا ہے کہ تھن ہوا کی وجہ سے پھولا ہوا ہو مشتری اس کو دودھ خیال کرے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ دوہنے کی کیفیت میں جھگڑا ہوگا؛ کیونکہ خریدار چاہے گا کہ ایک ایک قطرہ نچوڑ لوں اور بائع چاہے گا کہ تھنوں میں کچھ دودھ باقی رہنا چاہیے۔

(ج) شکار کرنے سے پہلے مچھلی کی خرید و فروخت کرنا ناجائز ہے اس کی وجہ: شکار کرنے سے قبل تالاب میں مچھلی کسی کی ملکیت میں نہیں ہوتی ہے اور بیع کے جواز کے لیے بائع کی ملکیت میں ہونا ضروری ہے اور شکار سے قبل بیع غیر مملوک کی بیع

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہے اور غیر مملوک کی بیع درست نہیں ہے "لِأنَّهُ بَاعَ مَالَايَمْلِكُهُ" پرندے کی بیع ہوا میں کرنا اس لیے درست نہیں ہے؛ کیونکہ پکڑنے سے قبل پرندہ غیر مملوک ہے اور اگر اپنے ہاتھ سے اس کو اُڑایا ہے تو یہ غیر مقدور التسلیم ہے ان دونوں صورتوں میں بیع درست نہیں ہے "لایجوز بیع الطیر في الهواء لأنّهٗ غیر مملوک قبل الاخذ".

"لایجوز بیع الطیر فی الهواء إذا ارسله من یده لانه غیر مقدور التسلیم" حمل اور حمل کے حمل کی بیع درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ اس میں غرر ہے اور ہر وہ بیع جس میں غرر ہو درست نہیں ہے اور حدیث میں اس طرح کی بیع کی ممانعت آئی ہے "لایجوز بیع الحبل وحبل الحبالة لان فیه غرر ولذا نهی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الحبل وحبل الحبالة".

بکری کی پیٹھ پر اون کی بیع درست نہیں ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ حیوان کے تابع ہے اور متبوع کے بغیر تابع کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، اس کی وجہ سے اس کی بیع درست نہیں ہے۔

ایک وجہ اس کے عدمِ جواز کی یہ ہے کہ اس میں مبیع کا غیر مبیع سے اختلاط لازم آتا ہے اور اس طرح کا اختلاط مفسد عقد ہوتا ہے "ولایجوز بیع الصرف علی ظهر الغنم لأنه من اوصاف الحیوان ولأنه ینبت من اسفل فیختلط البیع بغیره".

سوال نمبر (۶۷)، مختصر القدوری

وَلَابَيْعُ الْمَزَابَنَةِ وَهُوَبَيْعُ الثَّمَرِعَلَى النَّخْلِ بِخَرْصِهِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) مطلب تحریر کریں۔

(ج) مزابنہ اور محاقلہ کی کیا صورت ہے؟ تحریر کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(د) امام شافعیؒ کے نزدیک عرایا اور مزابنہ کے درمیان کیا فرق ہے؟

(ھ) ائمہ کرام کا اختلاف ذکر کریں اور راجح کو ترجیح دیں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور نہیں جائز ہے بیع مزابنہ اور وہ بیچنا ہے درخت پر لگی ہوئی کھجور کو ٹوٹی ہوئی کھجور کے عوض اندازہ کر کے۔

(ب) مطلب:

مزابنہ زبن سے باب مفاعلۃ ہے اس کے لغوی معنیٰ دھکا دینا، ہٹانا ہے محاقلہ حقل سے باب مفاعلۃ ہے اس کے معنیٰ ہری بھری کھیتی ہے، محاقلہ کسی کو پکنے سے پہلے کھڑی کھیتی ہم جنس غلّہ کے عوض فروخت کرنا۔ (تحفۃ الالمعی: ۱/۱۲۷)

(ج) مزابنہ اور محاقلہ کی کیا صورت ہے؟

مزابنہ درخت پر لگے ہوئے پھلوں کو مثلاً کھجوروں کو ہم جنس پھلوں کے عوض فروخت کرنا اس کی صورت یہ ہے کہ کسی کے پاس چھوہارے ہیں اور اس کو کھجوروں کی ضرورت ہے اور نقد رقم نہیں ہے اب یہ کھجور کے باغ والے سے کہتا ہے کہ ان چھوہاروں کے عوض مجھ کو کسی درخت کی کھجوریں دے دے اور یہ سب کا سب اندازے سے ہے یہ مزابنہ کی صورت ہے۔

محاقلہ کھڑی کھیتی کو مثلاً اناج کو ہم جنس غلہ کے عوض فروخت کرنا اس کی ورت یہ ہے کہ ایک شخص کی کھیتی پکنے میں ابھی دیر ہے اور اس کے یہاں کوئی تقریب ہے اس کو گندم کی ضرورت ہے اور اس کے رشتہ دار پڑوسی یا دوست کی کھیتی پک کر کٹ چکی ہے اور اس کا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دوست اس سے کہتا ہے کہ میرے کھیت کا اندازہ کر کے اس کے بقدر گندم مجھے دے دو جب میری کھیتی پک جائے تو اس کو آپ لے لینا یہ محاقلہ کی صورت ہے۔ (تحفۃ الالمعی:۴/۱۲۷)

(د) امام شافعیؒ کے نزدیک عرایا اور مزابنہ کے درمیان فرق:

امام شافعیؒ کے نزدیک مزابنہ اور عرایا میں فرق یہ ہے کہ مزابنہ صرف پانچ وسق سے کم میں درست ہے اور پانچ وسق میں جائز نہیں ہے، حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کی وجہ سے ہے اور عرایا میں بھی پانچ وسق سے کم میں اندازہ سے درست ہے؛ لیکن حدیث میں اجازت ہے۔ اصل فرق حدیث کی ممانعت اور حدیث کی اجازت ہے؛ کیونکہ مزابنہ میں ممانعت ہے اور عرایا میں اجازت ہے۔ (تحفۃ الالمعی:۴/۲۲۷)

(ھ) ائمہ کرام کا اختلاف اور وجہِ ترجیح:

امام شافعیؒ کا مذہب:

امام شافعیؒ پانچ وسق سے کم میں بیع مزابنہ کرنے کو عرایا کہتے ہیں جو کہ جائز ہے اور اگر پانچ وسق یا اس سے زیادہ ہو تو وہ مزابنہ ہے اور حرام ہے لہٰذا ان کے نزدیک اگر کوئی شخص درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو پانچ وسق سے کم کھجوروں کے عوض فروخت کرتا ہے تو یہ جائز ہے یہ بیع عرایا ہے گویا ان کے نزدیک عرایا اور مزابنہ میں فرق صرف یہ ہے کہ مزابنہ پانچ وسق سے زیادہ میں ہوتی ہے اور عرایا پانچ وسق سے کم میں ہوتی ہے اور عرایا پانچ وسق سے کم میں ہوتی ہے۔

دلیل: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا فِي خَمْسَةِ أَوْسُقٍ، أَوْ دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ؟ قَالَ نَعَمْ. (بخاری شریف:۲۹۲، باب بیع الثمر علی رؤس النخل)

آپ نے عرایا کی بیع میں رخصت دی پانچ وسق یا اس سے کم میں فرمایا ہاں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حنفیہ کا مذہب اور تفسیر:

امام ابوحنیفہؒ نے بیع العرایا کی جو تفسیر بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ بعض اوقات باغ کا مالک اپنے باغ کے ایک درخت کا پھل کسی فقیر اور محتاج کو ہبہ کو دیتا تھا، لیکن کھجور پکنے تک وہ صبر نہیں کر پاتا تھا، اس لئے مالک اس فقیر سے کہتا کہ تم اس درخت کا پھل مجھ کو فروخت کر دو اور اس کے عوض مجھ سے ٹوٹی ہوئی کھجوریں لے لو؛ چناں چہ وہ فقیر ٹوٹی ہوئی کھجور لے کر چلا جاتا یہ صورت میں بیع ہے لیکن حقیقت میں پہلے والا ہدیہ ہی ٹوٹی ہوئی کھجور کی صورت میں دینا ہے تقریباً یہی تفسیر امام بخاری نے بھی بیان کی ہے۔ (بخاری شریف:۲۹۲)

حنفیہ کی وجوہ ترجیح:

عرایا کے بارے میں امام صاحب نے جو تشریح بیان کی وہ لغۃً اور درایۃً ہر اعتبار سے راجح ہے لغۃً اس لئے کہ عرایا جمع ہے عریۃ کی اور عریۃ کے معنی ہیں عطیہ اور یہ بات لغت میں مشہور ہے کہ درخت پر لگی ہوئی کھجور کو ہدیہ کر دینا عریہ کہلاتا ہے جب کہ شوافع نے جو تفسیر بیان کی ہے اس میں عطیہ کا کوئی پہلو موجود نہیں ہے۔

درایۃً اس لئے راجح ہے کہ مزابنہ حقیقت میں سود کا ایک حصہ ہے اور سود کے اندر قلیل وکثیر کا کوئی فرق نہیں ہوتا کہ قلیل میں جائز ہو اور کثیر میں ناجائز ہو اور حنفیہ کی تفسیر لینے کی صورت میں قلیل میں بھی سود کا احتمال باقی نہیں رہتا اس لئے حنفیہ کا مذہب راجح ہے۔

سوال نمبر (۶۸)، مختصر القدوری

وَلَايَجُوزُ الْبَيْعُ بِإِلْقَاءِ الْحَجَرِ وَالْمُلَامَسَةِ وَلَايَجُوزُ بَيْعُ ثَوْبٍ مِنْ ثَوْبَيْنِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب) القاءِ حجر ملامسہ اور منابذہ کی صورت تحریر کریں۔

(ج) عدمِ جواز سے مراد یہاں بیع فاسد ہے یا بیع باطل؟

(د) ملامسہ، منابذہ اور القاءِ حجر کے عدمِ جواز کی وجہ تحریر کریں۔

(ھ) دو کپڑوں میں سے ایک کپڑے کی بیع کے عدمِ جواز کی وجہ ذکر کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور نہیں جائز ہے بیع پتھر پھینکنے کے ساتھ اور چھونے کے ساتھ اور جائز نہیں ہے دو کپڑوں میں سے ایک کپڑے کی بیع۔

(ب) القاءِ حجر ملامسہ اور منابذہ کی صورت:

القاءِ حجر کی صورت: یہ ہوتی تھی کہ عاقدین کے لین دین کا معاملہ طے کرنے کے بعد مشتری ایک کنکری پھینکتا تھا اب وہ کنکری جس سامان پہ بھی جا کر لگتی تھی وہ سامان عقد میں متعین ہو جاتا تھا اور اسی پر معاملہ ختم ہو جاتا تھا اور کوئی اختیار نہیں ہوتا تھا۔

ملامسہ کی صورت: یہ ہوتی تھی کہ دو آدمی خرید و فروخت کے سلسلے میں گفتگو کرتے تھے اور جب ان کا آپس میں لین دین طے ہو جاتا تو مشتری وہاں رکھے ہوئے سامان کو چھو دیتا اور بیع پوری ہو جاتی تھی اور کسی کو کوئی اختیار نہیں ہوتا تھا۔

منابذہ کی صورت: یہ تھی کہ عاقدین کے بھاؤ تاؤ کر لینے کے بعد بائع مشتری کی جانب ایک سامان پھینک دیتا تھا مشتری پر اس سامان کا لینا ضروری ہوتا تھا اور اسے کسی بھی طرح کا اختیار نہیں ملتا تھا۔

(ج) عدمِ جواز سے مراد یہاں بیع فاسد ہے یا بیع باطل؟

القاءِ حجر ملامسہ: منابذہ میں عدمِ جواز سے مراد بیع باطل ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(د) ملامسہ، منابذہ اور القاء حجر کے عدمِ جواز کی وجہ:

القاء حجر ملامسہ: منابذہ میں عدمِ جواز کی دو وجہ ہیں:

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملامسہ اور منابذہ سے صاف طور پر منع فرمادیا ہے اور چونکہ القاء حجر میں بھی یہی صورت ہوتی ہے اس لیے وہ بھی ان دونوں کے تحت ہوکر ممنوع ہوگی۔ نهى النبي ﷺ عن بيع الملامسة والمنابذة. (مسلم شریف:۲/۲)

(۲) بیع میں تملیک مقصود ہوتی ہے یعنی مشتری مبیع کا اور بائع ثمن کا مالک ہوجاتا ہے اور ان صورتوں میں چونکہ تملیک امر موہوم اور امر متردد پر مبنی ہوتی ہے اور امر موہوم پر تملیکات کو معلق کرنا باطل ہے؛ کیوں کہ اس میں جوئے اور قمار کے معنیٰ پائے جاتے ہیں اور شریعت نے قمار کو حرام قرار دیا ہے اور اس طرح سے عقد بیع کا معاملہ کرنا بھی حرام اور باطل ہے "لان فيه تعليقًا بالخطر".

(ھ) دو کپڑوں میں سے ایک کپڑے کی بیع کے عدمِ جواز کی وجہ:

مختلف نوع کے دو کپڑوں میں سے کسی ایک غیر معین کپڑے کو فروخت کرنا درست نہیں ہے اور اس کے عدمِ جواز کی وجہ مبیع کا مجہول ہونا ہے اور کپڑوں کی مالیت اور ان کی کوالٹی میں اختلاف فاحش کی وجہ سے مفضی الی النزاع ہے اور جو جہالت مفضی الی النزاع کا باعث ہو وہ عقد کو فاسد کردیتی ہے۔ "لجهالة المبيع جهالة تفضى الى المنازعة لتفاوت الاثواب وكل جهالة تفضى الى المنازعة تفسد العقد".

سوال نمبر (۶۹)، مختصر القدوری

وَمَنْ بَاعَ عَبْدًا عَلٰى اَنْ يُعْتِقَهُ الْمُشْتَرِي اَوْيُدَبِّرَهُ اَوْيُكَاتِبَهُ اَوْبَاعَ اَمَةً عَلٰى اَنْ يَسْتَوْلِدَهَا فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عبارت کا مطلب تحریر کریں۔

(ج) کس طرح کی شرط کو یقتضیه العقد کہا جائے گا؟

(د) مذکورہ بالا عبارت میں دی گئی شرائط کس طرح مقتضائے عقد کے خلاف ہیں؟ ان کا مقتضائے عقد کیا ہے؟ واضح کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

کسی نے غلام بیچا اس شرط پر کہ آزاد کرے گا اس کو مشتری یا اس کو مدبر بنائے گا یا اس کو مکاتب بنائے گا یا بیچی باندی اس شرط پر کہ اس کو اُمِّ ولد بنائے گا تو بیع فاسد ہے۔

(ب) عبارت کا مطلب:

متن میں ذکر کردہ تمام مسائل اس قاعدہ پر متفرع ہیں کہ بیع کے ساتھ ایسی شرط لگائی جو بیع کے موافق نہیں ہے اور جو اس میں خود مبیع کا فائدہ ہو اور مبیع غلام یا باندی ہو جو قاضی تک جا کر مقدمہ دائر کر سکتا ہو تو وہ بیع فاسد ہوگی اس قاعدہ کے بعد اب متن پر نظر ڈالیے کہ غلام کو آزاد کرنے، اس کو مدبر بنانے اور مکاتب بنانے میں خود مبیع کا فائدہ ہے اور مبیع انسان ہے؛ اس لیے جھگڑا بھی کر سکتا ہے، لہٰذا بیع فاسد ہوگی۔

(ج) کس طرح کی شرط کو یقتضیه العقد کہا جائے گا؟

مقتضائے عقد وہ شرائط ہیں جو صرف عقد کی وجہ سے ہی واجب ہو جاتی ہوں ان کو ذکر کرنے یا ان کی شرط لگانے کی ضرورت نہ ہو جیسے اِس بات کی شرط لگانا کہ مبیع اور ثمن کے سپرد

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کرنے کی شرط لگانا یا مبیع کو روکنے کی شرط لگانا تا کہ ثمن پورا ادا کر دیا جائے یا اس طرح کی شرط لگانا جو عقد کے خلاف تو نہ ہو؛ لیکن عقد میں جو چیز واجب ہو جاتی ہے اس میں تاکید پیدا کر دے۔

کل شرط لایقتضیہ العقد وھو یجب بالعقد من غیر شرط کشرط تسلیم الثمن او المبیع او شرط حبس المبیع لاستیفاء الثمن او کل شرط یوکد موجبہ کالبیع بشرط ان یعطی المشتری بالثمنِ رھنا او کفیلًا. (البنایہ:۸/۱۸۰)

(د) عبارت میں دی گئی شرائط کس طرح مقتضائے عقد کے خلاف ہیں؟ ان کا مقتضائے عقد کیا ہے؟

مذکورہ بالا عبارت میں جو شرائط مقتضائے عقد کے خلاف ہیں وہ اس طرح ہیں؛ کیونکہ عقد مساوات کا مقتضی ہے اور مساوات کا تقاضا یہ ہے کہ کسی کا کوئی زائد فائدہ نہ ہو اور فائدہ ایسا ہو جو خالی عن العوض ہو تو یہ اس طرح کا زائد فائدہ ربا کا احتمال پیدا کر دیتا ہے اور اگر متعاقدین میں سے کسی کا فائدہ نہیں ہے؛ لیکن معقود علیہ کا فائدہ ہے اور معقود علیہ کے فائدہ کی صورت میں مشتری کو ضرر ہوتا ہے اور قاعدہ موجود ہے "لاضرر ولاضرار" جو کہ عقد کے خلاف ہے۔

مقتضائے عقد یہ ہے کہ کسی کا کوئی فائدہ نہ ہو؛ بلکہ مساوات اور برابری ہو اور معقود علیہ کی صورت میں عقد کا تقاضا یہ ہے کہ مشتری کو ضرر نہ ہو؛ بلکہ بغیر ضرر کے عقد منعقد ہو جائے۔

سوال نمبر (۷۰)، مختصر القدوری

وَلَایَجُوْمُ الْبَیْعُ إِلَی الْحَصَادِ وَالدِّیَاسِ وَالْقِطَافِ وَقُدُوْمِ الْحَاجِّ فَإِنْ تَرَاضِیَا بِإِسْقَاطِ الْاَجَلِ قَبْلَ اَنْ یَاْخُذَ النَّاسُ فِي الْحَصَادِ وَالدِّیَاسِ وَقَبْلَ قُدُوْمِ الْحَاجِّ جَازَ الْبَیْعُ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) صورتِ مسئلہ واضح کریں۔

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل ذکر کریں۔

(د) تراضیا، یہ قید اتفاقی ہے یا احترازی؟

جواب

(الف) ترجمة

اور نہیں جائز ہے بیع کھیتی کٹنے تک اور گاہنے تک اور پھل توڑنے تک اور حاجیوں کے آنے تک پھر اگر راضی ہوگئے متعاقدین ان مدتوں کے ساقط کرنے پر قبل اس کے کہ لوگ کھیتی کاٹیں یا گاہیں اور حاجیوں کے آنے سے پہلے تو جائز ہو جائے گی بیع۔

(ب) صورتِ مسئلہ کی وضاحت:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے یوں کہا کہ میں نے یہ چیز پچاس روپیہ میں خریدی اس شرط پر کہ ثمن کھیتی کٹنے کے دن دوں گا یا گیہوں گاہنے کے دن دوں گا یا پھل توڑنے کے دن دوں گا یا حاجیوں کے آنے کے دن دوں گا تو یہ دن متعین نہیں ہیں، پہلے بھی ہو سکتے ہیں اور بعد میں بھی کس دن کھیتی وغیرہ کاٹے معلوم نہیں ہے؛ اس لیے مدت مجہول ہونے کی وجہ سے یہ بیع فاسد ہے اگر یہ دن متعین ہو جائے تو جائز ہو جائے گی۔ ہاں! اگر یہ دن آنے سے پہلے ان مدتوں کو ختم کر دے تو بیع میں فساد شامل ہونے سے پہلے ساقط ہو گیا اس لیے بیع جائز ہو جائے گی؛ چونکہ ان شرطوں میں مدت مجہول تو ہے؛ لیکن کم مجہول ہے؛ اس لیے اگر وقت سے پہلے جہالت ساقط کر دے تو بیع جاء ہو جائے گی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل:

احناف کے نزدیک میعاد مقرر کرنے کے بعد میعاد سے پہلے پہلے معاملہ کو صاف کرلیا یا میعاد کو ختم کر دیا تو اس صورت میں بیع جائز ہے۔

دلیل: احناف کی دلیل کسی وقت کو میعاد بنا کر بیع کرنے سے اگرچہ ابتداءً بیع فاسد ہو جاتی ہے، مگر فساد نزاع کی وجہ سے رونما ہوتا ہے اگر میعاد مکمل ہونے سے پہلے پہلے اسے ساقط کر دیا جائے تو فساد کے متحکم نہ ہونے کی وجہ سے نزاع بھی ختم ہو جائے گا اور نزاع ہی وجہِ فساد ہے لہٰذا جب نزاع ختم ہو جائے گا تو فساد بھی دُور ہو جائے گا اور عقد صحت اور جواز کی طرف عود کر آئے گا"إذا زال المانع عاد الممنوع ان النفساد للمنازعة ارتفع قبل تقريره".

امام زفرؒ کے نزدیک اس صورت میں بیع درست نہیں ہوگی۔

دلیل: امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب ابتداءً بیع فاسد ہو کر واقع ہوئی تھی تو بعد میں وہ جواز میں تبدیل نہیں ہوگی۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ آپ کیسے اس بیع کو جائز کہتے ہیں جبکہ اگر کوئی شخص مدت پر نکاح کرنے کے بعد مدت کو ساقط کر دے تو آپ نکاح کو متعہ کا نام دے کر اسے غیر درست اور ناجائز مانتے ہیں مذکورہ مسئلہ بھی تو اسی نوعیت کا ہے۔"لأنه وقع فاسدا فلاينقلب جائز او صار كاسقاط الأجل في النكاح إلى الأجل".

(د) تراضیا، یہ قید اتفاقی ہے یا احترازی؟

"تراضیا" یعنی عاقدین کی رضامندی کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں ہے؛ اس لیے کہ وہ اپنے معاملہ میں منفرد ہیں۔"تراضيا على سبيل الاتفاق لان من له الأجل ليستبد أي يستقل". (البنایہ:۸/۱۹۳)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال نمبر (۱۷)، مختصر القدوری

وَإِذَاقَبَضَ الْمُشْتَرِيْ الْمَبِيْعَ فِي الْبَيْعِ الْفَاسِدِ بِأَمْرِ الْبَائِعِ وَفِي الْعَقْدِ عِوَضَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مَالٌ مَلَكَ الْمَبِيْعَ وَلَزِمَتْهُ قِيْمَتُهُ وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنَ الْمُتَعَاقِدَيْنِ فَسْخُهُ فَإِنْ بَاعَهُ الْمُشْتَرِيْ نَفَذَ بَيْعُهُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) مطلب تحریر کریں۔

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل ذکر کریں۔

(د) مال کی قید اتفاقی ہے یا احترازی؟

(ھ) حکم کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کریں۔

جواب

(الف) ترجمہ

اور جب قبضہ کرلیا مشتری نے مبیع پر بیع فاسد میں بائع کے حکم سے درانحالیکہ عقد کے دونوں عوضوں میں سے ہرایک مال ہے تو وہ مبیع کا مالک ہوجائیگا، اور لازم ہوگی، اس کو قیمت اور بائع اور مشتری میں سے ہرایک کے لئے جائز ہے کہ بیع کو توڑ دے چنانچہ اگر بیچ دے اس کو مشتری تو نافذ ہوجائے گی اس کی بیع۔

(ب) مطلب:

اس عبارت میں امام قدوریؒ بیع فاسد احکم بیان فرمارہے ہیں کہ اگر تین شرطیں پائی جایں تو بیع فاسد میں مشتری مبیع کا مالک بنتا ہے (۱) مشتری نے مبیع پر قبضہ کیا (۲) بائع کی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اجازت سے قبضہ کیا خواہ صراحۃً یا دلالۃً (۳) مبیع اور ثمن دونوں ہی مال ہوں یہ تینوں شرطیں پائی جائیں تو مشتری مبیع کا مالک بنتا ہے اور اس پر مبیع کی بازاری قیمت لازم ہوگی بہر حال ہمارے نزدیک بیع فاسد میں مبیع فاسد میں مبیع پر مشتری کا قبضہ مفید ملک ہے۔

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل:

ائمہ ثلاثہ کا مذہب

بیع فاسد میں مفید ملک نہیں ہے یعنی اگر مشتری نے بیع فاسد میں بائع کی اجازت سے بھی قبضہ کیا ہو تب بھی مشتری مبیع کا مالک نہ ہوگا۔

دلیل: بیع فاسد کی تمام صورتوں کو بیع باطل کی صورتوں پر قیاس کر کے ائمہ ثلاثہ کا کہنا ہے کہ کسی نے کوئی چیز مردار کے عوض بیچی اور مشتری نے مبیع پر قبضہ کر لیا تو احناف کے نزدیک بھی مشتری کے لئے ملک ثابت نہیں ہوتی چنانچہ جس طرح اس صورت میں بیع کے غیر مشروع ہونے کی صورت میں بیع مفید ملک نہیں ہوتی اسی طرح بیع فاسد کی صورت میں بھی عدم مشروعیت کی وجہ سے بیع فاسد مفید ملک نہ ہوگی گویا کہ ان کے نزدیک بیع فاسد اور باطل کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ (عینی شرح ہدایہ: ۱۱۰/۳)

جواب: چونکہ مردار مال نہیں ہے؛ اس لیے مردار کے بدلے بیچنے کی صورت میں احد العوضین یعنی ثمن مال نہ ہوا لہٰذا بیع کا رکن یعنی مبادلۃ المال بالمال معدوم ہو گیا اور جب بیع کا رکن ہی ختم ہو گیا تو بیع منعقد ہی نہیں ہوئی ہے، تو وہ مفید ملک بھی نہ ہوگی نہ قبضہ سے پہلے نہ قبضہ کے بعد اس کے برخلاف بیع فاسد کہ وہ منعقد ہو جاتی ہے؛ لیکن شرط فاسد کی وجہ سے اس میں فساد پیدا ہو جاتا ہے؛ چنانچہ دونوں کے درمیان فرق ہے؛ اس لیے بیع فاسد کو بیع باطل پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا۔

حنفیہ کی دلیل: بیع فاسد کے اندر اصل عقد میں کوئی کمی نہیں ہے کیونکہ دونوں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جانب مال ہے اس لئے ملکیت ثابت ہو جائے گی یہاں خامی تو شرط میں ہے کہ کسی بیع میں بائع کا فائدہ ہے تو کسی میں مشتری کا، کسی بیع میں دھوکا ہے اور کہیں جھگڑا ہے انہیں چیزوں کی روک تھام کے لئے بیع فاسد کی گئی ہے لیکن اگر جھگڑا نہیں ہو اور مشتری نے قبضہ کر ہی لیا تو آخر بیع جائز قرار دے دی جائے گی۔

(د) مال کی قید اتفاقی ہے یا احترازی؟

اس عبارت میں "مال" کی قید احترازی ہے اور اس میں احتراز غیر مال سے ہے؛ کیونکہ اگر دونوں عوض مال ہو یا ایک عوض مال ہو اور ایک غیر مال ہو جیسے مردار کی بیع خون کی بیع تو اس صورت میں بیع باطل ہوگی اور یہاں بیع فاسد کے احکام کا بیان ہے۔ "قيد به لفائدة وهي أنه إذا كان احد العوضين او كلاهما غير مال فالبيع باطل". (البنایہ: ۸/۱۹۷)

(ھ) حکم کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

حکم کی لغوی تعریف: کسی چیز پر مرتب ہونے والا اثر حکم کہلاتا ہے۔ "هو الاثر الذي يترتب على شيء".

حکم کی اصطلاحی تعریف: خدا تعالیٰ کا وہ خطاب جو مکلّف بندے کے افعال سے متعلق ہوتا ہے حتمی طلب کے ساتھ ہو یا اختیاری طلب کے ساتھ ہو۔ "خطاب الله تعالى المتعلق يفعل المكلف اقتضاء أو تخييرا". (مسلم الثبوت: ۲۴)

سوال نمبر (۷۲)، مختصر القدوری

وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَ حُرٍّ وَعَبْدٍ اَوْشَاةٍ ذَكِيَّةٍ وَمَيْتَةٍ بَطَلَ الْبَيْعُ فِيْهِمَا وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَ عَبْدٍ وَ مُدَبَّرٍ اَوْبَيْنَ عَبْدِهٖ وَعَبْدِ غَيْرِهٖ صَحَّ الْبَيْعُ فِي الْعَبْدِ بِحِصَّتِهٖ مِنَ الثَّمَنِ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔
(ب) مطلب تحریر کریں۔
(ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل ذکر کریں۔
(د) امام صاحب کے دونوں مسئلوں میں فرق کرنے کی وجہ بھی بیان کریں۔
(ھ) صاحبینؒ نے جو مسئلہ نکاح پر قیاس کیا ہے اس کا جواب بھی ذکر کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور جس نے جمع کیا آزاد اور غلام کو یا ذبح کی ہوئی بکری اور مردہ بکری کو تو باطل ہوگی بیع دونوں میں اور جس نے جمع کیا غلام اور مدبر کو یا اپنے غلام اور غیر کے غلام کو تو صحیح ہوبی بیع غلام میں اس کے حصہ کی قیمت سے۔

(ب) مطلب:

آزاد مبیع ہی نہیں ہے اسی طرح مردہ بکری مبیع ہی نہیں ہے؛ اس لیے ان کی بیع ہی نہیں ہوئی اور عقد ایک ہے؛ اس لیے اس کا اثر دوسری مبیع یعنی غلام اور ذبح شدہ بکری پر بھی پڑے گا اور ان کی بیع بھی نہیں ہوگی۔ اس بارے میں ائمہ کا اتفاق ہے کہ آزاد آدمی اور اپنے غلام کو ملا کر فروخت کیا یا مذبوحہ بکری اور مردار بکری کو ملا کر فروخت کیا اور ثمن الگ الگ بیان نہیں کیا تو تمام میں بیع باطل ہوگی مگر اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ اگر ہر ایک کے ثمن کو الگ الگ بیان کر دیا جائے تو بیع ہو جائے گی یا نہیں؟

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل:

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں دونوں کی بیع باطل ہے خواہ دونوں کا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ثمن علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہو یا نہ کیا ہو، اسی کے قائل امام مالک ہیں یہی ایک قول امام شافعیؒ کا ہے۔ (عینی:۳/۱۰۸)

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ غلام کی قیمت الگ بیان کی ہو اور آزاد کی قیمت الگ بیان کی ہو ایسے ہی مذبوحہ بکری کی قیمت الگ بیان کی ہو اور مردار بکری کی قیمت الگ بیان کی ہو تو غلام اور مذبوحہ بکری کی بیع جائز ہو جائے گی چاہے دونوں ایک عقد میں بکے ہوں اور آزاد اور مردار بکری کی بیع باطل ہو جائے گی۔ امام شافعیؒ کا ایک قول بھی یہی ہے۔ (عینی:۳/۱۰۸)

دلیل: دونوں کی قیمت الگ الگ ہونے کی وجہ سے آزاد کی بیع نہیں ہوئی تو غلام کی قیمت میں جہالت نہیں رہی؛ اس لیے غلام کی بیع فاسد نہیں ہوگی، اسی طرح ذبح شدہ بکری کی قیمت الگ بیان کی گئی ہو تو مردہ بکری کی بیع نہیں ہوئی تب بھی ذبح شدہ بکری کی قیمت میں جہالت نہیں رہی؛ اس لیے ذبح شدہ بکری کی بیع ہو جائے گی۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اور صاحبینؒ کی دلیل کا جواب:

آزاد آدمی اور مردار جانور مال نہ ہونے کی وجہ سے بیع کے تحت قطعاً داخل نہیں ہیں؛ اس لیے یہ غیر مبیع ہو گئے اور جو غلام اور مذبوحہ بکری ان کے ساتھ ملا کر بیچے گئے ہیں وہ مبیع ہو گئے گویا کہ بائع نے مبیع یعنی غلام اور مذبوحہ بکری کے اندر بیع قبول کرنے کے لیے غیر مبیع یعنی آزاد آدمی اور مردار بکری کے اندر بیع قبول کرنے کی شرط لگائی ہے اور یہ شرط، شرط فاسد ہے اور شرط فاسد سے چونکہ بیع فاسد ہو جاتی ہے؛ اس لیے غلام کے اندر بھی بیع فاسد ہوگی۔ (عینی شرح ہدایہ:۳/۱۰۸)

(د) امام صاحب کے دونوں مسئلوں میں فرق کرنے کی وجہ:

امام صاحبؒ نے دونوں مسئلوں میں فرق اس لیے کیا ہے کہ کیونکہ پہلے مسئلہ میں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جب آزاد اور مردار کو غلام اور مذبوحہ کے ساتھ فروخت کرے گا تو اس صورت میں آزاد اور مردار محل بیع نہیں ہے؛ اس لیے اس میں عقد باطل ہوگا۔

اور دوسری صورت جبکہ غلام کو مدبر اور ام ولد کے ساتھ ملا کر فروخت کریں تو اس صورت میں ان تمام میں مالیت قائم ہوتی ہے؛ کیونکہ ان میں مالیت کا دار ومدار رقیت اور تقوم پر ہوتا ہے اور یہ دونوں باتیں ان میں موجود ہیں جب ان میں مالیت اور رقیت قائم ہے تو یہ بیع کا محل بھی ہوں گے اور عقد کے تحت بھی داخل ہوں گے لہٰذا اس صورت میں عقد درست ہوگا۔

(ھ) صاحبینؒ نے جو مسئلہ نکاح پر قیاس کیا ہے اس کا جواب:

جواز بیع کو جو نکاح پر قیاس کیا ہے یہ قیاس، قیاس مع الفارس ہے؛ اس لیے کہ بیع اور نکاح میں فرق ہے بیع شروطِ فاسدہ سے فاسد ہوجاتی ہے؛ لیکن نکاح شروطِ فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا؛ بلکہ خود شرطِ فاسد فاسد ہوجاتی ہے؛ اس لیے اس قدر فرق کے ہوتے ہوئے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ (احسن الہدایہ: ۲۳۳/۸)

سوال نمبر (۷۳)، مختصر القدوری

وَنَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّجْشِ وَعَنِ السَّوْمِ عَلٰى سَوْمِ غَيْرِهٖ وَعَنْ تَلَقِّي الْجَلَبِ وَعَنْ بَيْعِ الْحَاضِرِ لِلْبَادِيْ وَالْبَيْعُ عِنْدَ اَذَانِ الْجُمُعَةِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) ہر ایک جزء کی تشفی بخش تشریح کریں۔

(ج) نجش کے لغوی واصطلاحی معنی بیان کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(الف) ترجمۃ

اور روکا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجش کرنے سے اور (روکا) دوسرے کے بھاؤ پر بھاؤ کرنے سے۔ اور روکا آپ نے سوداگروں سے مل جانے سے اور (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) نے منع فرمایا شہر والوں کی بیع دیہاوالوں سے اور (منع کیا) جمعہ کی اذان کے وقت خرید وفروخت سے۔

(ب) ہر ایک جزء کی تشریح:

نجش کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے سے کوئی سامان خرید رہا ہے اب تیسرا شخص آ کر اس سامان کی زیادہ قیمت لگاتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ مجھے یہ چیز فروخت کردو، حالانکہ اس کا مقصد سامان کو خریدنا نہیں؛ بلکہ قیمت لگا کر خواہ مخواہ اس کی قیمت بڑھا رہا ہے تاکہ دوسرا آدمی مہنگا خریدے حدیث میں اس کی ممانعت ہے اور ایسا کرنا مکروہِ تحریمی ہے تاہم بیع ہو جائے گی؛ کیونکہ اصل عقد میں خامی نہیں ہے۔

ایک شخص دوسرے سے بیع کرنے کے لیے بھاؤ تاؤ کر رہا ہے اور بائع اس کو بیچنے پر تقریباً آمادہ ہو گیا ہے؛ لیکن دوسرا شخص بیچ میں آ کر یہ کہے کہ میں اس سے زیادہ پیسے لگاتا ہوں یہ چیز مجھے فروخت کردو تو یہ صورت جائز نہیں ہے ایسا کرنا مکروہِ تحریمی ہے۔

دلیل: حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں آخری ہے: وَلَا یَبِیْعُ الرَّجُلُ عَلٰی بَیْعِ اَخِیْہِ. (بخاری: ۲۸۷/۱) اور نہ آدمی بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ کرے۔

تلقی الجلب کا مطلب یہ ہے کہ کوئی تاجر باہر سے سامانِ تجارت فروخت کرنے کے لیے شہر کے اندر لا رہا ہے اور دوسرا آدمی اس کے شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس سے ملاقات کرے وہ سامانِ تجارت اس سے خرید لے تاکہ بعد میں وہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سامان شہر والوں کو مہنگی قیمت میں بیچے ایسا کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور اگر کسی نے ایسا کر ہی لیا تو حنفیہ کے نزدیک بیع منعقد ہو جائے گی اور مشتری اس چیز کا مالک ہو جائے گا؛ لیکن ایسا کرنا مکروہ ہوگا۔

ایک دیہاتی اپنے دیہات سے کوئی سامان فروخت کرنے کے لیے شہر آرہا ہے ایک شہری نے اس کو کہا کہ تم خود سامان بازار لے جا کر فروخت مت کرو؛ بلکہ یہ سامان مجھے دے دو اور مجھے اپنا وکیل بنا دو اور پھر جس وقت اس سامان کو فروخت کرنا تمہارے حق میں زیادہ مفید ہوگا اس وقت میں فروخت کر دوں گا اگر تم ابھی بازار میں فروخت کروگے تو زیادہ نفع نہ ہوگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے؛ کیونکہ اس سے شہر والوں کو نقصان ہوگا وہ محتاج ہیں اور ان کا زیادہ حق ہے۔

جمعہ کی اذان اوّل ہوگئی ہو اس وقت بیع کرنا مکروہ ہے۔

دلیل: اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ (آیت:۹، سورۃ الجمعہ)

(ج) نجش کے لغوی واصطلاحی معنیٰ:

نجش کے لغوی معنیٰ: چھپی ہوئی چیز کو کرید کر نکالنا۔

نجش کے اصطلاحی معنیٰ: مشتر کو دھوکہ دینے کے لیے خریدنے کی پیشکش کرنا۔

سوال نمبر (۷۴)، مختصر القدوری

وَمَنْ مَلَکَ مَمْلُوْکَیْنِ صَغِیْرَیْنِ اَحَدُھُمَا ذُوْرَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنَ الْآخَرِ لَمْ یُفَرِّقْ بَیْنَھُمَا وَکَذَالِکَ إِذَا کَانَ اَحَدُھُمَا کَبِیْرًا وَالْآخَرُ صَغِیْرًا فَإِنْ فَرَّقَ بَیْنَھُمَا کُرِہَ ذٰلِکَ وَجَازَ الْبَیْعُ وَإِنْ کَانَ کَبِیْرَیْنِ فَلَابَأْسَ بِالتَّفْرِیْقِ بَیْنَھُمَا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عبارت کی تشریح کریں۔

(ج) دو صغیر غلاموں کے درمیان عدمِ تفریق پر دلیل نقلی اور عقلی نقل کریں۔

(د) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل تحریر کریں۔

(ھ) عدمِ تفریق کی علّت ذکر کریں۔

جواب

(الف) ترجمۃ

اور جو مالک ہو دو چھوٹے غلاموں کا ان میں سے ایک ذو رحم محرم ہو دوسرے کا، تو ان دونوں میں جدائی نہ کی جائے اور ایسے ہی جب ہو ان میں سے ایک بڑا اور دوسرا چھوٹا اگر ان کے درمیان جدائی کی تو مکروہ ہے اور بیع جائز ہوگی اور اگر ہوں دونوں بڑے تو کوئی حرج نہیں ان کی جدائی میں۔

(ب) عبارت کی تشریح:

دونوں غلام چھوٹے ہوں یا ایک چھوٹا اور دوسرا بڑا، اور دونوں ذو رحم محرم ہوں تو ان کو بیچ کر یا ہبہ کر کے جدائی کرنا مکروہ ہے؛ کیونکہ چھوٹا دوسرے سے اُنسیت حاصل کرتا ہے مثلاً ماں اور بیٹا ہے تو ماں کو بیٹے سے اُنسیت ہوتی ہے اور پرورش کرتی ہے اب اگر جدا کر دیں تو دونوں پریشان ہوں گے اور پرورش میں بھی کمی آئے گی اس لیے جدا کرنا مکروہ ہے؛ لیکن دونوں ایک آقا کے مملوک ہیں؛ اس لیے بیچنا وغیرہ جائز ہوگا۔

اور اگر دونوں مملوک بالغ ہوں تو ان کے درمیان تفریق کرنے میں کوئی کراہت اور قباحت نہیں ہے۔

دلیل: اسکندریہ کے بادشاہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطورِ ہدیہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حضرت ماریہ اور سیرین دو باندیاں جو آپس میں بہنیں تھیں بھیجیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیرین حسان بن ثابت کو اور ماریہ کو اپنے پاس رکھا تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تفریق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

(ج) دو صغیر غلاموں کے درمیان عدمِ تفریق پر دلیل نقلی اور عقلی:

دلیلِ نقلی: یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ جس نے ماں اور اس کے بیٹے میں تفریق کردی تو قیامت کے دن خدائے تعالیٰ اس کے اور اس کے احباء کے درمیان تفریق کردیں گے۔ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من فرّق بین والدۃ وولدھا فرق اللّٰہ بینه وبین احبته یوم القیامة. (رواہ الترمذی)

دلیل عقلی: یہ ہے کہ فطری طور پر قریبی رشتے داروں میں چھوٹے بچے کو اپنے ہم عمر سے اُنسیت ہوتی ہے اسی طرح بڑے بھائی وغیرہ کو دیکھ کر چھوٹا بھائی مگن اور مست ہوجاتا ہے اور بڑا بھائی بھی اس پر پوری توجہ دیتا ہے اور اس کی ہر ضرورت کا پورا خیال رکھتا ہے؛ کیونکہ قربت کی وجہ سے اس کے دل میں اس لیے ایک طرح کی شفقت پیدا ہوتی ہے اگر تفریق کردی جائے تو اب اُنسیت اور الفت کا دروازہ بند ہوجائے گا اور بچے پر وحشت طاری ہوجائے گی اور اس کی پرورش بھی متأثر ہوگی؛ اس لیے عقلی اعتبار سے بھی تفریق منع ہے۔ "لان في التفریق زوال الأنس وزیادۃ ایحاش فیکرہ مالم یبلغ الغلام اوتحض الجاریة". (البنایہ:۸/۲۱۸)

(د) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل:

حضرات طرفینؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی نے ایسے بچوں کے درمیان تفریق کی تو ایسا کرنا مکروہ ہے؛ لیکن یہ عقد درست ہوگا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دلیل: حضرات طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ بیع اپنے اہل سے صادر ہوکر اپنے محل یعنی مالیت کی جانب منسوب ہے اور صحت بیع کی جملہ شرائط پر مشتمل ہے، اس کے جواز میں تو کوئی شبہ نہیں ہے اور فساد جو آیا ہے وہ صلبِ عقد سے زائد معنیٰ مجاور للعقد یعنی تفریق کی وجہ سے آیا ہے اور معنیٰ مجاور کے فساد سے عقد فاسد تو نہیں ہوتا؛ البتہ اس میں کراہت آجاتی ہے؛ اس لیے یہ عقد بھی مکروہ ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر تفریق قرابت اولاد میں ہے تو عقد جائز نہیں ہوگا، اس قولِ اوّل کی دلیل یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے: "من فرّق بین والدة وولدها" کے ذریعے قرابت ولادت کی تخصیص کردی گئی ہے لہٰذا اس کے علاوہ میں یہ حکم متعدی نہیں ہوگا اور قرابت ولادت میں عقد جائز نہیں ہوگا اور قرابت ولادت کے علاوہ کے علاوہ عقد جائز ہوگا، حضرت امام ابو یوسفؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ ایسا عقد مطلقاً جائز نہیں ہے۔

اس قولِ ثانی دلیل: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے جو أدرک أدرک فرمایا تھا وہ دو بھائیوں کی تفریق سے متعلق تھا اور قرابت ولادت میں نہیں تھا اور اس طرح کا تاکیدی اور وجوبی حکم صرف بیع فاسد میں ہوتا ہے؛ اس لیے یہ بیع بھی فاسد ہوگی۔

(ھ) عدمِ تفریق کی علّت:

عدمِ تفریق کی علت دو چیزیں ہیں:

(۱) قرابت (۲) محرومیت نکاح ان دونوں کا ایک ساتھ جمع ہونا شرط ہے جب یہ دونوں علتیں جمع ہوں گی تب تفریق ممنوع ہوگی۔ "بان یکون احدهما إذا رحم محرم من الآخر". (البنایہ: ۸/۲۱۹)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال نمبر (۷۵)، مختصر القدوری

اَلْإِقَالَةُ جَائِزَةٌ فِي الْبَيْعِ لِلْبَائِعِ وَالْمُشْتَرِيْ بِمِثْلِ الثَّمَنِ الْاَوَّلِ فَإِنْ شَرَطَ اَكْثَرَ مِنْهُ أَوْاَقَلَّ مِنْهُ فَالشَّرْطُ بَاطِلٌ وَيُرَدُّ بِمِثْلِ الثَّمَنِ الْاَوَّلِ وَهِيَ فَسْخٌ فِي حَقِّ الْمُتَعَاقِدَيْنِ بَيْعٌ جَدِيْدٌ فِي حَقِّ غَيْرِهِمَا فِيْ قَوْلِ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) اقالہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف بیان کریں۔

(ج) فَإِنْ شَرَطَ اَكْثَرَ مِنْهُ أَوْاَقَلَّ مِنْهُ فَالشَّرْطُ بَاطِلٌ وَيُرَدُّ بِمِثْلِ الثَّمَنِ الْاَوَّلِ مذکورہ عبارت کی تشریح کریں۔

(د) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اقالہ کی تفسیر میں جو اختلاف ہے اس کو سپرد قرطاس کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اقالہ جائز ہے بیع میں بائع اور مشتری کے لیے ثمن اوّل کے مثل سے پھر اگر شرط لگائی اس (پہلی قیمت) سے زیادہ کی یا اس سے کم کی تو شرط باطل ہے اور لوٹایا جائے گا ثمن اوّل کو ہی اور اقالہ فسخ ہے متعاقدین کے حق میں بیع جدید ہے ان دونوں کے علاوہ کے حق میں امام ابو حنیفہؒ کے قول میں۔

(ب) اقالہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

اقالہ کی لغوی تحقیق: اقالہ قول سے مشتق ہے اور اجوف واوی ہے معنیٰ ہوں گے بیع کو فسخ کرنا اور توڑنا۔ اقالہ باب افعال کا مصدر ہے معنیٰ ہیں بیع توڑنا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اصطلاحی تعریف: بائع کو مبیع بیچنے کے بعد شرمندگی ہو کہ میں نے یہ سامان غلط بیچ دیا، پھر مشتری سے کہے کہ میرا سامان مجھے واپس کردے اور ثمن واپس لے لے اور مشتری ایسا کردے یا مشتری خریدنے کے بعد نادم ہو جائے اور بائع سے کہے کہ مبیع واپس لے لے اور ثمن دے دے اور بائع ایسا کردے تو اس کو اقالہ کہتے ہیں ایسا کرنا جائز ہے بلکہ افضل ہے۔

(ج) فَإِنْ شَرَطَ اَكْثَرَ مِنْهُ إلخ مذکورہ عبارت کی تشریح:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر اقالہ میں ثمن اوّل سے زیادہ کی شرط کی یا کم کی شرط کی تو یہ شرط باطل ہے اور بائع پر ثمن اوّل واپس کرنا واجب ہے مثلاً چار سو روپے میں کوئی چیز بیچی گئی اور بائع نے ثمن پر اور مشتری نے مبیع پر قبضہ کرلیا تو اب اگر اقالہ کرنا ہو تو بائع پر چار سو روپے واپس کرنا واجب ہوگا چار سو سے زائد مثلاً مشتری پانچ سو روپئے مانگے یا بائع کہے کہ تین سو دوں گا تو یہ کمی زیادتی کی شرط باطل ہے؛ البتہ اس میں شرط لگانے سے اقالہ باطل نہ ہوگا؛ بلکہ ثمن اوّل ہی پر اقالہ ہوگا۔

(د) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اقالہ کی تفسیر میں جو اختلاف ہے:

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے یہاں اقالہ عاقدین کے حق میں فسخ بیع ہے اور تیسرے شخص کے حق میں بیع جدید ہے یہی وجہ ہے کہ ثمن اوّل سے کم یا زیادہ کی شرط لگانے سے اقالہ باطل نہیں ہوتا اگر اقالہ عاقدین کے حق میں بھی بیع ہوتا تو ظاہر ہے کہ شرط فاسد سے باطل ہوجاتا، مگر اس کا عدمِ بطلان اس بات کی دلیل ہے کہ اقالہ عاقدین کے حق میں فسخ ہے۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کا مسلک یہ ہے کہ اقالہ عاقدین کے حق میں بیع ہے؛ لیکن اگر بیع قرار دینا ممکن نہ ہو تو اسے فسخ بیع مانیں گے اور اگر وہ بھی ممکن نہ ہو تو تب جاکر اقالہ باطل ہوگا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اس لیے کہ جب عاقدین نے بیع کرنے کے بعد ثمن اوّل ہی پر اقالہ کیا ہے تو ظاہر ہے کہ جس طرح شروع میں یہ ان کے حق میں بیع تھی اسی طرح دوبارہ بھی ان کے حق میں یہ معاملہ بیع ہی ہوگا؛ لیکن اگر مشتری نے مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے ہیا قالہ کرلیا تو اب یہ اقالہ فسخ ہو جائے گا؛ کیونکہ اب یہ بیع نہیں ہوسکتا؛ اس لیے کہ بیع میں مبیع پر قبضہ ضروری ہوتا ہے اور قبضہ کا تحقق ہوا نہیں اور قبل القبض شی مشتراۃ کی بیع درست نہیں ہوتی لہٰذا اس صورت میں یہ اقالہ عاقدین کے حق میں فسخ بیع ہوگا اور اگر فسخ قرار دینا ممکن نہ ہو تو اقالہ باطل ہو جائے گا۔

حضرت امام محمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ اوّلاً تو اقالہ فسخ بیع ہے اگر فسخ بیع ممکن نہ ہو تو اس کو بیع قرار دیں گے اور اگر یہ صورت بھی ممکن نہ ہو تو اقالہ باطل ہو جائے گا۔

فسخ بیع ممکن نہ ہو بایں طور کہ باندی نے مشتری کے قبضے میں آنے کے بعد بچہ جن دیا تو ظاہر ہے کہ زیادتی منفصلہ کی وجہ سے فسخ بیع ممکن نہیں ہے؛ اس لیے اس کو بیع قرار دیں گے اور یوں کہیں گے کہ بائع نے باندی کو بچہ کے ساتھ ایک ہزار میں فروخت کیا ہے اور اگر باندی خرید کر قبل القبض خلافِ جنس سے اسکا اقالہ کر دیا تو اب اقالہ باطل ہو جائے گا۔

سوال نمبر (۷٦)، مختصر القدوری

وَلَاتَصِحُّ الْمُرَابَحَةُ وَالتَّوْلِيَةُ حَتّٰى يَكُوْنَ الْعِوَضُ مِمَّالَهُ مِثْلٌ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عبارت کی تشریح کریں۔

(ج) مرابحہ اور تولیہ کی تعریف نقل کریں۔

(د) مرابحہ اور تولیہ کے جواز کی شرائط بیان کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ھ) اناج کو اٹھانے کی اجرت، رسّی بٹوانے کی اُجرت، رنگ اور نقش نگار کی اُجرت وغیرہ کو راُس المال کے ساتھ ملانے کا کیا حکم ہے؟ اور حکم کی دلیل بھی تحریر کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور صحیح نہیں ہے مرابحہ اور تولیہ یہاں تک کہ ہو ان کا عوض مثلی چیزوں سے۔

(ب) عبارت کی تشریح:

مرابحہ اور تولیہ اسی وقت صحیح ہوگا جبکہ اس کا ثمن مثلی ہو اگر ثمن مثلی نہ ہو تو مرابحہ اور تولیہ نہیں ہو سکے گا۔ مثلاً چاول، دراہم اور دنانیر ہوں جو دنیا میں اس جیسا مل سکتا ہو۔ کپڑا، غلام، گائے، بھینس وغیرہ نہ ہو کہ اس جیسا دنیا میں نہیں مل سکتا بڑا چھوٹا ضرور ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ثمن ذوات الامثال میں سے ہو ذوات القیم میں سے نہ ہو؛ کیونکہ جب اس جیسا دوسرا مل سکتا ہے تب ہی تو دوسرا مشتری اس جیسا ثمن دے کر مبیع خریدے گا اور اگر اس جیسا نہیں مل سکتا تو اگلا مشتری کیا دے کر خریدے گا کیسے اس پر نفع دے گا۔

(ج) مرابحہ اور تولیہ کی تعریف:

مرابحہ کی تعریف: مرابحہ منتقل کرنا ہے اس چیز کو جس کا مالک ہوا تھا پہلے عقد سے ثمن اوّل پر کچھ نفع کی زیادتی کے ساتھ۔

تولیہ کی تعریف: تولیہ وہ منتقل کرنا ہے اس چیز کو جس کا مالک ہوا تھا پہلے عقد سے ثمن اوّل پر بغیر نفع کی زیادتی کے۔

(د) مرابحہ اور تولیہ کے جواز کی شرائط:

مرابحہ اور تولیہ کے جواز کی تین شرطیں ہیں:

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۱) اس میں مبیع اور ثمن دونوں معلوم ہوں۔
(۲) لوگ کسی نکیر کے بغیر یہ فعل انجام دے رہے ہوں۔
(۳) اس طرح کی بیوع کی ضرورت بھی متحقق ہو۔

(ھ) اناج کو اٹھانے کی اجرت، رسّی بٹوانے کی اُجرت، رنگ...:

ان تمام کی اُجرت کی قیمت کو رأس المال کے ساتھ الحاق کیا جائے گا۔
اس کے الحاق کی دلیل یہ ہے کہ تاجروں کے عرف میں اسطرح کی ملاوٹ کا روج ہے اور عرف سے ثابت شدہ چیز نص سے ثابت شدہ چیز کی طرح محکم اور قابلِ عمل ہوتی ہیں اور دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ چیز جس سے مبیع یا اس کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے اسے رأس المال کے ساتھ لاحق کر دیا جاتا ہے۔

لان العرف جار بالحاق هٰذه الاشياء برأس المال في عادة التجار ولان كل مايزيد في المبيع اوفي قيمته يلحلق به. (البنایہ:۸/۲۳۴)

سوال نمبر (۷۷)، مختصر القدوری

فَاِنِ اطَّلَعَ الْمُشْتَرِیْ عَلٰی خِيَانَةٍ فِي الْمُرَابَحَةِ فَهُوَ بِالْخِيَارِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنْ شَاءَ اَخَذَهٗ بِجَمِيْعِ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ رَدَّهٗ وَاِنِ اطَّلَعَ عَلٰی خِيَانَةٍ فِي التَّوْلِيَةِ اَسْقَطَهَا مِنَ الثَّمَنِ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی يَحُطُّ فِيْهِمَا وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی لَايَحُطُّ فِيْهِمَا لٰكِنْ يُخَيَّرُ فِيْهِمَا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔
(ب) عبارت کی تشریح کریں۔
(ج) ائمہ کرام کا مسلک ذکر کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(الف) ترجمة

اگر مطلع ہو مشتری خیانت پر مرابحہ میں تو اس کو اختیار ہے امام صاحب کے نزدیک چاہے تو اس کو پورے ثمن سے لے اور چاہے تو اس کو واپس کر دے۔ اور اگر مطلع ہوا خیانت پر تولیہ میں تو کم کر دے ثمن خیانت کے بقدر اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں کم کر دے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں کم نہ کرے؛ لیکن اسے اختیار ہے دونوں میں۔

(ب) عبارت کی تشریح:

ایک آدمی نے کوئی چیز مرابحۃً فروخت کی مثلاً یہ کہا کہ میں نے یہ کپڑا دس روپے میں خریدا تھا پانچ روپے نفع لے کر پندرہ میں بیچتا ہوں، مشتری نے بھروسہ کر کے خرید لیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ میرے بائع نے یہ کپڑا آٹھ روپے میں خریدا تھا اس نے مجھ سے پانچ نہیں بلکہ سات روپے نفع لیا ہے تو امام صاحب کے نزدیک مشتری کو اختیار ہے کہ مبیع یعنی کپڑے کو پورے ثمن پندرہ روپے میں لے لے یا بیع کو چھوڑ دے؛ کیونکہ تیرہ روپے میں لے تب بھی مرابحہ ہے اور پندرہ روپے میں لے تب بھی مرابحہ ہے اور بائع نے لفظ مرابحہ بولا ہے جس میں سچ ہے؛ اس لیے خریدے تو پندرہ میں خریدے؛ لیکن دو روپیہ کا جھوٹ بولا ہے؛ اس لیے مشتری کو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہے۔

بیس روپیہ میں کتاب خریدی اور جھوٹ بولا کہ پچیس میں خریدی ہے اور پچیس روپے پر ہی تولیہ کرتا ہوں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پانچ روپے کم کر کے بیس ہی میں لے گا؛ کیونکہ تولیہ کہتے ہیں اس بیع کو کہ جتنے میں خریدا ہے اتنے میں ہی دوں گا اور حقیقت میں بیس میں خریدا تھا اور جھوٹ بولا کہ پچیس میں خریدا ہے؛ اس لیے جتنے میں خریدا تھا اتنے ہی میں مشتری لے گا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) ائمہ کرام کا مسلک:

اگر بیع مرابحہ میں مشتری کسی خیانت پر مطلع ہوا تو امام صاحب کے یہاں اسے اختیار ہے اگر چاہے تو پورے ثمن کے عوض مبیع کو لے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے اور اگر بیع تولیہ میں کسی خیانت پر مطلع ہوا تو بقدرِ خیانت ثمن ساقط کر دے۔

امام ابو یوسفؒ کا نظریہ یہ ہے کہ بیع مرابحہ اور بیع تولیہ دونوں صورتوں میں مشتری ثمن سے مقدارِ خیانت کو ساقط کر دے؛ البتہ بیع تولیہ میں صرف ثمن سے سقوط ہوگا یعنی جس رقم کا کذب بیانی سے اضافہ کیا ہے ثمن سے اس کو کم کر دے گا اور بیع مرابحہ میں ثمن اور نفع دونوں سے مقدارِ خیانت ساقط کی جائے گی۔

امام محمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ مرابحہ اور تولیہ دونوں صورتوں میں مشتری کو اختیار ہوگا اگر وہ چاہے تو پورے ثمن کے عوض مبیع لے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب مشتری نے ایک متعین ثمن بیان کر دیا تو وہ معلوم ہو گیا اور ثمن معلوم ہی کے ساتھ عقد متعلق ہوتا ہے لہٰذا اس صورت میں بھی عقد کا تعلق اسی ثمن کے ساتھ ہوگا جو بیان کیا گیا ہے رہا مرابحہ اور تولیہ کا تذکرہ تو وہ بیع کی ترویج و ترغیب کے لیے ہے اور وصف سلامتی کے مشابہ ہے اور وصف سلامتی کے فوت ہونے سے مشتری کو اختیار ملتا ہے لہٰذا وصف مرابحہ اور تولیہ کے فوت ہونے سے بھی مشتری کو اختیار حاصل ہوگا۔ (احسن الہدایہ:۸/۲۸۲)

سوال نمبر (۷۸)، مختصر القدوری

وَيَجُوزُ بَيْعُ الْعَقَارِ قَبْلَ الْقَبْضِ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ وَاَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَايَجُوْزُ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔
(ب) شیخین اور امام محمد کے مسلک کی وضاحت کریں۔
(ج) بیع قبل القبض سے نہی کن کن چیزوں میں ہے؟

جواب

(الف) ترجمة

اور جائز ہے زمین کو بیچنا قبضہ سے پہلے شیخین کے نزدیک اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے۔

(ب) شیخین اور امام محمد کے مسلک کی وضاحت:

صاحبِ قدوریؒ فرماتے ہیں کہ شیخینؒ کے نزدیک غیر منقولہ چیزوں کی بیع قبضہ کرنے سے پہلے جائز ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے یہی قول امام زفرؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا ہے۔

امام محمدؒ کی دلیل: لِاَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهٰى عَنْ بَيْعِ مَالَمْ يَقْبِضْ. (عینی:۳/۱۳۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کے بیچنے سے منع فرمایا جس پر قبضہ نہیں کیا۔

وجہِ استدلال: اس حدیث میں لفظ ''ما'' منقول اور غیر منقول دونوں کو عام ہے۔

جواب: ممانعت کا حکم ایسی چیز کے بارے میں ہے جس کے تلف ہو جانے کا گمان غالب ہو جس سے عقد اوّل کے فسخ ہونے کا خوف اور دھوکہ ہو اور عقد اوّل کے فسخ ہونے کا خوف اور دھوکہ شئ منقول میں ہوتا ہے نہ کہ شئ غیر منقول میں؛ اس لیے قبضہ کرنے سے پہلے شئ منقول کی بیع تو بلاشبہ ناجائز ہے؛ لیکن شئ غیر منقول کی بیع جائز ہوگی۔ (عینی:۱/۱۳۸)

شیخینؒ کی دلیل: زمین منقولی چیز نہیں ہے اس میں ہلاک ہونے کا خطرہ نہیں ہے؛

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اس لیے اگر اس کو قبضہ کرنے سے پہلے بیچ دیا تو جائز ہے۔ (۲) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قبضہ کرنے کی شرط غلّہ وغیرہ میں ہے جس سے معلوم ہوا کہ زمین وغیرہ پر قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے۔ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ أَمَّا الَّذِيْ نَهٰى عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ الطَّعَامُ أَنْ يُبَاعَ حَتّٰى يُقْبَضَ. (بخاری: ۱/۲۸۶)

(ج) بیع قبل القبض سے نہی کن کن چیزوں میں ہے؟

اگر کسی نے منقول چیز خریدی تو جب تک مشتری اس پر قبضہ نہ کرے مشتری کے لیے اس کا بیچنا جائز نہیں ہے چاہے وہ چیز کیلی اور وزنی ہو۔ یا عددی ہو وہ طعام ہو یا غیر طعام؛ کیونکہ قبضہ کرنے سے پہلے بیچے گا تو ہوسکتا ہے کہ وہ چیز ضائع ہو جائے اور اس کے پاس نہ آئے تو کیسے بیچے گا۔

سوال نمبر (۷۹)، مختصر القدوری

فَالْعِلَّةُ فِيْهِ الْكَيْلُ مَعَ الْجِنْسِ أَوِ الْوَزْنُ مَعَ الْجِنْسِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) ربا کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کریں۔

(ج) ربا کی کتنی قسمیں ہیں؟ اس کی صورتیں تحریر کریں۔

(د) ربوا کی علت میں ائمہ کرام کے اختلاف کو نقل کریں اور احناف کے مذہب کی وجوہِ ترجیح بیان کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

تو علت ربا میں کیل ہے جنس کے ساتھ یا وزن ہے جنس کے ساتھ۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب) ربا کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

ربا کی لغوی تعریف: زیادتی کے معنیٰ میں ہے۔

ربا کی اصطلاحی تعریف: اس مالی زیادتی کا نام ہے جو عوض سے خالی ہو، یہاں مخصوص زیادتی کو ربا کہا گیا ہے جو حرام ہے۔

(ج) ربا کی قسمیں اور اس کی صورتیں:

ربوا کی اصلاً دو قسمیں ہیں:

(۱) ربا القرض (۲) ربا الفضل۔ اور ربا الفضل کی ہی ایک قسم ربا النسیئہ ہے۔

ربا القرض کی صورت: اخلد نے منیر کو ایک ہزار روپئے قرض دیے اور اخلد نے دس فیصد زیادتی کی شرط لگائی تو مقروض منیر اب ایک مہینے کے بعد گیارہ سو روپئے واپس کرے گا یہ ربا القرض ہے۔

ربا الفضل کی صورت: اخلد نے منیر سے اناج کا تبادلہ اناج کے ساتھ کمی بیشی کے ساتھ کیا تو ربا الفضل ہے یعنی اگر ہم جنس کو کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرے گا تو ربا الفضل ہے۔ (لغۃ الفقہاء: ۲۱۸)

ربا النسیئہ کی صورت: اخلد نے منیر سے گندم کا تبادلہ گندم سے کیا؛ لیکن اُدھار کیا تو ربا النسیئہ ہے اگر جنس میں معاملہ اُدھار کرے تو ربا النسیئہ ہے۔ (تحفۃ الالمعی: ۱۴۹/۴)

(د) ربوا کی علت میں ائمہ کا اختلاف اور احناف کے مذہب کی وجوہِ ترجیح:

جمہور فقہاء: یہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم یعنی حرمت کا حکم ان چھ چیزوں (سونا سونے کے بدلے میں، چاندی چاندی کے بدلے میں، گیہوں گیہوں کے بدلے میں، جو جو کے بدلے میں، کھجور کھجور کے بدلے میں، نمک نمک کے بدلے میں) کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ یہ حکم معلول بعلۃ ہے یعنی ایک علت ہے جو ان چھ چیزوں کے درمیان

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

مشترک ہے اب وہ علت جہاں کہیں پائی جائے گی حرمت حکم وہاں جاری ہوگا اور کمی بیشی اور اُدھار حرام ہوگا۔ پھر اس سلسلے میں جمہور کے درمیان آپس میں اختلاف ہوگیا اور اس بارے میں تین مذاہب ہیں:

(۱) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ علت "قدر" اور جنس ہے۔

قدر کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کا کیلی یا وزنی ہونا، لہٰذا جو چیز کیل یا وزن کے ذریعے فروخت کی جاتی ہے تو اس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ اس کے اندر "قدر" موجود ہے۔

جنس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کا تبادلہ اس کے ہم جنس سے کرنا، لہٰذا جس جگہ پر یہ دو چیزیں پائی جائیں گی تو حرمت تفاضل اور نسیئہ کا حکم آجائے گا؛ چنانچہ جس طرح گیہوں کو گیہوں کے عوض فروخت کرتے وقت کمی زیادتی اور اُدھار حرام ہے اس طرح چاول کو چاول کے بدلے کریں گے تو یہی حکم ہوگا، ایسی بہت سی چیزوں پر قیاس کیا جائے گا۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں جن چھ چیزوں کا تذکرہ آیا ہے ان میں سے چار چیزوں میں "کیل" پایا جاتا ہے اور نمک اور سونے اور چاندی میں وزن پایا جاتا ہے، لہٰذا جہاں کہیں کیل یا وزن پایا جائے گا اور جنس کا تبادلہ جنس سے ہوگا تو حرمت کا حکم آئے گا۔

(۲) امام شافعیؒ کے نزدیک حرمت کی علت: یہ ہے کہ حرمت کی علت طعم یا ثمنیت کا پایا جانا ہے، جبکہ جنس کا تبادلہ جنس سے ہو؛ کیونکہ ان چھ چیزوں میں سے آخری چار چیزوں میں طعم پایا جاتا ہے، لہٰذا جو چیز کھانے کے لائق ہو اس کے اندر بھی حرمت کی علت موجود ہے، لہٰذا ایک انڈے کو دو انڈوں کے عوض بیچنا جائز ہے؛ کیونکہ ربا کی علت طعم موجود ہے اور سونے چاندی میں ثمنیت پائی جارہی ہے، لہٰذا جو چیز ثمن بن رہی ہو اس میں بھی حرمت کی علت موجود ہے۔

(۳) امام مالکؒ کے نزدیک حرمت کی علت: وہ فرماتے ہیں کہ ربا کی علت

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اقتیات اور ادخار یعنی جن چیزوں کو کھایا جاتا ہو اور ان کو ذخیرہ بنا کر رکھا جا سکتا ہو اور وہ چیز خراب ہونے والی نہ ہو، لہٰذا جن چیزوں میں یہ علت پائی جائے گی وہاں حرمت کا حکم آجائے گا ورنہ نہیں؛ چنانچہ تربوز وغیرہ میں جن کو خشک کر کے ذخیرہ نہیں کیا جاتا ہے، ان میں اگر اتحادِ جنس بھی ہو تب بھی امام مالکؒ کے نزدیک ایک تربوز کو دو تربزوں کے عوض بیچنا جائز ہے۔

احناف کے مذہب کی وجوہِ ترجیح: احناف نے قدر اور جنس کو جو علت قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے حضرات فقہاء کے پاس کوئی نص موجود نہیں ہے، احناف کے پاس نص موجود ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ ایسی علت مقرر کی جائے جس کی وجہ سے تفاضل کی حرمت زیادہ عام اور وسیع ہو جائے اور اس کی وجہ سے زیادہ چیزوں میں تفاضل حرام ہو جائے طعم یا اقتیات کو علت قرار دینے میں حرمت کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے ان وجوہات کی بنا پر حنفیہ نے قدر اور جنس کو ربا کی علت قرار دیا ہے۔

سوال نمبر (۸۰)، مختصر القدوری

وَيَجُوْزُ بَيْعُ اللَّحْمِ بِالْحَيَوَانِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَايَجُوْزُ حَتّٰى يَكُوْنَ اللَّحْمُ اَكْثَرَ مِمَّا فِي الْحَيَوَانِ فَيَكُوْنُ اللَّحْمُ بِمِثْلِهِ وَالزِّيَادَةُ بِالسَّقَطِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل نقل کریں۔

(ج) کیلی اور وزنی ہونے کا معیار کیا ہے؟

(د) بیع الرطب بالتمر میں ائمہ کا اختلاف نقل کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(الف) ترجمة

اور جائز ہے گوشت کی بیع حیوان کے بدلے شیخین کے نزدیک اور فرمایا امام محمدؒ نے نہیں جائز ہے یہاں تک کہ ہو گوشت زیادہ اس سے جو حیوان میں ہے تو ہو جائے گا گوشت گوشت کے بدلے میں اور زائد گوشت ہڈی اور سینگ وغیرہ کے مقابلہ میں۔

(ب) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل:

مثلاً گائے کا گوشت ہو اور زندہ گائے بدلے میں روخت کرنا چاہتا ہے تو شیخینؒ کے نزدیک جائز ہے چاہے گائے میں گوشت پچاس کلو ہو اور کٹا ہا گوشت پچیس کلو ہو۔

دلیل: گوشت وزنی ہے اس کی خرید وفروخت وزن کے ذریعہ کی جاتی ہے اور گائے عددی ہے اس کا وزن نہیں کیا جاتا اور وزن کرنا ممکن بھی نہیں ہے؛ کیونکہ کبھی جانور اپنا بوجھ ہلکا کرتا ہے اور کبھی بھاری کر لیتا ہے تو یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ جانور نے اپنا بوجھ ہلکا کر رکھا ہے یا بھاری کر رکھا ہے۔ تو گائے اور کٹا ہوا گوشت دو الگ الگ جنس ہوئیں، اس لیے کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔

امام محمدؒ کا مذہب: امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جو کٹا ہوا گوشت ہے وہ اس گوشت سے زیادہ ہونا چاہیے جو زندہ گائے میں ہے تب تو جائز ہے ورنہ نہیں مثلاً زندہ گائے میں پچاس کلو ہے تو کٹا ہوا گوشت ساٹھ کلو ہونا چاہیے تاکہ پچاس کلو پچاس کلو کے برابر ہو جائے اور دس کلو کٹا ہوا گوشت گائے کی ہڈی، سینگ، کلیجی، گردہ وغیرہ کے بدلے ہو جائے۔

دلیل: اگر الگ کیا ہوا گوشت زندہ گائے کے گوشت سے زیادہ نہ ہو؛ بلکہ برابر

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہو یا اس سے کم ہو تو ربا متحقق ہو جائے گا؛ کیونکہ اگر برابر ہو تو زندہ گائے کے باقی اجزاء کھال وغیرہ زیادہ ہیں اور الگ کیا ہوا گوشت کم ہو تو اس صورت میں زندہ گائے کا کچھ گوشت اور کھال وغیرہ زیادہ ہوں گے اور ان دونوں صورتوں میں ربا ہے۔

(ج) کیلی اور وزنی ہونے کا معیار کیا ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو چیزیں کیلی تھیں وہ قیامت تک کیلی ہی رہیں گی اور کمی بیشی کا اعتبار کیل کے اعتبار سے ہوگا چاہے بعد میں لوگوں نے ان چیزوں کو کیل کرنا چھوڑ دیا ہو مثلاً گیہوں، جو، کھجور، نمک وغیرہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کیل سے بیچے جاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح کی ہے کہ یہ کیلی ہیں اس لیے ہمیشہ کیلی ہی رہیں گی اور جو چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وزنی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ وزنی ہے تو وہ قیامت تک وزنی ہی رہے گی، اور مساوات کا اعتبار کیلی میں کیل کے ساتھ ہوگا اور وزن میں وزن کے ساتھ ہوگا؛ کیونکہ آپ کی حدیث قیامت تک کے لیے ہے اور آپ کا دین قیامت تک کے لیے ہے؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح کا اعتبار بھی قیامت تک رہے گا۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ عادت بدل گئی ہو تو اب عادت کے مطابق فیصلہ ہوگا مثلاً اب گیہوں کو کیل کے بجائے کلو سے بیچنے لگے ہیں تو اب سود کا مدار کلو پر ہوگا کیل پر نہیں؛ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کی عادت کے مطابق فیصلہ کیا گیا تھا اب عادت بدل گئی تو فیصلہ بھی بدل جائے گا۔ (ہدایہ ثالث:۸۰)

(د) بیع الرطب بالتمر میں ائمہ کا اختلاف:

مسئلہ یہ ہے کہ تر کھجور کو خشک کے بدلے بیچنا کمی زیادتی کے ساتھ بالاجماع جائز

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہے اور تساویاً یعنی برابر سرابر بیچ سکتے ہیں یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تر کھجور ہیں کو خشک کھجور کے بدلے برابر سرابر بیچنا جائز ہے۔

دلیل: دونوں ہی کھجور ہیں اس لئے ایک جنس ہیں، برتن میں بھر کر دونوں کو برابر کر کے بیچے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خیبر کی تازہ کھجور پیش کی گئی، ان کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "او کل تمر خیبر **هكذا**" کیا خیبر کی تمام کھجور ایسی ہیں؟ (عینی:۱۵۸/۳)

اِس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رطب کو تمر فرمایا ہوا کہ دونوں ایک ہی جنس ہیں، اور جنس کا تبادلہ جنس کے ساتھ سرابر جائز ہے، اسی طرح انگور اور اس سے خشک ہو کر کشمش ایک ہی جنس ہیں، اس لئے دونوں کو برتن میں بھر کر برابر کر دے اور بیچے تو جائز ہے۔

صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تر کھجور کو خشک کے بدلے بیچنا جائز نہیں ایسے ہی انگور کو خشک انگور (کشمش) کے عوض نہ متساویاً بیچنا جائز ہے اور نہ متفاضلاً۔

دلیل: یہ حضرات فرماتے ہیں، کہ دونوں کی جنس ایک ہے اور برتن میں بھر کر بیچیں گے تو ابھی تو دونوں برابر ہو جائیں گے لیکن بعد میں تر کھجور خشک ہو کر اس کی مقدار کم ہو جائے گی تو بعد میں برابری باقی نہ رہے گی، اس لئے بیچنا ممنوع ہے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اس آدمی سے جس نے کھجور کو تر کھجور کے بدلے میں خریدا فرمایا کیا تر کھجور کم ہو جاتی ہے، جب خشک ہو جاتی ہے؟ لوگوں نے فرمایا ہاں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس بیع سے روکا۔ (عینی:۱۵۸/۳)

جواب: اِس حدیث کا دارومدار زید بن عیاش پر ہے جو ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف اور مجہول راوی ہیں اس لیے یہ روایت حدیث مشہور کے مقابلہ میں قابلِ استدلال نہ ہوگی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال نمبر (۸۱)، مختصر القدوری

وَلَا بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِيِّ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عبارت کا مطلب تحریر کریں۔

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف نقل کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور نہیں ہے سود مسلمان اور حربی کے درمیان دار الحرب میں۔

(ب) عبارت کا مطلب:

عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان دار الحرب میں جا کر کسی حربی سے کمی زیادتی کے ساتھ کوئی چیز خریدے یا بیچے تو وہاں اس پر ربوا کا حکم نہیں لگے گا؛ البتہ امام ابو یوسفؒ امام شافعیؒ کے یہاں اس صورت میں بھی ربوا کا تحقق ہوگا یہ حضرات اس صورت کو حربی مستامن پر قیاس کرتے ہیں یعنی جس طرح اگر کوئی حربی امن لے کر دار الاسلام میں آجائے اور وہ اموال ربویہ میں کسی مسلمان کے ساتھ کمی زیادتی سے خرید و فروخت کرے تو اس میں ربو متحقق ہوتا ہے اسی طرح کسی مسلمان کے دار الحرب میں جا کر کمی بیشی کے ساتھ خرید و فروخت کرنے سے ربو متحقق ہوگا حضرات طرفین اور جمہور احناف کی دلیل یہ ہے کہ حدیث شریف میں مطلقاً دار الحرب کے اندر ربوا کے تحقق کی نفی کی گئی ہے لہٰذا دار الحرب میں ربوا متحقق نہیں ہوگا۔

عقلی دلیل: یہ ہے کہ دار الحرب میں حربیوں کا مال مباح اور حلال ہوتا ہے لہٰذا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

غدر اور دھوکہ کے علاوہ جس طریقے سے بھی مسلمان ان کا مال لے گا وہ حلال اور درست ہوگا اور اس میں ربوا کا تحقق نہیں ہوگا۔

رہا امام ابو یوسفؒ وغیرہ کا حربی مستأمن پر قیاس کرنا تو یہ صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ اولاً تو حدیث کے مقابلے میں قیاس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ جب دار الاسلام نے حربی مستأمن کو ہر طرح کا امن دے رکھا ہے تو اس کا مال بھی محفوظ اور ممنوع ہوگا اور صرف جائز طریقہ ہے اس کا مال لینا مباح ہوگا اور ربوا چونکہ ایک غیر شرعی طریقہ ہے اس لیے اگر یہاں کمی بیشی کے ساتھ بیع کی گئی تو وہ حرام ہوگی۔ الحاصل حربی اور مستأمن میں فرق ہے اور ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ (احسن الہدایہ: ۳۵۵/۸)

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسلمان کا دار الحرب میں حربی کے ساتھ کمی زیادتی کے ساتھ خرید وفروخت کرنا جائز ہے۔

دلیل احناف: یہ ہے کہ حدیث شریف میں مطلقاً دار الحرب کے اندر ربوا کے تحقق کی نفی کی گئی ہے لہٰذا دار الحرب میں ربوا کا تحقق نہیں ہوگا۔

عقلی دلیل: یہ ہے کہ دار الحرب میں حربیوں کا مال مباح اور حلال ہوتا ہے لہٰذا غدر اور دھوکہ کے علاوہ جس طریقے سے بھی مسلمان ان کا مال لے گا وہ حلال اور درست ہوگا اور اس میں ربوا کا تحقق نہیں ہوگا۔

امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگر مسلمان نے دار الحرب میں حربی کے ساتھ کمی زیادتی کے ساتھ خرید وفروخت کی تو ربوا کا تحقق ہو جائے گا اور یہ جائز نہیں ہے۔

دلیل امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ: یہ ہے کہ ان حضرات نے حربی کو مستأمن پر قیاس کیا ہے کہ جس طرح دار الاسلام میں کوئی حربی امن لے کر آجائے اور وہ اموالِ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ربویہ میں کسی مسلمان کے ساتھ کمی زیادتی سے خرید وفروخت کرے تو اس میں ربوا متحقق ہوتا ہے اسی طرح کسی مسلمان کے دارالحرب میں جاکر کمی زیادتی کے ساتھ خرید و فروخت کرنے سے بھی ربوا متحقق ہو جائے گا؛ اس لیے جائز نہیں ہے۔

سوال نمبر (۸۲)، مختصر القدوری

اَلسَّلَمُ جَائِزٌ فِي الْمَكِيْلَاتِ وَالْمَوْزُوْنَاتِ وَالْمَعْدُوْدَاتِ الَّتِي لَاتَتَفَاوَتُ كَالْجُوْزِ وَالْبَيْضِ وَالْمَذْرُوْعَاتِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عبارت کی تشفی بخش تشریح کریں۔

(ج) سلم کی لغوی اور اصطلاحی تعریف نقل کریں۔

(د) مکیلات وموزونات اور عددی چیزوں میں سلم جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟

(ھ) سلم کے صحیح ہونے کی کتنی شرطیں ہیں اور اس میں ائمہ کا کیا اختلاف ہے؟

جواب

(الف) ترجمة

سلم جائز ہے کیلی وزنی اور ایسی عددی چیزوں میں جن کے افراد میں تفاوت نہیں ہوتا ہے، جیسے اخروب اور انڈے اور گز سے ناپی جانے والی چیزوں میں۔

(ب) عبارت کی تشریح:

جو چیز کیل سے ناپ کر فروخت کی جاتی ہے جیسے گیہوں، چاول وغیرہ اسی طرح جو

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

چیز وزنی ہوں یا عدد سے گن کر بیچی جاتی ہوں؛ لیکن ان کے افراد میں زیادہ فرق نہ ہو جیسے: اخروٹ اور انڈے، ان کے افراد میں زیادہ فرق نہیں ہوتا ہے، ان کے چھوٹے بڑے دینے سے جھگڑا نہیں ہوتا، اسی طرح جو چیزیں ہاتھ یا گز سے ناپ کر بیچی جاتی ہیں جیسے کپڑا وغیرہ ان میں بیع سلم جائز ہے۔

وزنی چیزوں میں دراہم اور دنانیر بھی ہیں، ان کی بیع سلم جائز نہیں؛ کیونکہ ان کے صفات متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے، اس لیے وزنی سے وہ چیز مراد ہیں جو وزن کی جاتی ہوں؛ لیکن دراہم ودنانیر نہ ہوں جیسے: لوہا وغیرہ۔

(ج) سلم کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

سلم کی لغوی تعریف: ایک قسم کی بیع کا نام ہے جس میں ثمن پہلے دی جائے۔

اصطلاحی تعریف: قیمت ابھی لے اور مبیع کچھ دنوں کے بعد دے۔

قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ بیع جائز نہ ہو؛ کیونکہ حدیث میں ہے کہ جو مبیع تمہارے پاس نہ ہو اس کو مت بیچو؛ لیکن غریب لوگوں کے لیے یہ سہولت دی گئی ہے کہ وہ مالداروں سے قیمت ابھی لیں اور اس قیمت سے خرید وفروخت کرتے رہیں اور نفع کماتے رہیں پھر جب مبیع دینے کا وقت آئے مبیع خرید کر مشتری کے حوالے کردیں۔

(د) مکیلات وموزونات اور عددی چیزوں میں سلم جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟

مکیلات اور موزونات میں جائز ہونے کی دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: مَنْ اَسْلَفَ فِيْ شَيْءٍ فَفِيْ كَيْلٍ مَعْلُوْمٍ وَوَزْنٍ مَعْلُوْمٍ إِلٰى اَجَلٍ مَعْلُوْمٍ. (بخاری: ۲۹۹/۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی نے کسی چیز میں بیع سلم کی تو کیل معلوم ہو وزن

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

معلوم ہو اور مدت معلوم ہو۔

عددی چیزوں میں بیع سلم جائز ہونے کی دلیل: فَكَانَ يَأْخُذُ الْبَعِيرَ بِالْبَعِيرَيْنِ إِلَى إِبِلِ الصَّدَقَةِ. (ابوداود:۲/۴۷۷ باب فی الرخصۃ)

یعنی عبداللہ بن عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک اونٹ دو اونٹ کے بدلے میں لیتے تھے، صدقہ کے اونٹ کے آنے تک، اس حدیث سے عددی چیزوں میں بیع سلم کا پتہ چلتا ہے۔

مذروعات میں بیع سلم جائز ہونے کی دلیل: حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ سوت کے کپڑوں کے سلم کے بارے میں فرمایا اگر گز معلوم ہو اور مدت معلوم ہو تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۴/۴۹۸)

(ھ) سلم کے صحیح ہونے کی شرطیں اور اس میں ائمہ کا اختلاف:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک متن میں ذکر کردہ سات شرطیں جب پائی جائیں تو بیع سلم درست ہوگی، ورنہ نہیں، ہر ایک کی تفصیل اس طرح ہے:

(۱) مسلم فیہ کی جنس معلوم ہو یعنی معلوم ہونا ضروری ہے کہ کس چیز کی بیع کر رہا ہے گیہوں کی، جو کی، کشمش کی، کھجور کی۔

(۲) نوع معلوم ہو کیونکہ گیہوں بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں، مثلاً ۳۰۴، ڈبلو پچھتّر وغیرہ وغیرہ۔ اس لئے یہ طے کرنا ضروری ہے کہ کس قسم کے گیہوں چاہئے یا کس قسم کے چاول چاہئے۔

(۳) صفت معلوم ہو یعنی یہ بھی طے ہو کہ عمدہ قسم کے گیہوں ہو یا گھٹیا قسم کے ورنہ مشتری عمدہ لینا چاہے گا اور بائع ردی دینا چاہے گا اور جھگڑا ہوگا۔

(۴) مسلم فیہ مقدار معلوم ہو یعنی بیع کتنے کلو ہوگی تا کہ جھگڑا نہ ہو۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۵) مدت معلوم ہو یعنی مسلم فیہ کب دو گے تا کہ یہ نہ ہو کہ بائع دیر کر کے دے اور مشتری جلدی مانگے۔

(٦) رأس المال یعنی ثمن کی مقدار معلوم ہو کہ وہ کتنے کلو ہے یا کتنے عدد ہے کیونکہ اگر مبیع نہ دے سکا اور ثمن کو لوٹانے کی ضرورت پڑی تو اگر ثمن کی مقدار معلوم نہیں تو کیسے لوٹائے گا، اس لئے اگر ثمن کیلی ہو یا وزنی ہو یا عددی ہو تو ثمن کی مقدار معلوم ہونا ضروری ہے چاہے ثمن کی طرف اشارہ کر کے بیع سلم طے کی ہو لیکن اگر ثمن ذراعی ہو جیسے کپڑا تو چونکہ ذراع صفت ہے اور صفت کے مقابلے میں کوئی قیمت نہیں ہوتی اسلئے کپڑا کتنا گز ہے اسکو معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۷) سپرد کرنے کی جگہ معلوم ہو یعنی اگر مسلم فیہ کو اٹھا کر لے جانے کا کرایہ لگتا ہو تو مبیع کو کس مقام پر مشتری کو دے گا اس جگہ کی تعین بھی ضروری ہے کیونکہ اگر جگہ متعین نہ ہو تو بائع کی خواہش ہوگی کہ اپنے قریب مسلم فیہ سپرد کرے اور مشتری کی چاہت ہوگی کہ اپنے قریب لے لڑائی جھگڑا ے تک نوبت آئے گی ہاں اگر مبیع کے اٹھانے کا کرایہ نہ لگتا ہو تو اس صورت میں جگہ کی تعیین ضروری نہیں ہے۔

ماقبل میں جو سات شرطیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے اوّل کی پانچ شرطوں پر امام اور صاحبین کا اتفاق ہے آخری دو شرطوں میں اختلاف ہے انہیں دو کا بیان اس عبارت میں ہے۔ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ رأس المال یعنی ثمن سامنے ہے تو عام بیوع میں اس کی مقدار کی تعیین ضروری نہیں ہوتی صرف اشارہ کرنے سے ثمن متعین ہو جاتا ہے؛ اس لیے بیع سلم میں بھی اس کی طرف اشارہ کرنے سے ثمن متعین ہو جائے گا۔ ایسے ہی مبیع ادا کرنے کی جگہ متعین کرنا ضروری نہیں ہے؛ کیونکہ جس جگہ بیع کی بات ہوئی وہی جگہ مبیع دینے کے لیے خود بخود متعن ہو جائے گی؛ اس لیے الگ سے جگہ کی تعیین ضروری نہیں ہے؛ البتہ کر لے تو اچھا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال نمبر (۸۳)، مختصر القدوری

وَلَايَجُوْزُ السَّلَمُ فِي الْحَيْوَانِ وَلَافِيْ أَطْرَافِهِ وَلَافِي الْجُلُوْدِ عَدَدًا وَلَافِي الْحَطَبِ حُزُمًا وَلَا فِي الرُّطْبَةِ جُرُزًا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عبارت کا مطلب تحریر کریں۔

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل نقل کریں۔

(د) لکڑیوں کے گٹھر میں بیع سلم کا کیا حکم ہے؟

جواب

(الف) ترجمة

اور جائز نہیں سلم حیوان میں اور نہ اس کے اطراف میں اور نہ کھال میں گن کر اور نہیں جائز ہے بیع سلم لکڑیوں میں گٹھر کے اعتبار سے اور نہ سبزیوں میں گڈی کے اعتبار سے۔

(ب) عبارت کا مطلب:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے جانوروں میں بیع سلم کی اور جس جانور میں بیع سلم کی اس کے تمام اوصاف کو بیان کر دیا تو امام شافعیؒ کے یہاں اس حیوان میں بیع سلم درست اور جائز ہے؛ لیکن ہمارے یہاں اس صورت میں بھی مذکورہ حیوان میں بیع سلم درست نہیں۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب جانور کی جنس نوع عمر اور صفت بیان کر دی گئی تو وہ معلوم المقدار والصفۃ ہو گیا اور معلوم المقدار والصفۃ مبیع اور مسلم فیہ میں بیع سلم

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

درست ہے؛ اس لیے اس طرح کے جانور میں بھی بیع سلم درست اور جائز ہوگی اور پھر ان اوصاف کے بیان کرنے کے بعد اوّل تو کوئی جہالت ہی نہیں رہتی اور جو جہالت رہتی بھی ہے وہ بہت معمولی رہتی ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا ہے؛ اس لیے اس جہالت کا بھی اعتبار نہیں ہوگا اور جس طرح اگر کسی کپڑے کے تمام اوصاف معلوم ہو جائیں تو اگرچہ اس میں معمولی سی جہالت رہتی ہے مگر جہالت بیع سلم سے مانع نہیں ہے۔

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل:

حیوان میں بیع سلم کا حکم کیا ہے اس کے جواز وعدمِ جواز کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

شوافع کے نزدیک: حیوان میں بیع سلم جائز ہے؛ کیونکہ جب جانور کی تمام صفات اور عمر وغیرہ متعین کردی جائیں تو کافی حد تک تعین ہو جاتا ہے؛ اس لیے جانور اس کے اعضاء اور کھال کی بیع سلم جائز ہے۔ اسی کے قائل امام مالکؒ اور امام احمدؒ ہیں۔ (عینی: ۱۸۲/۳)

حنفیہ کا مذہب: حنفیہ کے نزدیک حیوان میں بیع سلم جائز نہیں؛ کیونکہ حنفیہ کے نزدیک بیع سلم کے لیے ضروری ہے، کہ یا تو وہ چیز کیلی ہو یا وزنی ہو یا عددیات متقاربہ میں سے ہو لہٰذا اگر کوئی چیز عددی ہے؛ لیکن اس کے افراد میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے تو اس میں بیع سلم جائز نہ ہوگی؛ چوں کہ دو حیوانوں کے درمیان بہت فرق ہوتا ہے بعض مرتبہ ظاہری طور پر دو بھینس ایک جیسی ہوں گی؛ لیکن ایک بھینس زیادہ دودھ دینے والی ہوگی اور دوسری کم ایک زیادہ بچے دے گی اور دوسری کم؛ اس لیے جانور میں صفت متعین کرنا مشکل ہے ایسے ہی ان کے سر اور پاؤں میں بھی بہت فرق ہوتا ہے اور ان کی کھال کے چھوٹے بڑے ہونے میں فرق ہوتا ہے؛ اس لیے ان میں جھگڑے کا امکان ہے جب

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ادائیگی کا وقت آئے گا تو بائع کہے گا کہ میں نے گھٹیا چیز میں بیع سلم کی تھی اور مشتری کہے گا کہ ''نہیں'' اعلیٰ اور عمدہ چیز میں بیع سلم کی تھی؛ اس لیے جانور اس کے اعضاء اور اس کی کھال میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔ (عینی شرح ہدایہ:۱۸۳/۳)

(د) لکڑیوں کے گٹھر میں بیع سلم کا حکم:

ایندھن کی لکڑیوں کا گٹھر بناتے ہیں اور بیچتے ہیں بعض گٹھر میں زیادہ لکڑی ہوتی ہیں اور بعض میں کم بالکل ایک طرح کا گٹھر نہیں بن پاتا ایسے ہی ساگ، سبزیوں کی گڈی بناتے ہیں کسی میں زیادہ ہوتی ہے اور کسی میں کم؛ اس لیے ان میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔

فائدہ: اگر آرا مشین سے ایک طرح کی لکڑی کاٹی جائے اور اس کی بیع سلم کرے تو جائز ہے؛ کیونکہ صفات متعین ہوگئیں۔

سوال نمبر (۸۴)، مختصر القدوری

فَإِنْ بَـاعَ فِضَّةً بِفِضَّةٍ اَوْذَهَبًا بِذَهَبٍ لَمْ يَجُزْ إِلَّا مِثْلًا بِـمِثْلٍ وَإِنِ اخْتَـلَـفَـا فِـي الْجَوْدَةِ وَالصِّيَاغَةِ وَلَابُدَّ مِنْ قَبْضِ الْعِوَضَيْنِ قَبْلَ الْإِفْتِرَاقِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) صرف کی لغوی اور اصطلاحی تعریف نقل کریں۔

(ج) بیع صرف کے صحیح ہونے کے لیے کتنی شرائط ہیں۔

(د) اگر کسی نے چاندی کا کوئی ٹکڑا فروخت کیا پھر اس کے کچھ حصہ کا مستحق نکل گیا اس صورت میں مشتری کو اختیار حاصل نہیں ہوتا اور برتن کے مستحق نکلنے کی صورت میں مشتری کو اختیار ہوتا ہے اس فرق کی وجہ تحریر کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(الف) ترجمة

چنانچہ اگر بیچے چاندی کو چاندی کے بدلے یا سونے کو سونے کے بدلے تو نہیں جائز ہے مگر برابر سرابر اگرچہ عمدگی اور گھڑائی میں مختلف ہوں اور ضروری ہے دونوں عوضوں پر قبضہ کرنا جدا ہونے سے پہلے۔

(ب) صرف کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

صرف کی لغوی تعریف: صرف کے معنیٰ زیادتی اور پلٹنے کے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: دونوں طرف سونا ہو، دونوں طرف چاندی ہو یا ایک طرف سونا اور دوسری طرف چاندی ہو آپس میں بیچنے کو بیع صرف کہتے ہیں۔

(ج) بیع صرف کے صحیح ہونے کی شرطیں:

جاننا چاہیے کہ بیع الصرف کی صحت کے لیے دو شرطیں ہیں: (۱) عدم النسیہ مطلقاً یعنی اس بیع میں اُدھار تو ہر حال میں ناجائز ہے، خواہ دونوں متحد الجنس ہوں یا مختلف الجنس، مجلس میں قبضہ ضروری ہے۔ (۲) عدمِ تفاضل: یہ صرف اس وقت جبکہ عوضین متحد الجنس ہوں مثلاً دونوں چاندی ہوں یا دونوں سونا اور اگر جنس کا اتحاد نہ ہو تو تفاضل جائز ہے۔ اس عبارت میں شرط ثانی پر تفریع ہے؛ چنانچہ فرمایا چاندی کو چاندی کے بدلے بیچے یا سونے کو سونے کے بدلے بیچے یہ بیع اسی وقت جائز ہوگی جبکہ دونوں وزن میں برابر ہوں، اگرچہ ایک زیادہ عمدہ ہو اور دوسرا رَدّی ہو یا ایک میں گھڑائی اچھی ہو اور دوسرے میں گھڑائی خراب ہو جس کی وجہ سے اس کی قیمت کم ہو پھر بھی وزن کے اعتبار سے دونوں کو برابر کر کے بیچنا ہوگا کمی بیشی حرام ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(د) اگر کسی نے چاندی کا کوئی ٹکڑا فروخت کیا پھر اس کے کچھ حصہ....:

برتن کی صورت میں مبیع کا مستحق نکل جانا عیب دار ہے؛ کیونکہ اس میں ٹکڑے ہونا مضر ہے؛ اس لیے اس میں اختیار حاصل ہوگا اور چاندی کے ٹکڑے میں مستحق نکل جانا عیب دار نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں ٹکڑے ہونا مضر نہیں ہے اس میں اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

لان الشركة عيب في الإناء ولذا يثبت الخيار للمشتري لان الشركة في الأعيان المجتمعة عيب لأنّها ينتقض بالتبعيض والإناء ينتقض بالتبعيض، بخلاف قطعة نقرة لأنّه لايضره التبعيض فإذا لم يكن عيبا لم يثبت الخيار لأن الخيار لايثبت بلاسبب. (البنایہ:۸/۴۰۳)

سوال نمبر (۸۵)، مختصر القدوری

وَاِن اشْتَرىٰ بِهَا سِلْعَةً ثُمَّ كَسَدَتْ فَتَرَكَ النَّاسُ الْمُعَامَلَةَ بِهَا قَبْلَ الْقَبْضِ بَطَلَ الْبَيْعُ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ قِيْمَتُهَا يَوْمَ الْبَيْعِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ قِيْمَتُهَا آخِرَمَايَتَعَامَلُ النَّاسُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) مطلب تحریر کریں۔

(ج) مذکورہ مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف نقل کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور اگر خریدا کھوٹے دراہم کے بدلے سامان پھر ان کا چلن بند ہو گیا اور

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

لوگوں نے ان کے ساتھ معاملہ کرنا چھوڑ دیا قبضہ سے پہلے تو باطل ہو جائے گی، بیع امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے اس پر قیمت لازم ہے بیع کے دن کی اور فرمایا امام محمدؒ نے مشتری پر سکے کی قیمت لازم ہے آخری دن کی جب لوگوں نے ان کے ساتھ معاملہ کیا ہے۔

(ب) مطلب:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دراہم مغشوشہ کے عوض کوئی سامان خریدا اس کے بعد ان دراہم کا چلن ٹھپ ہو گیا اور لوگوں نے ان کا لین دین بند کر دیا تو امام اعظمؒ کے یہاں یہ بیع ہی باطل ہو جائے گی اور ثمن کے سلسلے میں کوئی کلام ہی نہیں ہوگا جبکہ حضرات صاحبینؒ کے یہاں بیع باطل نہیں ہوگی اور ثمن کی جگہ مشتری پر ان دراہم کی قیمت واجب ہوگی؛ البتہ امام ابو یوسفؒ کے یہاں بیع والے دن کی قیمت واجب ہوگی اور امام محمدؒ کے یہاں اس آخری دن کی قیمت واجب ہوگی جس دن لوگوں نے اس کا لین دین بند کیا ہوگا مثلاً آج ۱۵؍صفر المظفر ہے اور لوگوں نے ذالحجہ کی ۲۰؍تاریخ کو دراہم مغشوشہ کا لین دین بند کیا تو ۲۰؍ذی الحجہ والی قیمت واجب ہوگی۔

(احسن الہدایہ: ۹؍۱۱۲)

(ج) مذکورہ مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف:

کھوٹے دراہم کے بدلہ خرید وفروخت کا بیان:

کسی نے ان دراہم یا دنانیر کے بدلے کوئی سامان خریدا جن میں کھوٹ غالب تھا، ابھی مبیع پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ لوگوں میں ان سکوں کا رواج ختم ہو گیا اور لوگوں نے ان کے ساتھ معاملہ کرنا چھوڑ دیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک یہ بیع باطل ہو جائے گی اور صاحبین، امام شافعیؒ وامام احمدؒ کے نزدیک بیع باطل نہ ہوگی، کیونکہ مال کا تبادلہ مال سے ہونے کی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

وجہ بالاتفاق عقد بیع صحیح ہو چکا تھا، لیکن چلن بند ہونے کی وجہ سے ثمن کا سپرد کرنا ناممکن ہو گیا اور ثمن کو سپرد کرنا اگر متعذر اور ناممکن ہو جائے، تو اس کی وجہ سے بیع فاسد نہیں ہوتی، لہٰذا بیع فاسد نہ ہوگی، تو مشتری پر ان کی قیمت لازم ہوگی رہی یہ بات کہ کون سے دن کی قیمت لازم ہوگی، اس بارے میں صاحبین کا اختلاف ہے۔

امام ابو یوسفؒ کا مذہب اور دلیل: آپ فرماتے ہیں کہ جس دن بیع ہوئی ہے اس دن میں ان سکوں کی قیمت دراہم سے کیا تھی، وہ مشتری پر واجب ہوگی، کیونکہ بائع اور مشتری کے ذہن میں اسی وقت کی قیمت ملحوظ ہے، اسی وقت کی قیمت کو ذہن میں رکھ کر بائع مبیع فروخت کرنے پر راضی ہوا ہے اس لئے بیچنے کے وقت ان سکوں کی جو قیمت تھی وہی مشتری پر لازم ہوگی۔

امام محمدؒ کا مذہب اور دلیل: وہ فرماتے ہیں، کہ آخری دن جس میں لوگوں نے ان سکوں کو لینا دینا چھوڑا اس دن ان سکوں کی کیا قیمت تھی، وہ دلوائی جائے گی، کیونکہ جب تک سکے رائج تھے اس وقت تک سکے ہی دینے کا مجاز تھا لیکن جس دن چلن بند ہو گیا اسی دن کھوٹے سکوں سے منتقل ہو کر قیمت کی جانب آنا ہوا چنانچہ جس دن قیمت کی طرف انتقال ہوا ہے قیمت کے سلسلہ میں اسی دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اور مشتری وہی قیمت ادا کر کے مبیع لے لے گا۔

امام صاحبؒ کا مذہب اور دلیل: جن دراہم اور دنانیر میں کھوٹ غالب ہو ان کا ثمن ہونا لوگوں کے تعامل کی وجہ سے تھا، لیکن جب لوگوں نے ان کے ساتھ معاملہ کرنا چھوڑ دیا تو وہ سامان بن گئے اور ان کی ثمنیت ختم ہو گئی، اس لئے مبیع بغیر ثمن کے باقی رہی اور بیع بغیر ثمن کے ہو تو بیع فاسد ہوتی ہے، اس لئے یہ بیع فاسد ہو جائے گی، اور چونکہ مبیع پر مشتری کا قبضہ نہیں ہوا تھا اس لئے مبیع بائع کے پاس ہی رہے گی، اور مشتری کو کچھ نہیں دینا ہوگا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال نمبر(۸۶)، مختصر القدوری

اَلرَّهْنُ يَنْعَقِدُ بِالْإِيْجَابِ وَالْقَبُوْلِ وَيَتِمُّ بِالْقَبْضِ فَإِذَا قَبَضَ مُرْتَهِنُ الرَّهْنَ مُحَوَّزًا مُفَرَّغًا مُمَيَّزًا ثُمَّ الْعَقْدُ فِيْهِ وَمَالَمْ يَقْبِضْهُ فَالرَّاهِنُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ سَلَّمَهُ إِلَيْهِ وَإِنْ شَاءَ رَجَعَ عَنِ الرَّهْنِ فَإِذَاسَلَّمَهُ إِلَيْهِ فَقَبَضَهُ دَخَلَ فِيْ ضَمَانِهِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عبارت کی تشریح کریں۔

(ج) رہن کی لغوی اور اصطلاحی تعریف نقل کرنے کے بعد محوزًا مفرغًا اور ممیز کا مطلب بھی تحریر کریں۔

(د) کن چیزوں کے عوض میں رہن رکھنا جائز ہے اور کن چیزوں میں جائز نہیں؟ مع اختلافِ ائمہ نقل کریں۔

جواب

(الف) ترجمۃ

رہن منعقد ہو جاتا ہے ایجاب وقبول سے اور پورا ہو جاتا ہے مرتہن کے قبضہ کرنے سے پھر جب قبضہ کرلیا مرتہن نے رہن پر درانحالیکہ تقسیم شدہ ہو، فارغ ہو، تمیز کیا ہوا ہو تو عقد تام ہو گیا اور جب تک مرتہن مرہون پر قبضہ نہ کرے تو راہن کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو حوالہ کرے اور چاہے تو رہن سے رجوع کر جائے پھر جبکہ مرتہن کو سپرد کر دیا اور اس نے اس پر قبضہ کرلیا تو وہ اس کے ضمان میں داخل ہو گئی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب) عبارت کی تشریح:

رہن ایک معاملہ اور معاملہ ایجاب کرنے اور دوسرے کے قبول کرنے سے منعقد ہو جاتا ہے؛ چونکہ قرض کے بدلے رہن رکھنا ضروری نہیں ہے، اس لیے رہن رکھنا احسان کے درجہ میں ہے، اس لیے جب تک مرتہن اس پر قبضہ نہیں کرے گا رہن مکمل نہیں ہوگا، اور مرتہن کا قبضہ ہونے کے لیے تین باتوں سے خالی ہونا ضروری ہے:

(۱) محوز ہو (۲) مفرغ ہو (۳) ممیّز ہو۔

محوز کا مطلب: مرہون دوسرے کی شرکت میں نہ ہو، دوسرے کی شرکت سے تقسیم ہوکر الگ ہو چکی ہو، مثلاً ایک گھر دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھا، دونوں شریکوں نے گھر تقسیم کرکے الگ الگ کرلیا ہو اب جو رہن کا حصہ ہے اس پر مرتہن قبضہ کرلے۔

مفرغ کا مطلب: رہن میں رکھی ہوئی چیز راہن کے تصرف اور اس کے قبضہ سے خالی ہو، مثلاً گھر رہن پر رکھنا ہے تو گھر میں راہن کا کوئی سامان نہ ہو ایسے گھر پر مرتہن قبضہ کرے تب قبضہ مکمل ہوگا۔

ممیّز کا مطلب: مرہون پیدائشی طور پر راہن کے سامان کے ساتھ متصل نہ ہو جیسے: درخت پر لگا ہوا پھل رہن پر رکھے تو اس پر مرتہن کا قبضہ مکمل نہیں ہوگا۔

اس سے پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے رہن مکمل نہیں ہوتا؛ اس لیے قبضہ کرنے سے پہلے رہن رکھنے والا رہن رکھنے سے پھر جائے اور رجوع کر جائے تو رجوع کر سکتا ہے اور اگر رہن رکھنے والے نے شئ مرہون مرتہن کے حوالے کردی اور مرتہن نے اس پر قبضہ کرلیا تو وہ اس کے ضمان میں داخل ہوگئی اب اگر ہلاک ہوگی تو اس کے پیسے مرتہن کے قرض میں سے کاٹے جائیں گے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) رہن کی لغوی اور اصطلاحی تعریف اور مجوزًا مفرغًا اور ممیز کا مطلب:

رہن کی لغوی تعریف: کسی چیز کو روک لینا مال ہو یا غیر مال۔

اصطلاحی تعریف: ایسی مالی چیز کو کسی حق کے بدلہ میں روک لینا جس کے ذریعہ پورا حق یا بعض حق وصول کرنا ممکن ہو۔ (اللباب:۵/۲) بالفاظِ دیگر کوئی آدمی کسی سے کچھ روپے بطورِ قرض لے اور اعتماد کے لیے کوئی چیز قرض دینے والے کے پاس گروی رکھے۔

(د) کن چیزوں کے عوض میں رہن رکھنا جائز ہے اور کن چیزوں میں جائز نہیں؟

جو چیز راہن اور دوسرے کے درمیان مشترک ہے ابھی تک تقسیم نہیں ہوئی ہے اس کو رہن رکھنا جائز نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک: مشترک چیز کو رہن پر رکھ سکتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح مشترک چیز کو بیچ سکتے ہیں اسی طرح ان کو رہن پر بھی رکھ سکتے ہیں یعنی اگر راہن دَین ادا نہ کر سکے تو مرتہن مرہون کو فروخت کر کے اپنا حق وصول کرے گا۔

احناف فرماتے ہیں: کہ آیت ﴿فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ شئ مرہون پر مرتہن کا مکمل قبضہ ہو اور یہ بات اسی وقت ہوگی جب وہ چیز مشترک نہ ہو، بلکہ تقسیم ہو کر خالص راہن کی ملکیت میں ہو چکی ہو، اس لیے رہن مشاع کے جواز کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ (الجواہرۃ النیرۃ:۲۷۷/۱)

حنفیہؒ کے نزدیک مالِ مشترک کو رہن رکھنا جائز نہیں ہے، اس قاعدہ کے مطابق مسئلہ یہ ہے کہ پھل درخت پر لگے ہوئے ہیں صرف پھل رہن رکھ رہا ہے اور درخت رہن پر نہیں رکھ رہا ہے تو یہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ پھل درخت کے ساتھ پیدائشی طور پر متصل ہیں؛ اس لیے شئ مرہون درخت سے الگ نہیں ہوئی، لہٰذا مرتہن کا مکمل قبضہ نہیں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہو سکے گا، حالانکہ مکمل قبضہ ضروری ہے۔ اسی طرح زمین میں کھیتی ہے صرف کھیتی رہن پر رکھے اور زمین مرہن پر نہ رکھے تو جائز نہیں؛ کیونکہ کھیتی بھی زمین کے ساتھ پیدائشی طور پر متصل ہے یہاں بھی مرتہن کا مکمل قبضہ نہیں ہو سکے گا۔ جو آیت کی رو سے ضروری تھا۔

سوال نمبر (۸۷)، مختصر القدوری

وَإِنْ هَلَكَ الْأَصْلُ وَبَقِيَ النَّمَاءُ اِفْتَكَّهُ الرَّاهِنُ بِحِصَّتِهٖ وَيُقَسَّمُ الدَّيْنُ عَلٰى قِيمَةِ الرَّاهِنِ يَوْمَ الْقَبْضِ وَعَلٰى قِيمَةِ النَّمَاءِ يَوْمَ الْفِكَاكِ فَمَا اَصَابَ الْاَصْلَ سَقَطَ مِنَ الدَّيْنِ بِقَدْرِهٖ وَمَا اَصَابَ النَّمَاءَ اِفْتَكَّهُ الرَّاهِنُ بِهٖ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عبارت کی تشریح کریں۔

(ج) رہن میں زیادہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(د) دین میں زیادہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ائمہ کرام کا اختلاف نقل کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور اگر ہلاک ہوگئی اصل، اور باقی رہی بڑھوتری تو چھڑائے اس کو راہن اس کا حصہ دے کر اور دین تقسیم کیا جائے گا رہن کی قیمت پر قبضہ کے دن اور بڑھوتری کی قیمت پر چھڑانے کے دن؛ چنانچہ جو اصل کے مقابلہ میں آئے ساقط ہو جائے گی دین سے اس کی مقدار اور جو بڑھوتری کے مقابلہ پر آئے چھڑائے گا اس کو راہن ادا کر کے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب) عبارت کی تشریح:

امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر اصل شی مرہون ہلاک ہوگئی اور اضافہ شدہ چیز باقی رہی تو اس کو قرض کی مقدار کے حساب سے چھڑایا جائے گا؛ کیونکہ اب تابع نہیں رہی؛ بلکہ اس نے اصل کی حیثیت اختیار کرلی اور تابع جب اصل ہوجائے تو اس کے مقابلہ میں قیمت آجایا کرتی ہے۔ متن کے مسئلہ میں اصل اور بڑھوتری دونوں کو رہن مانا ہے؛ لیکن اصل ہلاک ہونے پر قرض کٹے گا اور بڑھوتری ہلاک ہونے پر قرض نہیں کٹے گا، اصل کی قیمت اس دن کی لگائی جائے گی جس دن مرتہن نے اصل پر قبضہ کیا تھا اور بڑھوتری کی قیمت اس دن کی لگائی جائے گی جس دن بڑھوتری کی قیمت ادا کرکے مرتہن کے ہاتھ سے چھڑا رہا ہے؛ کیونکہ بڑھوتری تو ہر دن بڑھ رہی ہے؛ اس لیے آخری دن کی قیمت لگے گی مثلاً مرتہن کے راہن پر نوسو روپے قرض تھے راہن نے ایک ہزار روپے کی بکری رہن پر رکھی اس کے بعد بچہ پیدا ہوا جس کی قیمت چھڑانے کے دن پانچ سو روپے تھی پھر بکری ہلاک ہوگئی جو ہزار روپے کی تھی تو اب دین کو دونوں کی قیمت پر تین تہائی میں تقسیم کیا جائے گا گویا کہ قرض کی دو تہائی ہلاک ہوگئی یعنی چھ سو روپے ساقط ہوجائیں گے اور دین کا ایک تہائی یعنی تین سو روپے راہن مرتہن کو ادا کرے گا اور بکری کا بچہ واپس لے گا۔

(ج) رہن میں زیادہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

راہن نے ایک کپڑا دس روپے میں رہن رکھا تھا اس کے بعد اس نے ایک اور کپڑا رہن رکھ دیا تو یہ اضافہ درست ہے اب دونوں کپڑے دس روپے میں رہن رہیں گے اور جب ہلاک ہوں گے تو دونوں کی قیمت پر دین کو کاٹا جائے گا ایک پر دین کو نہیں کاٹا جائے گا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(د) دین میں زیادہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ائمہ کرام کا اختلاف:

اگر قرض میں اضافہ کیا گیا تو اس صورت میں طرفین اور امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ نو روپے قرض لیے تھے اور اس کے بدلے دس روپے کی کتاب رہن پر رکھی اب اس مرہونہ کتاب کے بدلے مزید تین روپے قرض لینا چاہتا ہے تو طرفین کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے مرتہن تین روپے مزید قرض دے دے یہ ٹھیک ہے؛ لیکن یہ کتاب کے بدلے نہیں ہوں گے؛ بلکہ یہ تین روپے بغیر رہن کے ہوں گے۔

دلیل: آیت ﴿فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ﴾ کا تقاضہ یہ ہے کہ کتاب پہلے دین میں مکمل مقبوض ہے؛ اس لیے دوسرا دین اس میں شامل نہیں ہوگا۔

امام ابو یوسفؒ کا مذہب: آپ فرماتے ہیں کہ دین میں زیادتی کرنا جائز ہے یعنی تین روپے دوسرا دین بھی مرہونہ کتاب کے تحت آجائے گا۔

دلیل: دین ثمن کی طرح ہے اور رہن مبیع کی طرح ہے تو جس طرح ثمن کے اندر بعد میں اضافہ کرسکتے ہیں اور وہ اضافہ مبیع کے تحت شامل ہوجاتا ہے اسی طرح دین میں بھی اضافہ کرسکتے ہیں اور وہ رہن کے تحت شامل ہوجائے گا۔

اختلاف کا ثمرہ:

طرفینؒ کے نزدیک اگر کتاب ضائع ہوگئی تو صرف پہلے دین نو روپے میں سے کٹے گا دوسرے دین تین روپے میں سے کچھ نہیں کٹے گا؛ کیونکہ وہ بغیر رہن کے تھے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر کتاب ہلاک ہوگئی تو دونوں دین سے اس کی قیمت کٹے گی پہلے دین سے بھی اور دوسرے دین سے بھی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال نمبر (۸۸)، مختصر القدوری

وَقَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَايُحْجَرُ عَلَى السَّفِيْهِ إِذَاكَانَ عَاقِلًا بَالِغًا حُرًّا وَتَصَرُّفُهُ فِيْ مَالِهٖ جَائِزٌ وَإِنْ كَانَ مُبَذِّرًا مُفْسِدًا يُتْلِفُ مَالَهُ فِيْ مَالَاغَرَضَ لَهُ فِيْهِ وَلَامَصْلَحَةَ مِثْلُ اَنْ يُتْلِفَهُ فِي الْبَحْرِ اَوْيُحْرِقَهُ فِي النَّارِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عبارت کی تشریح کریں۔

(ج) مذکورہ مسئلہ میں امام صاحب اور صاحبین کے مسلک کی وضاحت کریں۔

(د) حجر کی لغوی اور اصطلاحی تعریف نقل کریں۔

(ھ) اسبابِ حجر کتنے ہیں؟ تحریر کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور فرمایا امام ابوحنیفہؒ نے نہیں حجر کیا جائے گا بے وقوف پر جبکہ وہ عاقل، بالغ، آزاد ہو اور اس کا تصرف اس کے مال میں جائز ہے اگر چہ وہ فضول خرچ اور مفسد ہو اپنے مال کو ضائع کرتا ہو ان چیزوں میں جن میں نہ کوئی اس کی غرض ہے اور نہ مصلحت مثلاً مال ڈبوتا ہو سمندر میں یا اس کو آگ میں جلاتا ہو۔

(ب) عبارت کی تشریح:

اس مقام پر علامہ بدرالدین عینی نے شرح ہدایہ میں تحریر کیا ہے کہ اس سے قبل حجر فی التصرف کے تین متفق علیہ اسباب کا تذکرہ کیا گیا ہے اب اس مقام پر اس کا چوتھا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سبب ''سفاہت'' کو بیان کر رہے ہیں جو مختلف فیہ ہیں؛ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آزاد عاقل بالغ ہے؛ لیکن بے وقوف ہے اور زیادہ خرچ کرتا ہے تو اس پر حجر نہیں کیا جائے گا اس لیے اگر وہ خرید وفروخت کرے تو وہ معتبر ہوگی پھر مزید فرماتے ہیں کہ اگر وہ بے وقوف ایسی جگہ مال خرچ کرتا ہو جہاں نہ کوئی غرض ہو اور نہ مصلحت ہو مثلاً سمندر میں مال پھینک دیتا ہے یا آگ میں جلا دیتا ہے پھر بھی اس پر حجر نہیں کیا جائے گا۔

دلیل: معاملات کرنے کا دارومدار عقل، بلوغ اور آزادی پر ہے اور یہ تینوں چیزیں اس میں موجود ہیں، ہاں! اگر عقل ہی نہ ہو تو جنونیت کی وجہ سے حجر ہوگا۔

(ج) مذکورہ مسئلہ میں امام صاحب اور صاحبین کے مسلک کی وضاحت:

ایک شخص نادان تھا اور اب بالغ ہوا اور بلوغیت کے بعد بھی نفع اور نقصان کے درمیان امتیاز پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں ہوئی تو اس کے متعلق امام صاحب فرماتے ہیں کہ ایسے شخص پر حجر تو نہ کیا جائے؛ لیکن اس کو پچیس سال تک مال سپرد نہ کیا جائے تاکہ وہ مال کو غلط خرچ نہ کرے اور پچیس سال کے بعد چاہے سمجھداری کے آثار ظاہر نہ ہوئے ہوں پھر بھی مال اس کے حوالے کر دیا جائے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ پچیس سال میں آدمی دادا بن جاتا ہے مثلاً بارہ سال کی عمر میں بالغ ہوا پھر اس نے کسی عورت سے شادی کی اور چھ ماہ میں بچہ ہوگیا اس بچہ نے بارہ سال کی عمر میں شادی کی پھر اس کو بچہ ہوا تو آدمی پچیس سال میں دادا بن جائے گا لہٰذا پچیس سال کے بعد مال روکنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ (الجوہرۃ النیر ۵:۲۹۵)

(د) حجر کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

حجر کی لغوی تعریف: لغت کے اعتبار سے حجر کے معنیٰ روکنے کے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: کسی کو تصرف قولی سے روک دینا ایسے طریقے پر کہ غیر اس

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کے قائم مقام ہو جائے یا بالفاظِ دیگر کسی آدمی کو خرید وفروخت اور معاملات کرنے سے روک دے تاکہ دوسرے کو نقصان نہ ہو جیسے بچے کو خرید وفروخت کرنے سے روک دے تاکہ اس کی بے وقوفی کی وجہ سے ولی کو نقصان نہ ہو۔

(ھ) اسبابِ حجر کتنے ہیں؟

صاحبِ کتاب فرماتے ہیں کہ تین اسباب ایسے ہیں جن سے حجر ہوتا ہے اور انسان کو خرید وفروخت سے روک دیا جاتا ہے:

(۱) نابالغ ہونا: چونکہ بچپن میں عقل کی کمی ہوتی ہے اس کو اتنی خبر ہی نہیں ہوتی کہ اچھی چیز خرید رہا ہوں یا بُری چیز؛ اس لیے نابالغ کو خرید وفروخت کرنے سے روک دیا جائے گا۔

(۲) باندی یا غلام ہونا ان میں عقل تو ہوتی ہے؛ لیکن ان کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ ان کے آقا کا ہوتا ہے تو آقا کے حق کی رعایت کے پیشِ نظر ان کو بھی معاملہ کرنے سے روکا جائے گا۔

(۳) دیوانہ ہونا: چونکہ مجنون میں بھی عقل نہیں ہے؛ اس لیے اس کو بھی معاملہ کرنے سے روکا جائے گا۔

سوال نمبر (۸۹)، مختصر القدوری

وَاِنْ قَالَ اِنْ خِطَّتَهُ الْيَوْمَ فَبِدِرْهَمٍ وَاِنْ خِطَّتَهُ غَدًا فَبِنِصْفِ دِرْهَمٍ فَاِنْ خَاطَهُ الْيَوْمَ فَلَهُ دِرْهَمٌ وَاِنْ خَاطَهُ غَدًا فَلَهُ اُجْرَةُ مِثْلِهِ عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَايَتَجَاوَزُ بِهٖ نِصْفَ دِرْهَمٍ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ الشَّرْطَانِ جَائِزَانِ وَاَيُّهُمَا عَمِلَ اِسْتَحَقَّ الْاُجْرَةَ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب) اجارہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کریں۔

(ج) اجیر کی کتنی قسمیں ہیں اور ہر ایک کی تعریف نقل کریں۔

(د) عبارت کی تشریح کریں۔

(ھ) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل تحریر کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور اگر کہا کہ اگر آج سے تو ایک درہم میں ہوگا اور اگر کل سیے گا تو نصف درہم میں ہوگا اگر آج ہی سی دیا تو اس کے لیے ایک درہم ہے اور اگر کل سیا تو اس کے لیے اُجرتِ مثل ہوگی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور نہیں بڑھے گی آدھے درہم سے اور کہا صاحبین نے کہ دونوں شرطیں جائز ہیں اور جونسا بھی کام کرے گا اسی کی اُجرت کا مستحق ہوگا۔

(ب) اجارہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

اجارہ کی لغوی تحقیق: اجارہ لغت کے اعتبار سے اُجرت کا اسم ہے۔ اس مزدوری کو کہتے ہیں کہ جس کا استحقاق عمل خیر ہو؛ لیکن اکثر اس کا استعمال ایجار مصدر کے معنیٰ میں ہوتا ہے اور اسم فاعل اس معنیٰ میں نہیں آتا بعض اہلِ لغت کے نزدیک اجارہ فعالہ کے وزن پر مفاعلت سے ہے، الغرض اختلاف اس بات میں ہے کہ لفظ اجارہ بابِ افعال سے ہے یا بابِ مفاعلۃ سے؟ صاحبِ کشاف علّامہ زمخشری نے دونوں بابوں سے تسلیم کیا ہے۔ (حاشیہ قدوری:٦)

اصطلاحی تعریف: اجارہ وہ عقد ہے جو معلوم معاوضہ پر منافع معلومہ پر ہوتا ہے خواہ عوض مالی ہو یا غیر مالی مثلاً گھر کی رہائش کے منافع چوپایہ کی سواری کے عوض دینا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

صاحب جوہرۃ النیرہ نے یہ تعریف کی ہے: اجارہ ایسا عقد ہے جو منافع پر مال کے عوض ہوتا ہے اور منافع جس قدر پائے جائیں اسی حساب سے اجارہ منعقد ہوتا رہتا ہے۔

(ج) اجیر کی قسمیں اور ہر ایک کی تعریف:

اجیر کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اجیر مشترک: جو کسی متعین شخص کا اجیر نہ ہو مثلاً درزی، دھوبی جو اپنی جگہ رہ کر کام کرتا ہے اس کو اُجرت کام کر دینے پر ملے گی؛ چونکہ یہ بیک وقت کئی آدمیوں کا کام لیتا ہے اس لیے اس کو اجیر مشترک کہتے ہیں۔

(۲) اجیر خاص: جس کا دوسرا نام اجیر واحد ہے اس کو کہتے ہیں جو ایک وقت معین تک صرف ایک مستاجر کا کام کرے اور کسی دوسرے کا نہیں جیسے صبح سے شام تک مزدور اُجرت پر لیتے ہیں یا مثلاً ایک ماہ تک مالک کی خدمت کرے گا یا ایک ماہ تک مالک کی بکری چرائے گا تو یہ اجیر مشترک نہیں اجیر خاص ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ کام کم کرے یا زیادہ کرے یا نہ کرے صرف صبح سے شام تک مستاجر کو سپرد کر دے اسی سے وہ اُجرت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

(د) عبارت کی تشریح:

کسی نے درزی سے یوں کہا کہ اگر آج سیو گے تو ایک درہم اُجرت ہوگی اور کل سیو گے تو آدھا درہم اُجرت ہوگی تو امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر آج سی دیا تو ایک درہم ملے گا اور کل سیا تو آدھا درہم نہیں ملے گا؛ بلکہ بازار میں اس کپڑے کو سینے کی جو اُجرت ہو سکتی ہے وہ اُجرت ملے گی؛ البتہ وہ بھی آدھے درہم سے زیادہ نہ ہو۔

(ھ) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل:

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ آج سیو گے تو ایک درہم یہ جلدی کرنے کے لیے ہے:

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اس لیے اجارہ درست ہوگیا اور آج سینے پر ایک درہم مل جائے گا؛ لیکن اگر کہا کہ کل سیے گا تو آدھا درہم اُجرت ہوگی یہ تعلیق کے لیے ہے اور اجارہ معلق ہوجائے تو بات طے نہیں ہوتی؛ اس لیے اجارہ فاسد ہوگیا اور جب اجارہ فاسد ہوجائے تو قاعدہ یہ ہے کہ بازار میں جو اُجرت ہوسکتی ہے وہ ملتی ہے؛ اس لیے بازار کی اُجرت ملے گی؛ لیکن کل سینے پر دونوں کے درمیان آدھا درہم طے ہے؛ اس لیے بازار کی اُجرت بھی آدھے درہم سے زیادہ نہ ہو۔

صاحبین کا مذہب: آج کی شرط لگائے یا کل کی دونوں شرطیں درست ہیں؛ اس لیے جو بھی عمل کرے گا شرط کے مطابق وہ اُجرت ملے گی۔ (ماخوذ اللباب:۲/۳۵)

سوال نمبر (۹۰)، مختصر القدوری

وَلَايَجُوْزُ الْاِسْتِيْجَارُ عَلَى الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ وَتَعْلِيْمِ الْقُرْآنِ وَالْحَجِّ وَلَايَجُوْزُ الْاِسْتِيْجَارُ عَلَى الْغِنَاءِ وَالنَّوْحِ وَلَايَجُوْزُ اِجَارَةُ الْمُشَاعِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِجَارَةُ الْمُشَاعِ جَائِزَةٌ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) صورتِ مسئلہ کو واضح کریں۔

(ج) مشترکہ چیز کے اُجرت رکھنے کا کیا حکم ہے؟ مع اختلافِ ائمہ تحریر کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور نہیں جائز ہے اُجرت لینا اذان واقامت، قرآن کی تعلیم اور حج کرنے پر

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اور نہیں جائز ہے اُجرت لینا گانے اور نوحہ کرنے پر اور نہیں جائز ہے مشترک چیز کا اُجرت پر رکھنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور فرمایا صاحبینؒ نے مشترک چیز کا اجارہ جائز ہے۔

(ب) صورتِ مسئلہ:

اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ متقدمین اصحابِ مذہب کے نزدیک قرآن کریم کی تلاوت یا تعلیم امامت وغیرہ عبادات پر اُجرت کا لین دین مطلقاً ناجائز ہے؛ لیکن حضرات متاخرین نے فسادِ زمانہ کی وجہ سے اور عام ضرورت کے پیش آنے کی وجہ سے اور سلسلہ تعلیم وتعلم کے منقطع ہونے اور دین کے ضیاع کے خوف سے تعلیم قرآن پر اُجرت لینا مباح قرار دیا ہے اسی طرح اذان واقامت میں بھی ضرورت کی بنیاد پر اجارہ کی صحت کا قول کیا ہے یہ مسئلہ کی اصل نوعیت ہے؛ مگر صاحب السراج الوہاج الوجوہرۃ النیرۃ کو دھوکہ ہوا اور انہوں نے محض تلاوتِ قرآن کی اُجرت کے جواز کو متاخرین کا مفتیٰ بہ قول قرار دے دیا ان کے بعد جتنے بھی مصنفین آئے وہ سب اکثر اسی کی تائید اور نقل کرتے رہے حتیٰ کہ بہت سے لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ متاخرین مطلقاً اطاعت پر اُجرت کے جواز کے قائل ہیں اور بعض نے یہ تخریج کی کہ اجرت پر حج کو بھیجنے کا معاملہ بھی جائز ہے؛ حالانکہ یہ سب تفصیل غلط ہے اجارہ کا جواز تعلیمِ قرآن کے سات ہے نہ کہ تلاوتِ قرآن کے ساتھ اور متاخرین نے اجارہ علی الطاعات کی حرمت سے جن چیزوں کو مستثنیٰ کیا ہے ان میں تلاوت داخل نہیں ہے؛ کیونکہ اباحت کا مدار ضرورت پر ہے جو تعلیم وتعلم، امامت اور اذان میں تو پائی جاتی ہے؛ مگر تلاوت محضہ میں یہ ضرورت مبیحہ متحقق نہیں ہے؛ بلکہ اُجرت پر تلاوت کو جائز قرار دینے میں اور بہت سی خرابیاں پائی جاتی ہیں، مثلاً اس کی بنا پر قرآن کو کمائی کا ذریعہ بنالیا ہے اور اللہ کے کلام کو محض ریاکاری اور دنیاداری کے طور پر پڑھا جانے لگا ہے وغیرہ وغیرہ اس مسئلہ کو علامہ شامی نے اپنے ایک

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

مستقل رسالہ "شفاء العليل وبل الغليل في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل" میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

(ج) مشترکہ چیز کے اُجرت رکھنے کا حکم مع اختلافِ ائمہ:

زید اور خالد کے درمیان ایک مکان مشترک ہے ابھی تقسیم نہیں ہوا ہے اب زید اپنے حصہ کو اُجرت پر رکھنا چاہتا ہے اور خالد نہیں رکھنا چاہتا تو امام صاحبؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے، صاحبینؒ کے نزدیک مشترک چیز کو اُجرت پر رکھنا جائز ہے۔

امام صاحب کی دلیل: جب خالد کا حصہ زید کے ساتھ ہے تو زید کرایہ دار کو اپنا گھر سپرد نہیں کرے گا جس کی وجہ سے کرایہ دار فائدہ نہیں اُٹھا سکے گا لہٰذا مشترک چیز کو مکمل سپرد کرنا ممکن نہیں؛ اس لیے اس کا اجارہ درست نہیں۔

صاحبینؒ کی دلیل: اجارہ کا دارومدار نفع پر ہے اور مشترک میں منفعت ہوتی ہے۔

نوٹ: اگر دونوں شریک مل کر اُجرت پر رکھیں تو جائز ہے؛ کیونکہ اب کرایہ دار کو مکمل حوالہ کرنا ممکن ہے۔

سوال نمبر (۹)، مختصر القدوری

وَإِنْ قَالَ صَاحِبُ الثَّوْبِ عَمِلْتَهُ لِي بِغَيْرِ أُجْرَةٍ وَقَالَ الصَّانِعُ بِأُجْرَةٍ فَالْقَوْلُ قَوْلُ صَاحِبِ الثَّوْبِ مَعَ يَمِينِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِنَّ الْمَنَافِعَ لَا قِيمَةَ لَهَا إِلَّا مِنْ جِهَةِ الْعَقْدِ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ إِنْ كَانَ حَرِيفًا لَهُ فَلَهُ الْأُجْرَةُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ إِنْ كَانَ الصَّانِعُ مُبْتَذِلًا لِهٰذِهِ الصَّنْعَةِ بِالْأُجْرَةِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ إِنَّهُ عَمِلَهُ بِأُجْرَةٍ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عبارت کی تشفی بخش تشریح کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل ذکر کریں۔

(د) اجارہ فاسد کی صورت میں کونسی اُجرت ہوگی؟ ائمہ کے اختلاف کے ساتھ نقل کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اگر کپڑے والا کہے کہ تو نے کام کیا ہے، میرے لئے بلا اجرت کاریگر نے کہا کہ اجرت کے ساتھ تو کپڑے والے کے قول کا اعتبار ہوگا اس کی قسم کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اگر اس کا پیشہ ہی یہ تو اس کے لئے اجرت ہوگی، اور اگر اس کا پیشہ نہیں ہے تو اس کے لئے اجرت نہیں ہے، اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر کاری گر اس کام کو اجرت کے ساتھ کرنے میں مشہور ہو تو اسی کی بات مانی جائے گی، اس کی قسم کے ساتھ کہ اس نے اجرت سے ہی کیا ہے۔

(ب) عبارت کی تشریح:

کپڑے والا کہتا ہے کہ آپ نے یہ کام میرے لئے بغیر اجرت کے کیا ہے اور کام کرنے والا کہتا ہے، کہ اجرت پر کیا ہے مفت نہیں کیا ہے اور کام کرنے والے کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے تو امام صاحبؒ کے نزدیک کپڑے والے کا قول معتبر ہوگا اسی کی قسم کے ساتھ وار کام کرنے والے کو اجرت نہیں ملے گی۔

دلیل: اجیر کام کرکے اجرت کا دعویٰ کر رہا ہے اس لیے وہ مدعی ہے اور کپڑے والا اس کا انکار کر رہا ہے اس لیے وہ منکر ہے اور اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے اس لیے کپڑے والے کا قول معتبر ہوگا۔

(اللباب:۳۹/۲، عینی:۶۸۵/۳)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل:

امام ابو یوسفؒ کا مذہب: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس کاریگر کا پیشہ ہی یہ ہے تو اجرت واجب ہوگی، ورنہ نہیں پیشہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہی کام کرتا ہے اور ایک مطلب یہ ہے کہ کپڑے والے کو پہلے بھی ایک مرتبہ اجرت پر کام کر کے دیا تھا اس لیے کاریگر سمجھتا تھا، کہ پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی اجرت ملے گی۔

دلیل: پیشہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اجرت پر ہی کام کرتا ہے اس لیے اس ظاہری دلیل کی وجہ سے اس کو اجرت ملے گی۔ (عینی:۳/۶۸۵)

امام محمدؒ کا مذہب: اگر کاریگر اس پیشہ کی دوکان کھولے ہوئے ہے اور اجرت پر کام کرنے میں مشہور ہے تو اس کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی، کہ اس نے اجرت سے ہی وہ کام کیا ہے۔

دلیل: مشہور ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اجرت کے بدلے ہی کام کیا ہوگا مفت نہیں، درمختار میں فتوی امام صاحبؒ کے قول پر نقل کیا ہے اور زیلعی تبیین الحقائق وغیرہ میں امام محمد کے قول پر فتوی لکھا ہے

(د) اجارہ فاسد کی صورت میں کونسی اُجرت ہوگی؟ مع اختلافِ ائمہ:

اگر کسی وجہ سے اجارہ فاسد ہوجائے تو اب بازار میں اس کام کی جو اُجرت ہوسکتی ہے وہ اُجرت اجیر کو ملے گی، اسی کو اجرتِ مثل کہتے ہیں۔

دلیل: جب اجارہ ہی فاسد ہوگیا تو گویا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی معاملہ ہی نہیں ہوا ہے؛ اس لیے اب بازار کے عرف پر اُجرت طے ہوگی؛ لیکن چونکہ اجیر پہلے ایک متعین اُجرت پر راضی ہوگیا ہے؛ اس لیے اُجرتِ مثل اگر متعین کردہ اُجرت سے زیادہ ہو تو اُجرت مثل نہ دی جائے؛ بلکہ متعین کردہ اُجرت دی جائے گی؛ کیونکہ اجیر کم اُجرت پر راضی ہوگیا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ائمہ ثلاثہؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک اُجرتِ مثل دی جائے گی اگر چہ متعین کردہ اُجرت سے زیادہ ہو۔

دلیل: اگر بیع فاسد ہو جائے تو اس میں مبیع کی قیمت وجب ہوتی ہے خواہ کتنی ہی ہو ایسے ہی اجارہ فاسدہ میں بھی اُجرت مثل ہی دی جائے گی خواہ متعین کردہ سے بڑھ جائے، اس دلیل کا دارومدار اِس بات پر ہے کہ منافع ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اعیان کے مانند ہے۔

جواب: احناف یہ فرماتے ہیں کہ مناع اعراض ہیں یعنی قائم بالغیر ہیں اور اعراض دوزمانہ باقی نہیں رہتے اور جو چیز دوزمانہ باقی نہ رہتی ہو وہ محرز نہیں ہوتی یعنی اس کو وقت ضرورت کے لیے ذخیرہ نہیں کیا جا سکتا اور جو چیز غیر محرز ہوتی ہے وہ غیر متقوم ہوتی ہے نتیجہ نکلا کہ منافع غیر متقوم ہیں؛ لیکن عقد کی وجہ سے متقوم ہوتے ہیں اور عقد میں خود متعاقدین نے متعین اُجرت پر اتفاق کر کے زائد مقدار کو ساقط کر دیا؛ اس لیے زائد مقدار کا اعتبار نہ ہوگا۔ (عینی شرح ہدایہ:۳/۶۴۸)

سوال نمبر (۹۲)، مختصر القدوری

اَلشُّفْعَةُ وَاجِبَةٌ لِلْخَلِيْطِ فِيْ نَفْسِ الْمَبِيْعِ ثُمَّ لِلْخَلِيْطِ فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ كَالشِّرْبِ وَالطَّرِيْقِ ثُمَّ لِلْجَارِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) شفعہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف نقل کریں۔

(ج) کن لوگوں کو شفعہ ملتا ہے ترتیب وار بیان کریں۔

(د) شفعہ جار میں ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل تحریر کریں۔

(ہ) حق شفعہ کب ہوگا؟

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(الف) ترجمة

حق شفعہ ثابت ہے نفس مبیع میں شریک کے لیے پھر حق مبیع میں شریک کے لیے مثلاً پانی اور راستہ کا شریک پھر پڑوسی کے لیے۔

(ب) شفعہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

شفعہ کی لغوی تحقیق: شفعة فعْلَةٌ کے وزن پر مفعول کے معنیٰ میں ہے اس کے معنیٰ ہیں ملانا؛ چونکہ شفیع اپنی زمین کے ساتھ دوسرے کی زمین کو ملا ملیتا ہے؛ اس لیے اس کو شفعہ کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: دو شخص مثلاً کسی گھر میں شریک ہیں اب ایک شخص کسی دوسرے کے ہاتھ اپنا حصہ فروخت کرنا چاہتا ہے تو اب دوسرے شخص کو جو شریک ہے یہ حق ہے وہ اس کو روک دے اور خود خرید لے اس قیمت پر جس پر دوسرے کو بیچ رہا تھا۔

(ج) کن لوگوں کو شفعہ ملتا ہے ترتیب وار:

جن لوگوں کو شفعہ ملتا ہے اتصال کی بنیاد پر ملتا ہے اور اتصال میں تین فریق شامل ہیں:

(۱) جس کی عین مبیع میں شرکت ہو مثلاً ایک مکان دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھا آدھا ایک کا ہے اور آدھا دوسرے کا ہے اس کو مبیع میں شریک کہتے ہیں اب اگر ایک شریک اپنا حصہ کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کردے تو دوسرے شریک کو خریدنے کا زیادہ حق ہے اگر کسی دوسرے کو خریدنے کا حق دے دیا جائے تو اس کو نقصان ہوگا معلوم نہیں کہ اس کے عادات واخلاق کیسے ہوں۔

(۲) شرکت تھی مگر اب بٹوارہ ہو گیا اور سب نے اپنا حصہ علیحدہ کرلیا تھا؛ لیکن

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

زمین میں اپنے کا راستہ یا زمین میں پانی آنے کی نالی میں شرکت باقی ہے ان کو حق مبیع میں شریک کہتے ہیں اب نفس مبیع میں شریک نے حق شفعہ چھوڑ دیا تو حق مبیع میں جو شریک ہے اس کو شفعہ ملے گا۔

(۳) ایسا پڑوسی جو مشفوعہ مکان کی پشت پر ہو اگر چہ اس کا دروازہ دوسری گلی میں ہو (اس میں وہ پڑوسی شامل نہیں ہے جس کا مکان سامنے ہو اور درمیان میں آر پار راستہ ہو اگر چہ دونوں مکان کے دروازے قریب قریب ہوں؛ کیونکہ درمیان کا آر پار راستہ کچھ نہ کچھ نقصان کو دور کرتا ہے) ان کو تیسرے نمبر پر حق شفعہ ملے گا مبیع میں شریک اور حق مبیع میں شریک نہ لیں تو اب پڑوسی کو حق ہوگا۔

(د) شفعہ جار میں ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل:

شریک فی نفس المبیع اور شریک فی حق المبیع کے لیے شفعہ ہونا تو اجماعی مسئلہ ہے؛ لیکن پڑوسی کو حق شفعہ ملے گا یا نہیں؟ اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک پڑوس کی وجہ سے پڑوسی کو حق شفعہ نہیں ملے گا۔

دلیل: عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ مَالَمْ يُقْسَمْ فَإِذَاوَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَصُرِفَتِ الطُّرُقُ فَلَاشُفْعَةَ. (بخاری شریف:۱/۳۰۰)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفعہ کا فیصلہ کیا ہر اس چیز میں جو تقسیم نہ کی گئی ہو پھر جب حدود متعین ہو جائیں اور راستے بدل جائیں تو کوئی شفعہ نہیں ہے۔

اس میں جار جوار کا کوئی ذکر نہیں ہے صرف شریک کا ذکر ہے معلوم ہوا کہ پڑوسی کو شفعہ نہیں ملے گا؛ نیز اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب شر ختم ہو جائے اور دونوں کے راستے الگ الگ ہو جائیں یعنی مبیع کے راستے میں بھی شرکت نہ ہو تو اب شفعہ نہیں ہوگا۔

جواب: مذکورہ حدیث میں جو "فَلَاشُفْعَةَ" کے ذریعہ شفعہ سے منع کیا گیا ہے،

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیں واقع ہو جانے اور تقسیم ہو جانے کے بعد اور راستے جدا ہو جانے کے بعد شرکت کی بنیاد پر شفعہ نہیں ملے گا؛ کیونکہ تقسیم کی وجہ سے شرکت ختم ہوگئی؛ البتہ پڑوس کی بنیاد پر شفعہ کا حق باقی ہے۔ (بذل المجہود:۴/۲۹۱، تنظیم الاشتات:۲/۱۴۷)

(ھ) حق شفعہ کب ہوگا؟

صاحبِ قدوریؒ فرماتے ہیں کہ حق شفعہ اس وقت ہوتا ہے جب بائع اس زمین یا مکان کو فروخت کر رہا ہو اور اپنی ملکیت سے نکال رہا ہو تب شفیع کو حق شفعہ کے ذریعہ سے اس کو لینے کا حق ہوتا ہے؛ البتہ اس شفعہ میں پختگی اس وقت آئے گی جبکہ شفیع فروختگی کی اطلاع ملنے پر فوراً اسی مجلس میں شفعہ کے طلب پر گواہ قائم کرے؛ کیونکہ آگے اس کو قاضی کے یہاں اپنے لیے شفعہ کا فیصلہ بھی کروانا ہے اور اس کے ثبوت میں شہادت کی ضرورت پیش آئے گی، اگر اس نے اس بات پر گواہ نہیں بنایا (کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے اس مکان میں شفعہ طلب کیا ہے)) تو حق شفعہ باطل ہو جائے گا، پھر صاحبِ کتاب فرماتے ہیں کہ شفیع اس دار مشفوعہ پر قبضہ کرنے کے بعد مکمل مالک ہو جاتا ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ مشتری مبیع کو شفیع کے حوالہ کردے یا قاضی فیصلہ کردے کہ یہ مبیع شفیع کی ہے تب ہی شفیع اس مبیع کا مالک ہوگا؛ کیونکہ مشتری اس مکان کا مالک ہو چکا ہے اور اس کی ملکیت تام ہے اب اس مکان کو اس کی ملکیت سے نکالنے کے لیے رضامندی سے سپردگی پائی جائے یا حاکم کا فیصلہ پایا جائے۔

سوال نمبر (۹۳)، مختصر القدوری

وَإِذَاعَـلِمَ الشَّفِيْعُ بِالْبَيْعِ اَشْهَدَ فِيْ مَجْلِسِهٖ ذَالِکَ عَلَى الْمُطالَبَةِ ثُـمَّ يَنـهَـضُ مِنْهُ فَيُشْهِدُ عَلَى الْبَائِعِ إِنْ كَانَ الْمَبِيْعُ فِيْ يَدِهٖ اَوْعَلَى الْمُبْتَاعِ اَوْعِنْدَالْعَقَارِ فَإِذَافَعَلَ ذَالِکَ اِسْتَقَرَّتْ شُفْعَتُهٗ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب) عبارت کی تشریح کرتے ہوئے طلب کی قسمیں بیان کریں۔
(ج) کیا طلب خصومت میں تاخیر کی وجہ سے شفعہ باطل ہو جاتا ہے؟ ائمہ کرام کے اختلاف کے ساتھ تحریر کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور جب شفیع کو بیع کا علم ہو تو گواہ بنالے اسی مجلس میں مطالبہ پر پھر وہاں سے اُٹھ کر گواہ بنائے بائع پر اگر مبیع اس کے قبضہ میں ہو یا مشتری پر یا زمین کے پاس جب شفیع یہ کام کر چکا تو اس کا حق شفعہ پختہ ہو گیا۔

(ب) عبارت کی تشریح اور طلب کی قسمیں:

شفعہ کا ثبوت چونکہ طلب پر موقوف ہے؛ اس لیے اس عبارت میں اس کی کیفیت اور تقسیم بیان کر رہے ہیں، طلب کی تین قسمیں ہیں: (۱) طلبِ مواثبت (۲) طلبِ اشہاد (۳) طلبِ خصومت۔ صاحبِ کتاب نے اس عبارت میں اوّل اور دوم کو بیان کیا ہے، سوم آگے بیان کریں گے۔

طلبِ مواثبت: جیسے ہی شفیع کو بکنے کا علم ہو کہ میرے شریک یا پڑوسی نے فلاں مکان فروخت کر دیا تو اس پر ضروری ہے کہ اسی مجلس میں فوراً اپنا شفعہ طلب کرے اس کی صورت یہ ہے کہ شفیع یوں کہے کہ فلاں شخص نے فلاں شخص کو اپنا مکان فروخت کر دیا میں اس کا شفیع ہوں اس مکان کو خریدنا چاہتا ہوں اس طلب کو، طلبش مواثبت کہتے ہیں؛ چونکہ یہ طلب عجلت اور فوریت کو چاہتی ہے؛ اس لیے اس کا نام طلبِ مواثبت ہے۔

طلبِ اشہاد: جب شفیع مجلس علم میں طلب مواثبت کر چکا تو اس کو چاہیے کہ اب باہر نکل کر بائع کے پاس آئے اور گواہ قائم کرے اگر مبیع بائع کے قبضہ میں ہو یا مشتری

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کے پاس گواہ قائم کرے اگر مبیع اس کے قبضہ میں ہو یا پھر زمین جائداد کے پاس جا کر گواہ بنائے اس کا طریقہ یہ ہے کہ شفیع یوں کہے کہ فلاں نے اس گھر کو خرید لیا اور میں اس کا شفیع ہوں اور میں نے شفعہ طلب کیا تھا اور اب بھی کر رہا ہوں تم اس کے اوپر گواہ رہو اس طلب کو طلبِ تقریر اور طلبِ استحقاق بھی کہتے ہیں، ان دونوں طلبوں کے بعد شفعہ میں پختگی آجائے گی؛ مگر مملوک نہیں ہوگا یہاں تک طلب کی دو قسموں کا ذکر آچکا ہے۔

تیسری قسم طلبِ الخصومۃ: ہے، اور اس کا دوسرا نام طلب التملک ہے یہ طلب قاضی کے سامنے ہوگی اس کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

(ج) کیا طلب خصومت میں تاخیر کی وجہ سے شفعہ باطل ہو جاتا ہے؟

ماقبل میں گزر چکا ہے کہ طلبِ مواثبت اور طلبِ اشہاد کے بعد شفعہ میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے اب مسئلہ یہ ہے کہ تیسری طلب (طلبِ خصومت) میں تاخیر ہو جانے سے شفعہ باطل ہوگا یا نہیں؟ اس بارے میں تو یں اتفاق ہے کہ اگر عذر کی وجہ سے تاخیر ہو جائے تو شفعہ کا حق باقی رہے گا ساقط نہیں ہوگا، لہٰذا اگر شہر میں قاضی نہ ہو اور اس کی وجہ سے تاخیر ہوگئی تو یہ تاخیر بالعذر ہے ایسی تاخیر کی وجہ سے بالاتفاق شفعہ باطل نہ ہوگا؛ کیونکہ جب قاضی ہی نہیں تھا تو وہ کہاں مخاصمت کرتا؛ لیکن اگر تاخیر بغیر عذر کے ہو تو اختلاف ہے اور اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(ا) شفعہ میں طلبِ مواثبت اور طلبِ اشہاد کے بعد خاموش بیٹھ جائے اور عرصۂ دراز تک طلبِ خصومت نہ کرے یعنی اپنے حق شفعہ کے حصول کے لیے عدالتی چارہ جوئی نہ کرے خواہ کتنی ہی تاخیر ہو جائے شفیع کا حق شفعہ ساقط نہیں ہوتا شیخین کا یہی مذہب ہے۔

دلیل: دو جگہ گواہ بنانے کے بعد حق شفعہ مضبوط اور ثابت ہو گیا اب ثابت ہونے کے بعد ختم نہیں ہوگا ہاں صاحبِ حق ہی زبانی طور پر صراحتاً انکار کر دے تو اور بات ہے؛ اس لیے قاضی کے پاس جانے میں تاخیر ہونے سے حق ساقط نہیں ہوگا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دوسرا مذہب: امام محمدؒ اور امام زفرؒ کا ہے، ان کا مذہب یہ ہے کہ اگر طلبِ خصومت میں ایک ماہ کی تاخیر کردی تو حق شفعہ باطل ہوجائے گا، لوگوں کو نقصان سے بچانے کے لیے یہی قول مفتیٰ بہ ہے۔ (شامی: ۱۹۷/۵)

دلیل: اگر کبھی بھی خصومت کی تاخیر سے شفعہ باطل نہ ہو تو اس میں مشتری کا نقصان ہے؛ کیونکہ وہ کبھی بھی اس میں تصرف نہ کرسکے گا؛ اس لیے کہ اسے یہ خوف رہے گا کہ شفیع میرے تصرف کو توڑ دے گا تو ہم نے ایک ماہ کی میعاد مقرر کردی کہ اس سے پہلے پہلے تاخیر حق شفعہ کو ساقط کرنے والی نہیں ہے اور ایک ماہ تک تاخیر مسقط ہے، ایک ماہ سے کم کی مدت کو قلیلہ اور ایک ماہ سے زائد کی مدت کو بعیدہ شمار کیا جاتا ہے۔

سوال نمبر (۹۴)، مختصر القدوری

وَالشُّفْعَةُ وَاجِبَةٌ فِي الْعَقَارِ وَإِنْ كَانَ مِمَّا لَا يُقْسَمُ كَالْحَمَّامِ وَالرَّحٰى وَالْبِئْرِ وَالدُّوْرِ الصِّغَارِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عبارت کی تشریح کریں۔ (ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل نقل کریں۔

(د) کیا اشیا منقولہ میں شفعہ ہے؟ ائمہ کرام کے اختلاف کے ساتھ نقل کریں۔

(ھ) مصالحت کی کتنی صورتیں ہیں؟ ہر ایک کو بیان کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور شفعہ ثابت ہوتا ہے زمین میں اگرچہ وہ ایسی ہو جو تقسیم نہ ہوسکتی ہو جیسے حمام، پن چکی، کنواں اور چھوٹے گھر۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب) عبارت کی تشریح:

اب تک امام قدوریؒ نے شفعہ کے ثبوت پر اجمالی کلام کیا ہے اب اس کا تفصیلی حکم بیان کررہے ہیں؛ چنانچہ فرماتے ہیں کہ زمین میں شفعہ ثابت ہوتا ہے یہ بات متفق علیہ ہے پھر زمین کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وہ زمین جو تقسیم کے قابل ہو جیسے دو ہزار گز زمین کا پلاٹ دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھا اس کو آدھا آدھا تقسیم کردیا اس میں سب کے نزدیک حق شفعہ ہوگا۔

(۲) وہ زمین جو قابلِ تقسیم نہ ہو یعنی تقسیم کے بعد قابلِ انتفاع نہ رہے جیسے ایک تنگ غسل خانہ ہے اگر اس کا بٹوارہ کردیا جائے تو وہ کسی کام کا بھی نہ رہے گا یا پن چکی اور اس کی زمین کہ اس کو تقسیم کرنے سے کسی کام کی نہ رہے گی ایسے ہی تنگ چھوٹا کنواں اور چھوٹے مکان دو ٹکڑے نہیں ہوسکتے اس دوسری صورت میں حنفیہ وشافعہ کا اختلاف ہے۔

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل:

احناف کا مذہب: جو زمین ہو یا زمین کی جنس سے ہو اس میں حق شفعہ ہوتا ہے خواہ وہ تقسیم ہوسکتی ہو یا تقسیم نہ ہوسکتی ہو ہر حال میں شفعہ کا حق ہے جیسا کہ اس کی چند مثالیں قسم دوم میں ذکر کردی گئی ہیں۔

شوافع کا مذہب: جو چیزیں تقسیم ہونے سے استعمال کے قابل نہ رہیں ان میں حق شفعہ نہیں ہے۔

دلیل: شفعہ کی علت بٹوارہ کی مشقت سے بچانا ہے اور یہ چیز جب بٹوارہ کے قابل ہی نہ رہی یعنی بٹوارہ کے بعد قابلِ انتفاق نہ رہی تو بٹوارہ کی مشقت سے بچانے کا کیا مطلب؟

حنفیہ کی دلیل: شفعہ کی علت اتصالِ ملک ہے اور یہاں بھی موجود ہے؛ کیونکہ شفعہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کی حکمت بُرے پڑوسی کے نقصان کو دُور کرنا ہے اور یہ حکمت دونوں صورتوں میں موجود ہے
نیز حضرت جابرؓ سے روایت ہے: قَضَى النَّبِيُّ ﷺ بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ مَالَمْ يُقْسَمْ
(بخاری: ۳۰۰) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفعہ کا فیصلہ فرمایا ہر اس چیز میں جو تقسیم نہ ہوئی ہو،
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ چیز جو تقسیم نہ ہوسکتی ہو اس میں بھی حق شفعہ ہے۔

(د) کیا اشیاءِ منقولہ میں شفعہ ہے؟ مع اختلافِ ائمہ:

سامان اور اسباب فروخت ہو رہے ہیں یا کشتیاں فروخت ہو رہی ہوں تو ان میں حق شفعہ نہیں ہوگا یہ مسئلہ احناف کے نزدیک ہے۔

حنفیہ کی دلیل: کشتیاں اور سامان منتقل ہوتے رہتے ہیں اور حق شفعہ کے ثبوت کے لیے یہ قاعدہ ہے کہ وہ اشیاءِ غیر منقولہ میں چلتا ہے جیسے زمین وغیرہ اور غیر منقولہ میں نہیں چلتا؛ کیونکہ ان میں شفعہ کی علت نہیں پائی جاتی اور وہ علت اتصالِ ملک دوام وقرار ہے لہٰذا ان چیزوں میں پڑوسیت کا نقصان نہیں ہے تو شفعہ بھی جاری نہ ہوگا۔

امام مالکؒ کا مذہب: امام مالکؒ کے نزدیک اگر شرکت ہو تو سامان میں بھی شفعہ ہوگا؛ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس چیز میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا جو تقسیم نہ ہوئی ہو؛ اس لیے سامان میں بھی اگر شرکت ہو تو اس میں شفعہ ہوگا ایسے ہی کشتیوں میں بھی شفعہ ہوگا؛ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا جیسا کہ مصنف عبدالرزاق میں یہ الفاظ ہیں: قَضَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ شَيْءٍ. (مصنف عبدالرزاق: ۸/۸۷)

جواب: اَلشُّفْعَةُ فِي كُلِّ شَيْءٍ سے مراد یہ ہے کہ في كل شيء من غير المنقولات حدیث میں اگرچہ لفظ عام ہے مگر اس سے خصوص مراد ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منقولہ اشیاء میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا ہو۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ے) مصالحت کی صورتیں اور ہر ایک کا بیان:

مصالحت کی تین صورتیں ہیں:

(۱) ایک شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ جس گھر میں تم رہتے ہو یہ میرا ہے اور تم اس مکان پر غلط طریقے سے قابض ہو مدعیٰ علیہ نے مدعی کی ملکیت کا صاف انکار کردیا بعد میں مدعی علیہ نے جھگڑے کا شر دُور کرنے کے لیے کچھ مال دے کر صلح کرلی تو اب اس مکان میں کسی کو حق شفعہ نہیں ہے؛ کیونکہ مدعی علیہ کے خیال کے مطابق اس گھر کا مالک شروع سے وہی ہے اس کی ملک زائل ہی نہیں ہوئی اس نے تو جھگڑے کے خوف سے مال دیا ہے تو یہاں بیع کے معنیٰ ہی نہیں پائے گئے۔

(۲) مدعی علیہ نے مدعی کی ملکیت کا اقرار کیا نہ انکار کیا؛ بلکہ خاموش رہا پھر ایک ہزار روپے دے کر صلح کرلی تو اس صورت میں حق شفعہ نہ ہوگا؛ کیونکہ اس بات کا امکان ہے کہ اس نے ہزار روپے اس لیے دیے ہوں کہ اور مدعی گواہ پیش نہ کرسکا تو مجھے قسم کھانی پڑے گی اور شریف لوگ حتی المقدور قسم کھانے سے گریز کیا کرتے ہیں خواہ قسم سچی ہی کیوں نہ ہو تو یہاں ہزار روپے گویا کہ قسم کا فدیہ ہے اور قسم مال نہیں ہے۔

(۳) مدعی علیہ نے مدعی کی ملکیت کا اقرار کرلیا کہ ہاں مکان تمہارا ہی ہے اور پھر کچھ مال دے کر صلح کرلی اس صورت میں اس مکان میں حق شفعہ ہے؛ کیونکہ یہ کھلم کھلا بیع ہے گویا کہ مدع علیہ نے ہزار روپے کے بدلے ملک کو حاصل کیا ہے۔

سوال نمبر (۹۵)، مختصر القدوری

وَإِذَا اخْتَلَفَ الشَّفِيعُ وَالْمُشْتَرِي فِي الثَّمَنِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِي فَإِنْ اَقَامَا الْبَيِّنَةَ بَيِّنَةُ الشَّفِيعُ عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ اَبُويُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ الْبَيِّنَةُ بَيِّنَةُ الْمُشْتَرِي.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عبارت کی تشریح کریں۔

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل بیان کریں۔

(د) متعدد شفیعوں کے درمیان شفعہ کیسے تقسیم ہوگا؟ تحریر کریں۔

جواب

(الف) ترجمۃ

اگر اختلاف کریں شفیع اور مشتری ثمن میں تو مشتری کا قول معتبر ہوگا اگر ان دونوں (شفیع اور مشتری) نے گواہ قائم کردیے تو شفیع کا بینہ معتبر ہوگا، طرفینؒ کے نزدیک اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ مشتری کا بینہ معتبر ہوگا۔

(ب) عبارت کی تشریح:

مشتری اور شفیع کے درمیان ثمن کی مقدار میں اختلاف ہوجائے، مثلاً مشتری یہ کہے کہ میں نے یہ مکان ایک لاکھ روپے میں خریدا ہے اور شفیع کہے کہ تم نے اس مکان کو اَسّی ہزار روپے میں خریدا ہے تو قسم کے ساتھ مشتری کا قول معتبر ہوگا؛ کیونکہ شفیع مدع ہے اور مشتری مدعیٰ علیہ اور مدعیٰ علیہ کا فریضہ ہے گواہ قائم کرنا، اور یہاں شفیع کے پاس گواہ نہیں ہے، اس لیے مشتری منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی، ماقبل کی تفسیر اس وقت ہے جب شفیع گواہ قائم نہ کرسکے؛ لیکن اگر دونوں نے گواہ قائم کردیے تو اب کس کے گواہ معتبر ہوں گے، اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل:

امام طرفین کے نزدیک: شفیع کے گواہ معتبر ہوں گے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

امام ابو یوسف کے نزدیک: مشتری کے گواہ معتبر ہوں گے۔

امام ابو یوسف کی دلیل: گواہوں کا کام یہ ہے کہ جو چیز ثابت نہ ہو اس کو ثابت کریں اور جس میں اثبات کا پہلو زیادہ ہو اس کا اعتبار ہوتا ہے اور یہ بات مشتری کے گواہ میں ہے، لہٰذا مشتری کے گواہ کا اعتبار ہوگا۔

طرفینؒ کی دلیل: مشتری کے گواہ اگر چہ زیادتی کو ثابت کر رہے ہیں؛ لیکن معنیً شفیع کے گواہ اکثر الاثبات ہے۔

مطلب یہ ہے کہ گواہ کسی امر کو لازم کرنے کے لیے ہوتے ہیں اور یہاں شفیع کے گواہ لازم کرنے والے ہیں مشتری کے نہیں؛ کیونکہ اگر شفیع کے گواہ معتبر مانے جائیں تو مشتری پر لازم ہے کہ مکان شفیع کے حوالے کرے اور اگر مشتری کے گواہ قبول کیے جائیں تو شفیع پر کچھ لازم نہیں ہوتا؛ کیونکہ اسے تو اختیار ہے خواہ گواہ لے یا گواہ چھوڑ دے۔ (اصح النوری: ۱۴/۲)

(د) متعدد شفیعوں کے درمیان شفعہ کیسے تقسیم ہوگا؟

اگر برابر درجہ کے چند شفیع جمع ہو جائیں تو احناف کے نزدیک ان لوگوں کے درمیان شفعہ کی تقسیم افراد کے اعتبار سے ہوگی حصہ کی کمی زیادتی سے حقِ شفعہ میں کمی زیادتی نہ ہوگی، مثلاً ایک مکان تین آدمیوں کے درمیان مشترک ہے یا ایک کا آدھا دوسرے کا ثلث اور تیسرے کا سدس اب صاحبِ نصف نے اپنا حصہ فروخت کر دیا تو حنفیہ کے نزدیک باقی دونوں شریکوں کو برابر برابر ملے گا، اثر میں اس کا ثبوت ہے: عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ الشُّفْعَةُ عَلٰى رُؤُوْسِ الرِّجَالِ وَكَذَالِكَ قَالَ إِبْرَاهِيْمُ. (مصنف عبدالرزاق: ۸۵/۸) حضرت شعبیؒ نے فرمایا شفعہ آدمیوں کی تعداد کے اعتبار سے ہے حضرت ابراہیم نے بھی ایسا ہی فرمایا؛ نیز حق شفعہ اتصال کی وجہ سے ملتا ہے یا شرکت کی وجہ سے اور اتصال اور شرکت میں سب شفیع برابر ہیں؛ اس لیے سب کو برابر برابر حصہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ملے گا، جس کو بالفاظِ دیگر ایسے سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک ہی رہ جائے اور دوسرے شرکاء شفعہ نہ لیں تو پورشفعہ اسی کو ملے گا۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک جس شفیع کا جتنا حصہ ہے اس حصہ کی کمی زیادتی کی وجہ سے مکان بھی کم زیادہ ملے گا۔

دلیل: عَنْ عَطَاءٍ الشُّفْعَةُ بِالْحِصَصِ. (مصنف عبدالرزاق:۸/۸۵) یعنی حضرت عطاء نے فرمایا شفعہ حصول کے اعتبار سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس کا حصہ زیادہ ہوگا اس کو مکان بھی زیادہ ملے گا اور جس کا حصہ کم ہوگا اس کو مکان بھی کم ملے گا تو مثال مذکور میں ثلث والے کو دو تہائی اور سدس والے کو ایک تہائی ملے گا؛ نیز امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ شفعہ کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ملکیت کے فوائد مکمل ہوں لہٰذا حق شفعہ ملکیت کی مقدار کے لحاظ سے ہوگا۔

سوال نمبر (۹۶)، مختصر القدوری

اَلشِّرْكَةُ عَلٰى ضَرْبَيْنِ شِرْكَةُ اَمْلَاكٍ وَشِرْكَةُ عُقُوْدٍ فَشِرْكَةُ الْاَمْلَاكِ الْعَيْنُ يَرِثُهَا رَجُلَانِ اَوْيَشْتَرِيَانِهَا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) شرکت کی لغوی اور اصطلاحی تعریف نقل کریں۔

(ج) دراہم ودنانیر اور فلوس نافقہ میں شرکت منعقد ہوتی ہے یا نہیں؟

جواب

(الف) ترجمة

شرکت دو قسموں پر ہے شرکت املاک اور شرکتِ عقود، شرکتِ املاک یہ ہے کہ ایک چیز کے دو وارث ہوں یا دونوں مل کر ایک چیز خرید یں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب) شرکت کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

شرکت کی لغوی تعریف: شرکت کا لفظ شین کے زیر اور را کے جزم کے ساتھ ہیا ور یہی صورت زیادہ فصیح ہے، ایک مال کو دوسرے مال کے ساتھ اس طرح ملا دینا کہ دونوں میں امتیاز نہ رہے۔

اصطلاحی تعریف: اصل اور نفع میں دو حصہ داروں کا آپس میں شریک ہونا۔

(ج) دراہم ودنانیر اور فلوس نافقہ میں شرکت منعقد ہوتی ہے یا نہیں؟

جو چیزیں ثمن ہیں جیسے دراہم دنانیر اور رائج سکے ان میں شرکت مفاوضہ صحیح ہوگی ان کے علاوہ اور چیزوں میں درست نہیں ہے؛ البتہ اگر لوگ کسی خاص چیز مثلاً سونے اور چاندی کی ڈلی میں شرکت مفاوضہ کرنے لگیں تو پھر جائز ہوجائے گی؛ کیونکہ سونے اور چاندی کی ڈلی بھی درہم اور دینار کے حکم میں ہے کہ وہ بھی متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتی۔ (کمافی اللباب:۱/۵۵)

سوال نمبر (۹۷)، مختصر القدوری

وَاِنْ كَانَ فِي الْمَالِ رِبْحٌ فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَشْتَرِىَ مَنْ يَعْتِقُ عَلَيْهِ وَاِنْ اشْتَرَاهُمْ ضَمِنَ مَالَ الْمُضَارَبَةِ وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فِي الْمَالِ رِبْحٌ جَازَ لَهُ اَنْ يَشْتَرِيَهُمْ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عبارت کی تشریح کریں۔

(ج) مضاربت کی لغوی اور اصطلاحی تعریف نقل کریں۔

(د) مضاربت کی شرط بیان کرتے ہوئے بتلائیں کہ مضاربت کی کتنی قسمیں ہیں؟

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(الف) ترجمۃ

اور اگر مال میں نفع ہوا تو مضارب کے لیے جائز نہیں ہے کہ خریدے ایسے آدمی کو جو مضاب پر آزاد ہو جائے اور اگر اس کو خریدا تو مضاربت کے مال کا ضامن ہوگا اور اگر مال میں نفع نہ ہوا تو اس کے لیے جائز ہے کہ ان کو خرید لے۔

(ب) عبارت کی تشریح:

اگر مال میں نفع ہے یعنی غلام کی قیمت رأس المال سے زائد ہو تو مضارب کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے ایسے رشتہ دار کو خریدے جو اس پر آزاد ہو جائے؛ کیونکہ رب المال کے حصہ میں فساد پیدا ہو جائے گا اور اس کو نقصان ہوگا، اس طرح کہ اس کو بھی اپنا حصہ آزاد کرنا پڑے گا یا غلام سے سعی کروانی پڑے گی؛ لیکن اگر پھر بھی مضارب نے اس غلام کو خرید لیا تو مال مضاربت کا ضامن ہوگا اور اگر مال میں کوئی نفعنہ ہو یعنی غلام کی قیمت رأس المال سے زیادہ نہ ہو؛ بلکہ برابر ہو یا کم ہو تو اس میں مضارب کا کچھ بھی حصہ نہیں ہے؛ اس لیے اس صورت میں خریدنے سے مضارب کا رشتہ دار آزاد نہ ہوگا اور مضارب کا اپنے رشتہ دار کو خریدنا صحیح ہوگا اور غلام رأس المال کے ساتھ مشغول رہے گا۔

(ج) مضاربت کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

مضاربت کی لغوی تحقیق: مضاربت لغت کے اعتبار سے باب مفاعلت سے ہے اور ضرب فی الارض سے مشتق ہے زمین پر چلنا اور سفر کرنا۔

اصطلاحی تعریف: ایک آدمی کی جانب سے مال ہوتا ہے جس کو رأس المال

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کہتے ہیں اور دوسرے کی جانب سے کام ہوتا ہے جس سے نفع کماتا ہے اور نفع میں دونوں شریک ہوتے ہیں۔

(د) مضاربت کی شرط اور مضاربت کی قسمیں:

مضاربت کی دو قسمیں ہیں: (۱) مضاربت مطلقہ (۲) مضاربت مقیدہ

(۱) مضاربت مطلقہ کی صورت: یہ ہے کہ اس میں کسی زمان و مکان اور کسی خاص سامان کی قید نہ ہو مضارب وہ تمام کام کرسکتا ہے جو تجارت کے لیے نفع بخش ہو مثلاً رأس المال سے کوئی چیز خرید سکتا ہے پھر اس کو بیچ سکتا ہے اس مال کو لے کر سفر کرسکتا ہے اور اس مال کو بضاعت پر دے سکتا ہے کسی کو وکیل بنا سکتا ہے، امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مضاربت کے مال کو لے کر ایسا سفر نہیں کرسکتا جس سے مال کی ہلاکت کا خطرہ ہو۔

مضاربتِ مقیدہ کی صورت: یہ ہے کہ اگر مال والے نے یہ شرط لگائی کہ صرف فلاں شہر میں تجارت کروگے یا فلاں چیز کی تجارت کروگے مثلاً سہارنپور میں کپڑے کی تجارت کروگے تو اب مضارب کے لیے اس شرط کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے، یہ شرطیں اس لیے لگائی جاتی ہیں کہ مال ہلاک نہ ہو یا نفع خوب ہو اس لیے ایسی شرطیں لگانا جائز ہے اور جب شرط لگادی تو اب اس کا لحاظ ضروری ہے۔

سوال نمبر (۹۸)، مختصر القدوری

وَيَجُوزُ بِالْإِسْتِيفَاءِ إِلَّافِي الْحُدُودِ وَالْقِصَاصِ فَإِنَّ الْوَكَالَةَ لَاتَصِحُّ بِاسْتِيفَائِهَا مَعَ غَيْبَةِ الْمُوَكِّلِ عَنِ الْمَجْلِسِ۔

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عبارت کی تشفی بخش تشریح کریں۔

(ج) وکالت کی لغوی اور اصطلاحی تعریف نقل کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(د) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل نقل کریں۔

(ھ) "إلّا في الحدود" کا مطلب بیان کریں۔

جواب

(الف) ترجمۃ

اور جائز ہے وکیل کرنا حقوق حاصل کرنے کے لیے مگر حدود اور قصاص میں کہ ان کو حاصل کرنے کے لیے وکالت صحیح نہیں ہے، اس مجلس میں مؤکل کے موجود نہ ہونے کی حالت میں۔

(ب) عبارت کی تشفی بخش تشریح:

صاحبِ قدوریؒ فرماتے ہیں کہ حقوق ادا کرنے اور حقوق کو وصول کرنے کے واسطے وکیل کرنا بھی جائز ہے مگر حدود و قصاص وصول کرنے کے لیے وکیل کرنا جائز نہیں ہے؛ چنانچہ قاضی کی عدالت میں اگر مؤکل موجود نہ ہو تو وکیل کو حد یا قصاص وصول کرنے کا اختیار نہیں ہوتا ہے، ہاں اگر مجلس میں مؤکل موجود ہو تو حدود اور قصاص کو حاصل کرنے کا وکیل بنایا جا سکتا ہے، یہ پوری تفصیل احناف کے نزدیک ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مؤکل کی عدمِ موجودگی میں بھی وکیل کے لیے حدود اور قصاص وصول کرنا جائز ہے۔ (عینی شرح ہدایہ: ۳/۳۷۲)

(ج) وکالت کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

لغوی تحقیق: لفظ وکالت واؤ کے کسرہ اور فتحہ دونوں طرح سے آیا ہے توکیل کا اسم ہے اور توکیل باب تفعیل سے ہے وکالت کے معنیٰ محافظت قائم مقامی اور ذمہ داری کے ہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اصطلاحی تعریف: وکالت یہ ہے کہ ایک شخص جسے کوئی خاص اور جائز کام انجام دینے کا اختیار ہے اس کی انجام دہی کے لیے کسی اور کو مقرر کرے۔

تعریف میں جائز کام جو آیا ہے اس سے یہ صورت نکل گئی کہ کوئی نابالغ شخص کسی کو اپنا مال ہبہ کرنے یا اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لیے وکیل بنائے تو اس نابالغ کا یہ تصرف ناجائز ہوگا اور تعریف میں جو یہ قید ہے کہ "اس کام کے انجام دینے کا اختیار ہو" اس قید سے وہ صورت نکل گئی جب کہ موکل کسی ایسی شئ پر تصرف کے لیے وکیل بنائے جس پر اسے خود تصرف کا حق نہیں ہے۔

(د) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل:

ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل: حدود اور قصاص حقوق العباد میں سے ہیں اور تمام حقوق العباد کو ادا کرنے اور وصول کرنے کے لیے وکیل کرنا جائز ہے لہٰذا مؤکل عدالت میں موجود ہو یا نہ ہو بہر صورت حدود وقصاص کو وصول کرنے کے لیے وکیل کرنا جائز ہے۔

احناف کی دلیل: حدود اور قصاص عقوبات میں سے ہیں اور عقوبات شبہ سے ساقط ہو جاتی ہیں اور اگر عدالت میں مؤکل موجود نہ ہو تو یہ شبہ ہے کہ مؤکل نے اخیر وقت میں حدود یا قصاص لینے سے معاف کر دیا ہو، اس لیے مؤکل کی عدمِ موجودگی میں وکیل بنانا جائز نہیں ہے۔ (کفایہ:۶/۵۵۷)

(ھ) "إلّا في الحدود" کا مطلب:

إلّا في الحدود والقصاص: یہ عبارت مصنف کے قول استیفاء ن سے استثناء ہے نہ کہ ویجوز سے، اور مطلب یہ ہے کہ اگر مؤکل عدالت میں موجود نہ ہو تو حدود وقصاص وصول کرنے کے لیے وکیل کرنا جائز نہیں؛ لیکن گواہ قائم کرکے حدود و قصاص کو ثابت کرنے کے لیے وکیل کرنا جائز ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال نمبر (۹۹)، مختصر القدوری

اَلْكَفَالَةُ ضَرْبَانِ كَفَالَةٌ بِالنَّفْسِ وَ كَفَالَةٌ بِالْمَالِ وَالْكَفَالَةُ بِالنَّفْسِ جَائِزَةٌ وَالْمَضْمُوْنُ بِهَا اِحْضَارُ الْمَكْفُوْلِ بِهٖ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) کفالت کی لغوی اور اصطلاحی تعریف نقل کریں۔

(ج) کفیل، مکفول عنہ، مکفول بہ اور مکفول لہٗ کی وضاحت کریں۔

(د) کفالۃ بالمال اور کفالۃ بالنفس کی تعریف کریں۔

(ھ) حدود اور قصاص میں کفالہ بالنفس جائز ہے یا نہیں؛ ائمہ کے اختلاف کے ساتھ نقل کریں۔

جواب

(الف) ترجمۃ

کفالت کی دو قسمیں ہیں: کفالت جان کی اور کفالت مال کی، اور کفالت جان کی بھی جائز ہے اور اسی سے جس چیز کی کفالت ہوتی ہے وہ مکفول بہ کو حاضر کرنا ہے۔

(ب) کفالت کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

کفالت کی لغوی تعریف: ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا۔

اصطلاحی تعریف: کسی شخص یا قرض یا شیٔ کے مطالبہ میں ایک کی ذمہ داری دوسرے کی ذمہ داری سے وابستہ کر دینا، یعنی ایک کے بجائے دو کا ذمہ دار ہو جانا۔

(ج) کفیل، مکفول عنہ، مکفول بہ اور مکفول لہٗ کی وضاحت:

کفیل: جو ذمہ دار بنا، اس کو زعیم اور حمیل بھی کہتے ہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

مکفول عنہ: جس کی جانب سے قرض ادا کرنے کی ذمہ داری کفیل لے رہا ہے۔
مکفول لہٗ: قرض خواہ جس کے لیے تیسرا آدمی کفیل بن رہا ہے۔
مکفول بہ: وہ مال جس کے ادا کرنے کا ذمہ دار بن رہا ہے، یا وہ آدمی جس کو عدالت میں حاضر کرنے کی ذمہ داری لے رہا ہے کہ ابھی اس کو ضمانت پر چھوڑ دیں مقررہ وقت پر میں اس کو عدالت میں حاضر کرنے کا ذمہ دار ہوں بشرطیکہ وہ زندہ ہو۔

(د) کفالۃ بالمال اور کفالۃ بالنفس کی تعریف:

کفال بالمال کی تعریف: ایک ذمہ کو مطالبہ میں دوسرے ذمہ سے ملانے کا نام کفالہ بالمال ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں آدمی پر اتنا قرض ہے اس کو ادا کرنے کا میں کفیل ہوں وہ ادا نہ کرے گا تو میں ادا کروں گا۔ اس کو کفالہ بالمال کہتے ہیں "الکفالة هي ضم الذمّة إلى الذمّة في المطالبة".

کفالہ بالنفس کی تعریف: اس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں آدمی مجلس قضاء میں مقدمہ کے لیے مطلوب ہے اس کو ابھی چھوڑ دیں میں اس کو وقت مقررہ پر مجلس قضاء میں حاضر کرنے کا ذمہ دار ہوں اس کو کفالہ بالنفس کہتے ہیں "الكفالة بالنفس هي الضمانة احضار المكفول به".

(ھ) حدود اور قصاص میں کفالہ بالنفس جائز ہے یا نہیں؟

صاحب قدوری کی مراد یہ ہے کہ جس شخص پر حد یا قصاص کا دعویٰ کیا گیا اگر اس سے مدعی نے کفیل بنفسہٖ کا مطالبہ کیا یعنی ایک ایسے کفیل کا مطالبہ کیا جو اس پر حد ثابت کرانے کے لیے اس کو مجلس قاضی میں حاضر کرنے کا ضامن ہو، مگر اس نے کفیل دینے سے انکار کر دیا تو امام صاحب کے نزدیک اس کو کفیل دینے پر مجبور نہیں کیا جائیگا۔

اب صاحبِ قدوری کی عبارت: لاتجوز الكفالة بالنفس، لايجوز اجبار

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

الکفالۃ کے معنیٰ میں ہوگی یعنی جس پر حد یا قصاص واجب ہے اس کو کفیل دینے پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔

دلیل: ان النبي ﷺ قَالَ لَا كَفَالَةَ فِيْ حَدٍّ، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی حد میں کفالہ نہیں ہے اور یہ حدیث مطلق ہے نہ اس میں ان حدود کا ذکر ہے جو خالص اللہ کا حق ہیں جیسے حد زنا اور حد شرب خمر اور نہ ان حدود کا ذکر ہے جن میں بندوں کا حق ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ حدود میں بلا تفصیل کفالہ نہیں ہے خواہ حد قذف ہو یا قصاص ہو۔

صحبین فرماتے ہیں کہ جس شخص پر حد قذف (تہمت کی حد) کا دعویٰ کیا گیا ہے اس کو کفیل دینے پر مجبور کیا جائے گا یعنی یہ شخص اگر کفیل دینے سے انکار کردے تو اس کو کفیل بنفسہٖ دینے پر مجبور کرنا جائز ہے، ایسے ہی قصاص میں بھی قاتل کو کفیل بالنفس دینے پر مجبور کیا جائے گا۔

دلیل: حد قذف میں بندے کا حق ہے، یعنی اپنے اوپر سے شرم دور کرنے کے لیے تہمت لگانے والے کو کفیل بنفسہٖ دینے پر مجبور کیا جائے گا، جیسا کہ دوسرے حقوق میں مجبور کیا جاتا ہے اور قصاص میں چونکہ بندے کا حق غالب ہے اور حقوق العبا ثابت کرنے کے لیے مدعی علیہ کو کفیل بالنفس دینے پر مجبور کیا جا سکتا ہے، امام صاحبؒ فرماتے ہیں: لَا كَفَالَةَ فِيْ حَدٍّ مطلق ہے کما مر مفصلاً۔

سوال نمبر (۱۰۰)، مختصر القدوری

وَإِذَامَاتَ الرَّجُلُ وَعَلَيْهِ دُيُوْنٌ وَلَمْ يَتْرُكْ شَيْئًا فَتَكَفَّلَ رَجُلٌ عَنْهُ لِلْغُرَمَاءِ لَمْ تَصِحَّ الْكَفَالَةُ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَعِنْدَهُمَا تَصِحُّ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب) عبارت کی تشفی بخش تشریح کریں۔

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل نقل کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور اگر مر جائے کوئی آدمی اور اس پر بہت سا قرض ہے اور اس نے کچھ نہیں چھوڑا اب کفیل ہو گیا ایک آدمی اس کی طرف سے قرض خواہوں کے لیے تو یہ کفالت صحیح نہیں ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ کے نزدیک صحیح ہے۔

(ب) عبارت کی تشفی بخش تشریح:

ایک شخص جس پر لوگوں کا قرضہ ہے مفلس ہو کر مر گیا یعنی کچھ بھی مال ترکہ میں نہ چھوڑا اور نہ اس کی جانب سے پہلے سے کوئی کفیل موجود ہے پھر اس میت کی جانب سے ایک آدمی کفیل ہو گیا وہ شخص خواہ میت کا وارث ہو یا اجنبی ہو تو امام صاحب کے نزدیک کفالہ صحیح نہیں ہے صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک درست ہے۔

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل:

حضرت ابوقتادہ والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس وقت ایک جنازہ لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کچھ چھوڑا ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا کیا اس پر کچھ قرض ہے؟ لوگوں نے کہا تین دینار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ساتھی پر تم لگ نماز پڑھ لو، پس ابوقتادہ نے فرمایا اے اللہ کے رسول! اس پر نماز پڑھیے اور مجھ پر اس کے قرض کی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ذمہ داری ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میت پر نماز پڑھی۔ (بخاری: ۱/۳۰۵، باب إذا احال دین، ترمذی: ۱/۱۲۷) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوقتادہ نے مقروض کی جانب سے کفالت لی ہے، اور انہوں نے کچھ مال بھی نہ چھوڑا تھا اس لیے کفیل بننا درست ہے۔

امام صاحب کی دلیل: کفالت کے لیے دو باتیں ضروری ہیں: (۱) قرضہ مکفول عنہ کے ذمہ میں ثابت اور قائم ہو (۲) کفیل قرضہ ادا کرنے کے بعد مکفول عنہ کے مال سے وصول بھی کرسکتا ہے یاں اس مسئلہ میں دونوں باتیں نہیں ہیں؛ کیونکہ مکفول عنہ مر چکا ہے تو اس مرے ہوئے پر کیا لازم ہوگا؟ اور کچھ چھوڑا بھی نہیں کہ کفیل اپنا قرض وصول کرسکے؛ اس لیے کفالت درست نہیں ہے۔

صاحبین کی دلیل کا جواب: حضرت ابوقتادہؓ جو کفیل بنے ہیں وہ تبرع اور احسان کے طور پر حوالہ ہے کفالہ نہیں ہے جو ہمارے یہاں بھی جائز ہے یہی وجہ ہے کہ بعد میں حضرت ابوقتادہؓ نے رقم وصول نہیں کی اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابوقتادہ نے جو فرمایا مجھ پر اس کے قرض کی ذمہ داری ہے، اس سے اشارہ کفالت سابقہ کی طرف ہو کہ وہ تو میں نے اپنے ذمہ لے رکھے ہیں میں پہلے سے اس کا کفیل ہوں۔ (بذل عن القاری: ۴/۲۴۲)

سوال نمبر (۱۰۱)، مختصر القدوری

وَإِذَاوَهَبَ لِاَجْنَبِيٍّ هِبَةً فَلَهُ الرُّجُوْعُ فِيْهَا إِلَّا اَنْ يُعَوِّضَهُ عَنْهَا اَوْيَزِيْدَ زِيَادَةً مُتَّصِلَةً اَوْيَمُوْتَ اَحَدُ الْمُتَعَاقِدَيْنِ اَوْيَخْرُجَ الْهِبَةُ مِنْ مِلْكِ الْمَوْهُوْبِ لَهُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل بیان کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) ہبہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف نقل کرتے ہوئے ہبہ موہوب اور موہوب لہٗ کی وضاحت کریں۔

(د) ''إلا ان یعوضہ'' کا مطلب بیان کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور اگر ہبہ کی اجنبی کے لیے کوئی چیز تو اس کے لیے جائز ہے واپس لے لینا مگر یہ کہ موہوب لہٗ اس کا بدلہ دے دے یا اس میں ایسی زیادتی کرے جو متصل ہو یا متعاقدین میں سے کوئی ایک مر جائے یا نکل جائے شی موہوب موہوب لہٗ کی ملک سے۔

(ب) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی چیز اجنبی کو ہبہ کر دی تو اب ہبہ کی ہوئی چیز کو واپس لے لینے کا حق ہے یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ذکر کیے جاتے ہیں۔

پہلا مذہب ائمہ ثلاثہ کا ہے، ان کے نزدیک واہب کے لیے موہوب کو واپس لینا ناجائز ہے؛ اِلّا یہ کہ وہ ہبہ باپ کی طرف سے بیٹے کے لیے ہو تو باپ کے لیے رجوع فی الہبہ جائز ہے۔

اور امام شافعیؒ کی باپ کے علاوہ دیگر اُصول میں دو روایتیں ہیں اصح قول میں باقی اُصول کا بھی وہی حکم ہے جو والد کا ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال: لَا یَحِلُّ لِرَجُلٍ اَنْ یُّعْطِیَ عَطِیَّةً اَوْیَهَبَ هِبَةً فَیَرْجِعُ اِلَّا الْوَالِدُ فِیْمَا یُعْطِی وَلَدَهٗ. (ابوداؤد:۲/۴۹۹باب الرجوع فی الہبۃ) یعنی کسی آدمی کے لیے حلال نہیں ہے کہ عطیہ دے یا ہبہ کرے پھر اس کو واپس لے مگر جو کچھ باپ اپنے لڑکے کو دے یعنی وہ واپس لے سکتا ہے، ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہے: اَلْعَائِدُ فِيْ صَدَقَتِهٖ كَالْكَلْبِ يَعُوْدُ فِيْ قَيْئِهٖ. (بخاری شریف: ۱/۳۵۷) یعنی ہبہ کرنے کے بعد اپنی چیز کو واپس لینے والا ایسا ہے جیسے کوئی کتا قے کر کے اس کو چاٹ لے، اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ ہبہ کو واپس لینا حلال نہیں ہے۔

حنفیہ کا مذہب: حنفیہ کہتے ہیں کہ ہبہ کرنے کے بعد واپس لے سکتا ہے؛ لیکن نہایت بے مروتی اور کمینہ پن کی بات ہے۔

دلیل: اَلرَّجُلُ اَحَقُّ بِهِبَتِهٖ مَالَمْ يَثَبْ مِنْهَا. (ابن ماجہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی ہبہ کا زیادہ حق دار ہے جب تک اس کا بدلہ نہ دے دے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک ہبہ کا بدلہ نہ دیا جائے واہب ہبہ کو واپس لے سکتا ہے البتہ ہبہ واپس لینا مکروہ ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے استدلال کا جواب: یہ حدیث کراہت پر محمول ہے حرمت پر محمول نہیں ہے یعنی اس کا مطلب عدمِ جواز نہیں ہے؛ بلکہ مقصد یہ ہے کہ ایسا کرنا مناسب نہیں ہے اور حنفیہ نے الا الوالد کا جواب دیا ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے یعنی اس سے مقصود ہبہ میں رجوع کو بیان کرنا نہیں ہے؛ بلکہ بیٹے کے مال میں نفس تصرف کو بیان کرنا ہے یعنی ضرورت کے وقت جو کہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ باپ کے لیے بیٹے کے مال میں تصرف ضرورت کے وقت مطلقاً جائز ہے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ ہبہ دے کر بیٹے سے ہبہ واپس لینے کا حق حاصل ہے۔ (الکوکب الدری: ۱/۳۷۹)

(ج) ہبہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف اور ہبہ موہوب اور موہوب لہ کی وضاحت:

ہبہ کی لغوی تحقیق: هبة اصل میں وهب يهب باب (ض) کا مصدر ہے شروع سے واو کو حذف کر کے آخر میں ہاء تانیث زیادہ کردی گئی جیسے: وعد يعد سے عدة ہے، لغت میں ہبہ اس کو کہتے ہیں کہ دوسرے کو ایسی چیز دی جائے جو اس کے لیے نفع بخش ہو وہ چیز مال ہو یا غیر مال۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اصطلاحی تعریف: کسی کو کوئی چیز بلا کسی عوض کے بطور ملک عطا کرنا۔
ہبہ کرنے والے کو واہب اور جس کو ہبہ کیا جائے اس کو موہوب لہٗ اور جو چیز ہبہ کی جائے اس کو موہوب کہتے ہیں۔

(د) "إلا ان یعوضہ" کا مطلب:

صاحبِ قدوری "إلّا ان یعوضہ" سے ان موانع کو بیان کر رہے ہیں جن کی وجہ سے رجوع نہیں کر سکتا۔

(۱) اگر موہوب لہٗ کے بدلہ میں واہب کوئی چیز دے دے تو حق رجوع ساقط ہو جاتا ہے۔

(۲) ہبہ کی چیز میں کوئی ایسی زیادتی ہو جائے جو ہبہ کے متصل ہو تو اب ہبہ کی چیز کو ہبہ کرنے والا واپس نہیں لے سکتا مثلاً زمین میں کھیتی لگا دے یا کپڑا رنگ دے یا زمین میں گھر بنا دے یا باندی بچہ دے دے یا جانور بچہ دے دے تو سب صورتوں میں ہبہ کی چیز میں تبدیلی ہونا ہے اور قیمت کا بڑھنا ہے؛ اس لیے رجوع نہیں کر سکتا؛ کیونکہ جو چیز زیادہ ہو گئی اس کے متصل ہونے کی وجہ سے الگ نہیں کر سکتا اور اس کے ساتھ ہی واپس کرنا چاہے تو اس لیے نہیں کر سکتا کہ وہ واہب کی چیز نہیں ہے۔

(۳) واہب یا موہوب لہٗ میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے تو ہبہ کرنے والا ہبہ واپس نہیں لے سکتا؛ کیونکہ موہوب لہٗ کے مر جانے سے ہبہ کی چیز وارثین کی طرف منتقل ہو جائے گی، اور اگر واہب کا انتقال ہو گیا تو اب وہ ہبہ کو واپس اس کے ورثہ لیں گے اور ورثہ عقد ہبہ سے اجنبی ہے انہوں نے موہوب لہٗ کو نہیں دیا تھا کہ واپس لے۔

(۴) شیٔ موہوب موہوب لہٗ کی ملکیت سے نکل جائے تو اب واہب ہبہ واپس نہیں لے سکتا مثلاً ہبہ کی چیز کو بیچ دیا یا ہبہ کر دیا یا کھا لیا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال نمبر (۱۰۲)، مختصر القدوری

وَالْعُمْرىٰ جَائِزَةٌ لِلْمُعْمَرِ لَهُ فِيْ حَالِ حَيٰوتِهِ وَلِوَرَثَتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عبارت کی تشفی بخش تشریح کریں۔

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل نقل کریں۔

(د) رقبہ جائز ہے یا نہیں؟ ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل نقل کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور عمریٰ جائز ہے معمرلہٗ کے لیے اس کی زندگی میں اور اس کے ورثہ کے لیے اس کے مرنے کے بعد۔

(ب) عبارت کی تشفی بخش تشریح:

زمانۂ جاہلیت میں عمریٰ رائج تھا، اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ایک شخص دوسرے سے کہتا یہ گھر میں نے تم کو زندگی بھر کے لیے دے دیا۔ مطلب یہ ہوتا تھا کہ عاریت ہے، ہبہ نہیں ہے، لہٰذا جب تک معمرلہٗ زندہ ہے وہ اس سے فائدہ اُٹھائے گا اور جب اس کا انتقال ہوجائے گا تو اس وقت وہ مکان وغیرہ معمر کے پاس واپس آجائے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمریٰ میں تبدیلی کی جس کی تفصیل یہ ہے کہ عمریٰ کی تین صورتیں ہیں:

(۱) اَعْمَرْتُكَ هٰذِهِ الدَّارَ وَهِيَ لَكَ وَلِعَقِبِكَ. یعنی وہ گھر تمہیں زندگی بھر کے لیے دے دیا، یہ تمہارا اور تمہارے وارثوں کا ہے۔

(۲) دَارِيْ لَكَ عُمْرىٰ مَاعِشْتُ فَإِنْ مُتَّ فَهِيَ وَاجِبَةٌ إِلَيَّ. یعنی میں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اپنا گھر تمہیں عمریٰ کے طور پر دیتا ہوں جب تک تم زندہ رہو اور جب تم مرجاؤ گے تو میرے پاس واپس آجائے گا۔

(۳) دَارِیْ لَکَ عُمْرِیْ. یعنی یہ مکان تجھ کو ہبہ کرتا ہوں تیری عمر بھر کے لیے معمر کے مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ اس بارے میں کوئی صراحت نہیں کرتا۔

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل:

(۱) امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ تینوں صورتوں میں عمریٰ کو عاریت ہی سمجھا جائے گا ہبہ نہیں کہا جائے گا یعنی وہ مکان معمرلۂ کے لیے صرف اس کی زندگی تک کے لیے ہوگا۔ اور اس کے مرنے کے بعد معمر کی طرف لوٹ آئے گا۔ پہلی صورت میں "ھی لک ولعقبک" کا مطلب یہ ہے کہ ورثہ اس گھر سے نفع اُٹھانے کے حقدار ہوں گے، ملکیت ان کی طرف منتقل نہیں ہوگی، یہاں تک کہ جب معمرلۂ کے تمام ورثہ انتقال کرجائیں اور کوئی وارث باقی نہ رہے تو اس صورت میں یہ گھر معمر کی طرف واپس آجائے گا اور اگر وہ زندہ نہ ہو تو اس کے ورثہ کو مل جائے گا۔ دوسری میں اس نے خود صراحت کردی ہے اور تیسری صورت میں مطلق رکھا، لہٰذا ان دونوں صورتوں میں معمر کے پاس واپس آجائے گا۔

(۲) حنفیہ، شافعیہ اور صحیح قول کے مطابق حنابلہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ تینوں صورتوں میں عمریٰ ہبہ ہے، پہلی صورت میں بالکل ظاہر ہے، اس لیے کہ اس نے خود ہی صراحت کردی اور دوسری صورت میں بھی ہبہ ہی ہے اور معمر نے جو شرط لگائی کہ تمہارے مرنے کے بعد یہ میرے پاس واپس آجائے گا، یہ شرط فاسد ہے، لہٰذا وہ مکا معمرلۂ کی زندگی میں اس کے لیے اور اس کے انتقال کے بعد اس کے ورثہ کے لیے ہوگا گویا عمر بھر تک کی قید کا اعتبار نہیں اور تیسری صورت میں جب اس نے کوئی صراحت نہیں کی تو بدرجہ اولیٰ ہبہ ہوگا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

امام مالکؒ کا استدلال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ہے: العمریٰ جائزۃ لاھلھا۔ (ترمذی:۱/۱۶۱) ان الفاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمریٰ جائز قرار دیا اور زمانۂ جاہلیت میں عمریٰ کا جو مفہوم تھا وہ یہ تھا کہ عمریٰ ایک عاریت ہے ہبہ نہیں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تقریر فرمادی لہٰذا عمریٰ کو عاریت ہی سمجھا جائے گا۔ ائمہ ثلاثہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے: لَا تَرْجِعُ اِلَی الَّذِيْ اَعْطَاهَا لِاَنَّهٗ اَعْطٰى عَطَاءً وَقَعَتْ فِيْهِ الْمَوَارِيْثُ۔ (ترمذی:۱/۱۶۱) اور دینے والے کی طرف کبھی نہیں لوٹے گا اس لیے اس نے ایسی چیز دی جس میں میراث جاری ہوتی ہے، اس روایت میں صراحت ہے کہ وہ عمریٰ معمر کی طرف نہیں لوٹے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سابقہ طریقہ میں تبدیلی فرمائی اور اس کو عاریت کے بجائے ہبہ قرار دیا۔

(د) رقبہ جائز ہے یا نہیں؟ ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل:

امام مالکؒ کے نزدیک اس کا حکم عاریت کا ہے، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک رقبیٰ جائز ہے اور اس سے ہبہ منعقد ہو جائے گا، طرفین کے نزدیک رقبیٰ باطل ہے یعنی داري لك رقبى یہ الفاظ کہنے سے کوئی فرق واقع نہیں ہوگا اور وہ مکان بدستور رقبیٰ کرنے والے کی ملکیت میں رہے گا۔

منشاء اختلاف: قائلینِ جواز کے نزدیک رقبیٰ کی حقیقت تملیک بشرط فاسد ہے یعنی "داري لك" (میرا گھر تیری ملکیت ہے) تملیک ہے اور شرط فاسد سے مراد اس کا یہ کہنا کہ اگر تو پہلے مرے تب میرا اور اگر میں پہلے مروں تب یہ تیرا اب اس میں تملیک باقی رہ جاتی ہے، صرف یہ شرط باطل ہے، لہٰذا یہ تملیک صحیح ہوگی، اور بہر صورت مکان اسی کے لیے ہوگا جس کے لیے ہبہ کیا ہے، طرفین کے نزدیک رقبیٰ کی حقیقت ملکیت کو موت پر معلق کرنا ہے یعنی جب تک ان دونوں میں سے ایک کا انتقال نہیں ہوگا اس وقت تک یہ معاملہ لٹکا رہے گا؛ چونکہ اس میں ایک دوسرے کی موت کی تمنا ہے؛ اس لیے ناجائز ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال نمبر (۱۰۳)، مختصر القدوری

فَإِنْ كَانَتْ أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ عَرَّفَهَا أَيَّامًا وَإِنْ كَانَتْ عَشَرَةً فَصَاعِدًا عَرَّفَهَا حَوْلًا كَامِلًا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) لقطہ اور لقیط دونوں کی لغوی اور اصطلاحی تعریف نقل کریں۔

(ج) لقطہ امانت ہے یا ضمانت؟

(د) عبارت کی تشفی بخش تشریح کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اگر ہو وہ چیز دس درہم سے کم کی تو تشہیر کرے اس کی چند دن اور اگر دس درہم یا اس سے زیادہ کی ہو تو اس کی تشہیر کرے پورے سال بھر۔

(ب) لقطہ اور لقیط دونوں کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

لقیط کی لغوی تحقیق: لقیط فعیل کے وزن پر مفعول کے معنیٰ میں ہے یعنی جو چیز گری پڑی ہو لغت میں اس بچہ کو کہتے ہیں جو پڑا ہوا ملے اور اس کا کوئی ولی معلوم نہ ہو۔

اصطلاحی تعریف: لقیط انسان کے اس بچہ کو کہتے ہیں جس کو لوگوں نے پرورش سے بچنے یا زنا کی تہمت سے بچنے کے لیے پھینک دیا ہو، صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس بچہ کا اُٹھا لینا مستحب ہے، کہ اس میں بچہ کی پرورش اور زندگی کا سامان ہوتا ہے اور اگر اس بچہ کے ہلاک ہونے کا قوی اندیشہ ہے تو اس کا اُٹھا لینا واجب ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) لقطہ امانت ہے یا ضمانت؟

گرا پڑا مال جس نے بھی اُٹھایا وہ اس کے پاس امانت ہے اگر اس کی زیادتی کے بغیر ہلاک ہوجائے تو تاوان نہ ہوگا؛ مگر یہ شرط ہے کہ جس نے اُٹھایا ہے وہ اس بات پر گواہ قائم کرے کہ اس کی حفاظت کے لیے اور مالک کے پاس پہنچانے کے لیے اُٹھا رہا ہوں؛ کیونکہ اس طریقہ سے اُٹھانا شرعاً جائز ہے؛ بلکہ افضل ہے اور اگر ضائع ہونے کا خوف ہو تو اس کا اُٹھالینا واجب ہے۔

(د) عبارت کی تشفی بخش تشریح:

لُقطة یہ التقاط سے ماخوذ ہے ایسی چیز جو اُٹھائی جائے، لام کے ضمہ کے ساتھ اور قاف کے فتحہ کے ساتھ اسم فاعل ہے اُٹھانے والا، لام کے ضمہ اور قاف کے سکون کے ساتھ اسم مفعول ہے وہ چیز جو اٹھائی گئی ہو یہ فرق خلیل بن احمد نے بیان کیا ہے؛ لیکن اہلِ لغت ومحدثین کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ لام کے ضمہ اور قاف کے فتحہ کے ساتھ بھی مال ملقوط (جو مال اُٹھایا گیا ہو) کہا جاتا ہے۔

سوال نمبر (۱۰۴)، مختصر القدوری

وَإِذَا لَزِمَتْهُ دُيُوْنٌ يُحِيطُ بِمَالِهٖ وَرَقَبَتِهٖ لَمْ يَمْلِكِ الْمَوْلٰى مَافِي يَدِهٖ فَإِنْ اَعْتَقَ عَبِيْدَهُ لَمْ تُعْتَقْ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى يَمْلِكُ مَافِي يَدِهٖ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) ماذون کی لغوی اور اصطلاحی تعریف نقل کریں۔

(ج) ائمہ کا اختلاف مع دلائل تحریر کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(الف) ترجمة

اور اگر اس کے ذمہ اتنا قرض ہو جائے جو گھیر لے اس کے مال اور جان کو مالک نہ ہو آقا اس مال کا جو اس کے پاس ہے پھر اگر آزاد کردے اس کے غلاموں کو تو آزاد نہ ہوں گے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مالک ہو جائے گا، اس مال کا جو اس کے قبضہ میں ہے۔

(ب) مأذون کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

لغوی تحقیق: ماذون اسم مفعول ہے اذن سے ماخوذ ہے اجازت دینا؛ مگر فقہاء نے آگاہ کرنے سے اس کا ترجمہ کیا ہے۔

اصطلاحی تعریف: غلام کے حق میں غلامیت کی وجہ سے جو پابندی تھی اس کو دُور کرنا اور آقا کے حق کو ساقط کرنا ہے، بالفاظِ دیگر ایسا غلام جس کو آقا نے تجارت کرنے کی اجازت نہیں دی تھی اب اس کو تجارت کرنے کی اجازت دے دی تو اس کو ماذون غلام کہتے ہیں۔

(ج) ائمہ کا اختلاف مع دلائل:

اگر عبد ماذون اس قدر مقروض ہو جائے کہ جو مال اس کے قبضہ میں ہے وہ بھی بک جائے اور خود غلام کو فروخت کر کے قرض ادا کرنا چاہے تو ادا نہ ہو سکے، مثلاً غلام اور اس کے مال کی قیمت آٹھ ہزار روپے ہے اور اس پر قرض دس ہزار روپے ہیں تو اب اس کی جان اور مال سب قرض میں گھرا ہے تو اب ایسی صورت میں غلام کے پاس جو مال موجود ہو آقا اس کا مالک ہوگا یا نہیں؟

اس بارے میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ آقا اس غلام کے مال کا مالک نہیں رہا، اب

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

غلام کے مال کو خرچ کرنا چاہے تو کرسکتا ہے تاہم غلام ابھی بھی آقا کا ہے؛ چونکہ ماذون غلام کا مال قرض میں گھر چکا ہے، اس لیے ماذون کی کمائی میں اگر کوئی غلام ہے جو اس نے خریدا تھا، آقا اسے آماد کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا؛ کیونکہ یہ غلام آقا کا نہیں رہا، بلکہ قرض خواہوں کا ہو گیا۔

اور صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ماذون غلام کا مال اور جان اگر قرض میں گھر جائیں پھر بھی وہ آقا کا مال ہے اس لیے آقا اس کے مال کو استعمال کرنا چاہے تو استعمال کرسکتا ہے، ایسے ہی ماذون کے خریدے ہوئے غلام کو آزاد کرنا چاہے تو آزاد کرسکتا ہے، البتہ ایسی صورت میں آقا قرض خواہوں کے قرضوں کا ذمہ دار ہو جائے گا؛ کیونکہ اس نے قرض خواہوں کو غلام آزاد کر کے نقصان دیا ہے۔ (عینی: ۲/۲۲۸)

سوال نمبر (۱۰۵)، مختصر القدوری

قَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْمُزَارَعَةُ بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ بَاطِلَةٌ وَقَالَا جَائِزَةٌ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) مزارعۃ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف نقل کریں۔

(ج) مزارعت کے اقسام مع دلائل ائمہ بیان کریں۔

(د) مزارعۃ صحیح ہونے کی کتنی شرطیں ہیں؟ تحریر کریں۔

جواب

(الف) **ترجمة**

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ تہائی یا چوتھائی پر کھیتی کرنا باطل ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ جائز ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب) مزارعۃ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

لغوی تحقیق: مزارعت باب مفاعلۃ کا مصدر ہے مادہ زرع بونا، بیج ڈالنا۔

اصطلاحی تعریف: اس عقد کو کہتے ہیں جو پیدا ہونے والے غلّہ کی تہائی یا چوتھائی وغیرہ پر منعقد ہو۔

(ج) مزارعت کے اقسام مع دلائل:

کسی کو زمین کاشت پر دینے کی چند صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ مالک اپنی زمین کاشت کار کو کرایہ پر دے دے اور اس سے متعین کرایہ وصول کرے یہ کرایہ نقد کی شکل میں ہو پیداوار کی شکل میں نہ ہو اور مالک زمین کا پیداوار سے کوئی تعلق نہ ہو ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ صورت جائز ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ زمیندار پیداوار کا ایک مناسب حصہ اپنے لیے مقرر کرے مثلاً یہ کہے کہ جتنی پیداوار ہوگی اس میں سے دو تہائی تمہارے لیے اور ایک تہائی میرے لیے یا تین چوتھائی تمہارے لیے اور ایک چوتھائی میرے لیے یا آدھی پیداوار تمہاری اور آدھی پیداوار میری ہوگی اس صورت کے جواز اور عدمِ جواز کے درمیان فقہاء کا اختلاف ہے امام صاحبؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک یہ صورت مطلقاً ناجائز ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک کما قال النووی مستقلاً تو ناجائز ہے؛ لیکن مساقات کے تابع ہوکر جائز ہے، صاحبینؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک مزارعت کی یہ صورت جائز ہے ہمارے یہاں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا استدلال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ لَمْ يَذَرِ الْمُخَابَرَةَ فَلْيُؤْذِنْ بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ. (ابوداؤد: ۲/۴۸۳) جو شخص مخابرہ یعنی مزارعت نہ چھوڑے تو وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اعلانِ جنگ سن لے۔

جواب: ممانعت زمانہ جاہلیت والی مزارعت کی ہے، ان کا طریقہ یہ تھا کہ زمین

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کا ایک خاص حصہ متعین کردیتے تھے کہ فلاں حصہ کا غلّہ ہم لیں گے باقی تمہارا بعض مرتبہ اس حصہ کے اندر غلّہ نہ ہوتا اور دوسرے مقامات میں ہوتا تھا اور بعض مرتبہ صرف اسی کے اندر ہوتا تھا اس کے علاوہ میں نہیں ہوتا تھا اس لیے آپ نے منع فرمایا۔

صاحبین کی دلیل: عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ عَامَلَ اَهْلَ خَیْبَرَ بِشَطْرِ مَایَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ ثَمَرٍ اَوْزَرْعٍ. (ترمذی:۱۶۶/۱)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ خیبر سے آدھی پیداوار پر معاملہ فرمایا چاہے وہ پھل کی ہو یا کھیتی کی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والوں سے جو معاہدہ کیا تھا وہ مزارعت کا معاہدہ تھا وہ معاہدہ یہ تھا کہ اہلِ خیبر ان زمینوں کی کاشت کریں گے اور باغات کو پانی دیں گے اور جو پھل اور پیداوار ہوگی اس کا نصف ان کا ہوگا اور نصف مسلمانوں کا ہوگا، لہٰذا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت فرمائی تو اس کے عدمِ جواز کے کوئی معنیٰ نہیں ہیں۔

(د) مزارعۃ صحیح ہونے کی کتنی شرطیں ہیں؟

مزارعت کے صحیح ہونے کی شرائط یہ ہیں کہ مزارعت کی ایک ایسی مدت بیان کی جائے جو کاشت کاروں کے یہاں مشہور ہو مثلاً ایک سال یا دو سال اگر بٹائی پر کھیت لیا اور یہ بات واضح نہ ہوئی کہ کتنے دنوں کے لیے لیا ہے تو مزارعت فاسد ہوجائے گی؛ کیونکہ مالک چاہے گا کہ جلدی چھوڑ دی جائے اور بٹائی والا چاہے گا کہ ذرا اور دیر ہوجائے جس سے جھگڑا ہوگا؛ اس لیے مدت کا متعین ہونا ضروری ہے۔

سوال نمبر (۱۰۶)، مختصر القدوری

اَلنِّكَاحُ يَنْعَقِدُ بِالْاِيْجَابِ وَالْقَبُوْلِ بِلَفْظَيْنِ يُعَبَّرُ بِهِمَا عَنِ الْمَاضِيْ اَوْيُعَبَّرُ بِاَحَدِهِمَا عَنِ الْمَاضِيْ وَالْآخَرُ عَنِ الْمُسْتَقْبِلِ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

مِثْلَ اَنْ یَّقُوْلَ زَوِّجْنِي فَیَقُوْلُ زَوَّجْتُکَ وَلَایَنْعَقِدُ نِکَاحُ الْمُسْلِمِیْنَ إِلَّابِحُضُوْرِ شَاهِدَیْنِ حُرَّیْنِ بَالِغَیْنِ عَاقِلَیْنِ مُسْلِمَیْنِ اَوْرَجُلٍ وَامْرَأَتَیْنِ عُدُوْلًا کَانُوْا اَوْغَیْرَ عُدُوْلٍ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) پہلی عبارت کی تشریح کریں۔

(ج) نکاح کی لغوی اور اصطلاحی تعریف نقل کرتے ہوئے بتلایئے کہ نکاح کی شرعی حیثیت کیا ہیں؟

(د) دوسرے مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف بیان کرتے ہوئے بتلایئے کہ نکاح کا نصابِ شہادت کیا ہے؟

(ھ) مسلمان کا نکاح ذمیہ کے ساتھ جائز ہے یا ناجائز؟ اختلاف اور دلائل کے ساتھ بیان کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

نکاح منعقد ہوجاتا ہے ایجاب اور قبول کے ایسے دولفظوں سے کہ جن دونوں سے تعبیر کیا جائے ماضی کو یا تعبیر کیا جائے ان میں سے ایک ماضی کو اور دوسرے سے مستقبل کو مثلاً مرد نے کہا میرا نکاح کردے عورت جواب میں کہے میں نے نکاح کردیا۔ اور نہیں منعقد ہوتا نکاح مسلمانوں کا مگر دوگواہوں کی موجودگی میں جو دونوں آزاد ہوں بالغ ہوں عاقل ہوں اور مسلمان ہوں یا ایک مرد اور دوعورتوں کی موجودگی میں عادل ہوں یا غیر عادل ہوں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب) پہلی عبارت کی تشریح:

نکاح ایک عقد ہے اور عقد ایجاب وقبول سے منعقد ہوجاتا ہے؛ اس لیے نکاح ایجاب وقبول سے منعقد ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایجاب وقبول دونوں لفظ فعل ماضی کے ہوں تب نکاح ہوگا؛ کیونکہ معاملات میں بات کا پختہ ہونا ضروری ہے اور یہ بات فعل ماضی میں ہی ہوتی ہے اگر استقبال کا صیغہ مراد لیں تو نکاح کرنے کا صرف وعدہ ہوگ ایک دوسری شکل صاحبِ کتاب اور بتارہے ہیں کہ ایجاب یا قبول میں سے ایک کو فعل ماضی سے تعبیر کیا ہو اور دوسرے کو فعل مستقبل سے یعنی امر کے صیغہ سے تعبیر کیا تب بھی نکاح ہوجائے گا۔

ایجاب کرنے والے نے امر کے صیغہ سے جس کو مستقبل کا صیغہ کہتے ہیں سامنے والے کو نکاح کا وکیل بنایا اور سامنے والے دونوں جانب سے فعل ماضی کا صیغہ استعمال کیا اور نکاح کرادیا تو نکاح ہوجائے گا دونوں جانب سے یہاں بھی فعل ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے اور امر کا جو صیغہ استعمال ہوا ہے وہ سامنے والے کو نکاح کا وکیل بنانے کے لیے ہوا ہے۔

(ج) نکاح کی لغوی واصطلاحی تعریف اور نکاح کی شرعی حیثیت:

نکاح کی لغوی تحقیق: نکاح کے لفظی معنیٰ وطی کے بھی ہیں اور عقد کے بھی، پھر بعض نے پہلے معنیٰ کو حقیقت اور دوسرے کو مجاز قرار دیا ہے کما ہو مذہب الحنفیة اور بعض نے اس کے برعکس کہا ہے یعنی عقد کے معنیٰ میں حقیقت اور وطی کے معنیٰ میں مجاز کما ہو مذہب الشافعیة.

نکاح کی شرعی حیثیت: امام شافعیؒ کے نزدیک نکاح عبادت نہیں گویا دوسرے عقودِ مالیہ کی طرح ایک معاملہ ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک نکاح عقد مالی ہونے کے ساتھ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

عبادت بھی ہے، اس پر اتفاق ہے کہ غلبۂ شہوت کی صورت میں نکاح ضروری ہے؛ چنانچہ ایسا شخص مہر اور نفقہ پر قدرت رکھنے اور حقوق زوجیت ادا کرنے پر قادر ہونے کے باوجود اگر نکاح نہ کرے گا تو گناہ گار ہوگا، اگر غلبۂ شہوت نہ ہو تو نکاح کی شرعی حیثیت کے بارے میں اختلاف ہے ظاہریہ کے نزدیک اس صورت میں بھی نکاح فرضِ عین ہے بشرطیکہ حقوق زوجیت کے ادا کرنے پر قادر ہو جمہور کے نزدیک ایسی صورت میں نکاح فرض نہیں، پھر امام شافعیؒ کے نزدیک نکاح صرف مباح ہے اور نفلی عبادات کے لیے خود کو فارغ کر لینا نکاح میں مشغول ہونے کے مقابلہ میں افضل ہے۔

احناف کی اس مسئلہ میں تین روایات ہیں ایک استحباب کی، دوسری سنیت کی، تیسری وجوب کی، راجح اور مشہور قول ہمارے یہاں یہی ہے کہ سنت ہے اور قدرت کے باوجود ترک نکاح خلافِ اولیٰ ہے۔

نکاح کی اصطلاحی تعریف: وہ ایسا عقد ہے جو ملکِ متعہ کے لیے مفید؛ چنانچہ نکاح کے ذریعہ مرد کے لیے عورت سے نفع اُٹھانا جائز ہو جاتا ہے۔

(د) دوسرے مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف اور نکاح کا نصابِ شہادت:

کیا بغیر گواہوں کے نکاح منعقد ہو جائے گا؟ اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) حضرت امام مالکؒ کے نزدیک گواہوں کا ہونا شرط نہیں ہے؛ بلکہ وہ صرف اعلان کو کافی سمجھتے ہیں۔

(۲) جمہور کا مسلک یہ ہے کہ بغیر گواہوں کے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

امام مالکؒ کی دلیل: زنا سِرًّا ہوتا ہے جس کا تقاضہ یہ ہے کہ نکاح اعلانیہ ہو، تاکہ دونوں میں امتیاز ہو جائے؛ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سراً نکاح کی ممانعت ثابت ہے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ نِكَاحِ السِّرِّ.

جواب: نکاح السر کا مصداق وہ نکاح ہے جس میں گواہ نہ ہوں اور جس نکاح

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

میں گواہ موجود ہوں وہ نکاح اعلانیہ ہے نہ کہ نکاح سر۔

جمہور کی دلیل: حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْبَغَایَا اللَّاتِیْ یَنْکِحْنَ اَنْفُسَهُنَّ بِغَیْرِ بَیِّنَةٍ. (ترمذی:۱۳۱/۱) زانی وہ ہے جو اپنا نکاح بغیر گواہ کے کرے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر گواہ کے نکاح نہیں ہوگا۔

نکاح کا نصابِ شہادت:

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ نکاح جس طرح دو مردوں کی شہادت سے منعقد ہو جاتا ہے اسی طرح ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے بھی منعقد ہو جاتا ہے۔ امام احمدؒ کا مذہب بھی یہی ہے، جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک نکاح میں دو مردوں کی گواہی ضروری ہے اور عورتوں کی گواہی اس باب میں معتبر نہیں۔

امام شافعیؒ کا استدلال: حدیث میں شَاهِدَیْ عَدْلٍ آیا ہے اس میں مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔

جواب: عرفاً شاہدین کے مفہوم میں وہ تمام لوگ آجاتے ہیں جو نصابِ شہادت کو پورا کرتے ہوں اور نصابِ شہادت بنص قرآنی یہ ہے: ﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَإِنْ لَّمْ یَكُوْنَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ﴾۔

(ھ) مسلمان کا نکاح ذمیہ کے ساتھ جائز ہے یا ناجائز؟ اختلاف اور دلائل:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ مسلمان نے یہودیہ یا نصرانیہ سے شادی کی دو یہودی یا دو نصرانی کی گواہی سے تو شیخین کے نزدیک نکاح ہو جائے گا، امام محمدؒ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ ذمیہ کی شادی بھی دو مسلمان گواہوں کے علاوہ سے نہیں ہوگی۔

امام محمدؒ کی دلیل: نکاح میں ایجاب وقبول کے سننے کا نام شہادت ہے اور کافر کی شہادت مسلمان کے خلاف معتبر نہیں ہے تو گویا کہ ذمیوں نے مسلمان کا کلام سنا ہی نہیں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اور جب کلام ہی نہیں سنا تو شہادت بھی نہیں پائی گئی لہٰذا نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

شیخین کی دلیل: ذمی مسلمان کے نقصان کے لیے گواہی دینا چاہے تو قابلِ قبول نہیں ہے؛ لیکن اگر مسلمان کے فائدے کے لیے گواہی دے تو مقبول ہے، اور اس مسئلہ میں یہودی یا نصرانی عورت کا جسم مسلمان کے قبضہ میں آرہا ہے، جو مسلمان کے فائدے کی چیز ہے، اس لیے یہ گواہی مقبول ہوگی۔

سوال نمبر (۱۰۷)، مختصر القدوری

وَلَایَجْمَعُ بَیْنَ الْمَرْأَۃِ وَعَمَّتِھَا اَوْخَالَتِھَا وَلَاابْنَۃِ اُخْتِھَا وَلَاابْنَۃِ اَخِیْھَا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عبارت کی تشریح کریں۔

(ج) "وَلَایَجْمَعُ بَیْنَ امْرَأَتَیْنِ لَوْکَانَتْ کُلُّ وَاحِدَۃٍ مِّنْھُمَا رَجُلًا لَمْ یَجُزْ لَہٗ اَنْ یَتَزَوَّجَ بِالْاُخْرٰی" مذکورہ عبارت کی تشریح کریں۔

(د) "وَلَابَأْسَ بِاَنْ یَجْمَعَ بَیْنَ امْرَأَۃٍ وَابْنَۃِ زَوْجٍ کَانَ لَھَا مِنْ قَبْلُ" اس عبارت کا مطلب بیان کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور نہ جمع کرے عورت کو اور اس کی پھوپھی کو یا خالہ کو اور نہ اس کی بھانجی کو اور نہ اس کی بھتیجی کو۔

(ب) عبارت کی تشریح:

عورت اور اس کی پھوپھی کو جمع کرنا، عورت اور اس کی خالہ کو جمع کرنا حرام ہے مثلاً

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

راشدہ اور اس کی پھوپھی میر جہاں کو ایک نکاح میں جمع کرے اور دونوں ایک ہی شوہر کے نکاح میں ہوں یہ حرام ہے، اسی طرح ساجدہ اور اس کی خالہ ایک ہی شوہر کے نکاح میں ہوں یہ بھی حرام ہے، آگے فرماتے ہیں کہ شوہر کے پاس پہلے سے خالہ ہو تو اس پر اس کی بھتیجی سے شادی نہیں کر سکتا؛ کیونکہ حدیث میں ممانعت ہے۔

(ج) "وَلَا يَجْمَعُ بَيْنَ امْرَأَتَيْنِ إلخ" مذکورہ عبارت کی تشریح:

صاحبِ کتاب نے اس عبارت میں جمع بین المرأتین کی حرمت کے سلسلہ میں ضابطہ بیان فرمایا ہے، ضابطہ یہ ہے کہ جن دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا ہے ان میں سے ہر ایک کو مرد فرض کر کے دیکھا جائے کہ ان دونوں کا نکاح آپس میں شرعاً درست ہے یا نہیں اگر درست ہے تو دونوں کو جمع کر سکتے ہیں اور اگر آپس میں نکاح درست نہیں ہے، تو ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا بھی درست نہیں، مثلاً پھوپھی اور بھتیجی میں سے بھتیجی کو مرد فرض کر لیں تو وہ بھتیجا ہوگا اور بھتیجے کا پھوپھی سے نکاح کرنا حرام ہے؛ اس لیے دونوں نکاح میں جمع کرنا حرام ہوگا اسی پر دوسری صورتوں کو بھی قیاس کر لیا جائے۔

(د) "وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَجْمَعَ بَيْنَ امْرَأَةٍ إلخ" کا مطلب:

یہ مسئلہ ماقبل کے اُصول پر متفرع ہے، مسئلہ ماقبل کے اُصول پر متفرع ہے، مسئلہ یہ ہے کہ عورت اور اس کے پہلے شوہر کی پہلی بیوی سے جو بیٹی ہے ان کو نکاح میں جمع کیا جا سکتا ہے مثلاً فاطمہ نے زید سے نکاح کیا اور زید کی ایک لڑکی رقیہ زید کی پہلی بیوی ساجدہ سے ہے پھر زید نے فاطمہ طلاق بائن دے دی اب اگر شاہد نے زید کی بیٹی رقیہ اور فاطمہ سے نکاح کر کے جمع کیا تو کوئی حرج نہیں اس لیے کہ رقیہ اور فاطمہ میں نہ قرابت ہے اور نہ رضاعت امام زفر فرماتے ہیں کہ جمع نہیں کر سکتے؛ کیونکہ زید کی بیٹی رقیہ کو اگر مرد فرض کریں تو ان کا آپس میں نکاح جائز نہیں؛ کیونکہ فاطمہ اس کے باپ کی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

منکوحہ ہے اور باپ کی منکوحہ سے نکاح جائز نہیں لہٰذا جمع کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

جواب: باپ کی بیوی کو اگر مرد فرض کرلیا جائے تو اجنبی مرد ہوا اور اجنبی مرد کا اس لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اور جمع بین المرأتین کے حرام ہونے کی شرط یہ ہے کہ دونوں جانب سے مرد فرض کرنے کی صورت میں آپس میں نکاح حرام ہو۔

سوال نمبر (۱۰۸)، مختصر القدوری

وَيَنْعَقِدُ نِكَاحُ الْمَرْءَةِ الْحُرَّةِ الْبَالِغَةِ الْعَاقِلَةِ بِرِضَائِهَا وَإِنْ لَمْ يَعْقِدْ عَلَيْهَا وَلِيٌّ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِكْرًا كَانَتْ اَوْ ثَيِّبًا وَقَالَا لَايَنْعَقِدُ اِلَّا بِاِذْنِ وَلِيٍّ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) کیا عبارات النساء سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ ائمہ کا اختلاف مع دلائل نقل کریں۔

(ج) کیا محرم بحالتِ احرام نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

جواب

(الف) ترجمة

اور منعقد ہو جاتا ہے آزاد، بالغہ اور عاقلہ عورت کا نکاح اس کی رضامندی سے اگرچہ نہ کیا ہو اس کے ولی نے امام ابوحنیفہ کے نزدیک لڑکی کنواری ہو یا ثیبہ ہو اور صاحبین نے فرمایا نہیں منعقد ہوگا مگر ولی کی اجازت سے۔

(ب) کیا عبارات النساء سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟

اس عبارت میں صاحبِ قدوریؒ یہ بیان کر رہے ہیں، کہ عبارتِ نساء سے نکاح

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

منعقد ہوجاتا ہے یا نہیں یعنی عورت اپنا نکاح خود کرسکتی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں تفصیل اِس طرح ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عورت کو کسی بھی حال میں اپنے اوپر ولایتِ نکاح حاصل نہیں ہے، ان کے یہاں یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ عورت اپنا نکاح خود نہیں کرسکتی، بلکہ ولی کی تعبیر ضروری ہے اور اس میں صغیرہ، کبیرہ، باکرہ، ثیبہ، عاقلہ اور مجنونہ سب برابر ہیں، اس کے برخلاف امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر عورت آزاد، عاقلہ اور بالغہ ہو تو خود اس کی رضامندی سے بغیر ولی کے نکاح منعقد ہوجائے گا، البتہ ولی کا ہونا مندوب اور مستحب ہے یہی ظاہر الروایہ ہے۔

دوسری روایت حسن بن زیاد سے مروی ہے کہ اگر اس عورت نے نکاح کفو میں کیا ہے تو درست ہے اور اگر غیر کفو میں کیا ہے تو درست نہیں "وَاخْتَارَ بَعْضُ الْمُتَأَخِّرِيْنَ الْفَتْوٰى بِهٰذِهِ الرِّوَايَةِ لِفَسَادِ الزَّمَانِ. (تبیین الحقائق: ۲/۱۱۷ باب الاولیاء والاکفاء)

امام ابویوسفؒ سے اس مسئلہ میں تین روایتیں ہیں پہلی روایت ائمہ ثلاثہ کے مطابق تھی بعد میں انھوں نے اس سے رجوع کرکے اس روایت کو اختیار کیا حسن بن زیاد سے مروی ہے، آخر میں انہوں نے امام صاحب کی پہلی روایت کی طرف رجوع فرمالیا تھا یعنی مطلقاً جواز، امام محمدؒ کی اِس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں: پہلی روایت یہ ہے کہ نکاح ولی کی اجازت پر موقوف ہے خواہ نکاح کفو میں ہو یا غیر کفو میں۔ دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے امام صاحب کی پہلی روایت کی طرف رجوع فرمایا تھا۔

حاصل یہ ہے کہ امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت خود اپنا نکاح کرسکتی ہے، بشرطیکہ آزاد عاقلہ اور بالغہ ہو۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: آیتِ شریفہ ہے "وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ" یعنی تم اپنی بیواؤں کا نکاح کراوٴ، اس آیات میں اولیاء کو خطاب کرکے کہا گیا ہے کہ تم عورتوں کی شادی کردو، اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کی شادی اولیاء کرائیں گے، ان کی شادی نہیں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہوسکتی اور حدیث میں ہے: ''لَانِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ'' نیز حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے: ''أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ''. (ترمذی:۱/۱۳۰) آپ نے فرمایا کہ کسی عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر شادی کی تو اس کا نکاح باطل ہے تین مرتبہ فرمایا۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نکاح منعقد ہونے کے لیے ولی کی اجازت ضروری ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب: آیتِ شریفہ میں عورتوں کے بجائے اولیاء سے اس لیے خطاب کیا گیا ہے؛ کیونکہ عورت باحیاء ہوتی ہے، خود سے نکاح کے لیے نہیں کہہ سکتی ہے، دوسرے یہ کہ نکاح کے لیے محفل نکاح میں جانا پڑتا ہے، وہاں بھی عورت نہیں جاسکتی، اس لیے اولیاء سے خطاب کیا گیا ہے اور احادیث کا احناف کی جانب سے صحیح جواب یہ ہے کہ یا تو یہ اس صورت پر محمول ہوگی جب کہ عورت نے ولی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرلیا ہو۔ اور حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی اس صورت میں نکاح باطل ہے، اسی روایت پر فتویٰ ہے یا پھر ''لَانِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ'' میں نفی سے نفی کمال مراد ہے اور دوسری حدیث کا جواب یہ ہے کہ راوی حدیث یعنی حضرت عائشہؓ کا عمل اس کے خلاف ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ روایت میں آتا ہے حضرت عائشہؓ نے اپنی بھتیجی حفصہ بنت عبدالرحمٰن کا نکاح منذر بن زبیر سے کیا تھا، جبکہ عبدالرحمٰن موجود نہیں تھا، ملکِ شام کے سفر میں تھے، معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک عورت کو باب نکاح میں حق ولایت حاصل ہے یا حدیث میں عورت سے باندی مراد ہے کہ باندی کا نکاح ولی اور آقا کے نہیں ہوسکتا۔

احناف کی دلیل: قرآن کرم میں متعدد جگہ میں نکاح کرنے نسبت عورتوں کی جانب کی گئی ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾. (آیت:۲۳۲، سورۂ بقرہ)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اس آیت میں کہا گیا ہے کہ جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی مدت کو پہنچ جائیں یعنی ان کی عدت مکمل ہو جائے تو ان کو دوسرے شوہروں سے نکاح کرنے سے مت روکو۔ اس آیت میں نکاح کرنے کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے، معلوم ہوا کہ عورت اپنے نکاح کی خود حقدار ہے؛ نیز حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: إِنَّ النَّبِيَّ قَالَ اَلْاَيِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا. (مسلم شریف:۱/۴۵۵) کہ عورت اپنی ذات کی ولی سے زیادہ حقدار ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ خود نکاح کر سکتی ہے۔

(ج) کیا محرم بحالتِ احرام نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

احرام والی عورت ہو یا مرد حالتِ احرام میں ہو، نکاح کرنا جائز ہے یہ مذہب احناف کا ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناجائز ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَایَنْکِحُ الْمُحْرِمُ وَلَایُنْکِحُ وَلَایَخْطُبُ. (مسلم:۱/۴۵۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محرم نکاح نہ کرے اور نہ نکاح کرائے اور نہ منگنی کرے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حالتِ احرام میں نکاح کرنا اور نکاح کرانا دونوں ناجائز ہیں۔

جواب: مذکورہ حدیث میں نکاح کے لغوی معنیٰ (وطی) مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ محرم نہ وطی کرے اور نہ محرم کو وطی پر قدرت دے گویا کہ حدیث میں عقد نکاح کی ممانعت نہیں ہے؛ بلکہ حالتِ احرام میں صحبت کرنے کی ممانعت ہے۔ (عینی شرح ہدایہ:۲/۵۴)

احناف کی دلیل: حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ سے احرام کی حالت میں شادی کی تھی۔ اَنْبَأَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ وَتَزَوَّجَ النَّبِيُّ وَهُوَ مُحْرِمٌ. (بخاری:۲/۷۶۶ باب نکاح المحرم) حضرت ابن عباسؓ نے ہمیں خبر دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا اس حال میں کہ وہ محرم تھے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حالتِ احرام میں شادی کرنا جائز ہے، انصاف کی بات یہ ہے کہ شوافع کا مذہب قوی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہے؛ کیونکہ امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث قولی ہے اور احناف کی پیش کردہ حدیث فعلی ہے اور تعارض کے وقت حدیث قولی مقدم ہوتی ہے حدیث فعلی پر۔

سوال نمبر (۱۰۹)، مختصر القدوری

وَلَایَجُوْزُ لِلْوَلِیِّ اِجْبَارُ الْبِکْرِ الْبَالِغِهِ الْعَاقِلَةِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) شوافع کے نزدیک ولایتِ اجبار کا دارومدار کس پر ہے اور احناف کے نزدیک کس پر؟ اور بتایئے کہ احناف اور شوافع کتنی صورتوں میں متفق ہیں اور کتنی صورتوں میں مختلف ہیں؟

(ج) ائمہ کا اختلاف مع دلائل بیان کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور نہیں جائز ہے ولی کے لیے باکرہ بالغہ عاقلہ کو مجبور کرنا۔

(ب) شوافع کے نزدیک ولایتِ اجبار کا دارومدار کس پر ہے اور.....:

اس عبارت میں صاحبِ کتاب نے ولایتِ اجبار والے مسئلہ کو بیان کیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ آیا ولی کو یہ اختیار ہے کہ وہ عورت کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کردے؟ اگر ہے تو کس صورت میں؟ اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) شوافع کے نزدیک ولایتِ اجبار کا دارومدار بکارت (عورت کے باکرہ اور ثیبہ ہونے) پر ہے یعنی عورت جب تک باکرہ رہے گی ولی کو اس پر ولایتِ اجبار حاصل ہوگی، ارجب وہ ثیبہ ہوجائے گی تو ولایتِ اجبار ختم ہوجائے گی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۲) حنفیہ کے نزدیک ولایتِ اجبار کا دارومدار صغر اور کبر پر ہے یعنی صغیرہ کا نکاح اس کا ولی بغیر اس کی اجازت کے کرسکتا ہے اور بالغہ کا بغیر اس کی اجازت کے نہیں کرسکتا۔

اس اختلاف کے پیش نظر یہاں چار صورتیں پیدا ہوں گی دو اتفاقی اور دو اختلافی (۱) صغیرہ باکرہ (۲) بالغہ ثیبہ یہ دونوں صورتیں اتفاقی ہیں پہلی صورت میں حق اجبار سب کے نزدیک ہوگا اور دوسری صورت میں کسی کے نزدیک نہ ہوگا۔ (۳) صغیرہ ثیبہ (۴) بالغہ باکرہ یہ دونوں صورتیں اختلافی ہیں پہلی صورت میں ولایتِ اجبار جس طرح حنفیہ کے یہاں ہوگی اسی طرح مالکیہ کے یہاں بھی ہوگی اور شافعی کے نزدیک نہ ہوگی اور دوسری صورت میں حنفیہ کے نزدیک ولایتِ اجبار نہ ہوگی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہوگی۔

(ج) ائمہ کا اختلاف مع دلائل:

شوافع کی دلیل: حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْاَیِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا. (ترمذی: ۱/۱۳۱، ابوداؤد: ۱/۲۸۶) کہ عورت اپنی ذات کے بارے میں ولی سے زیادہ حقدار ہے اور عورت سے یہاں ثیبہ مراد ہے اب اگر اس کا مفہوم مخالف نکالا جائے تو یہ عبارت اس طرح ہوگی: اَلْبِكْرُ لَيْسَتْ اَحَقَّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا کہ باکرہ اپنی ذات پر ولی سے زیادہ حق دار نہیں ہے اسی مفہوم مخالف سے استدلال کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ باکرہ اپنے نکاح کی حق دار نہیں ہے؛ بلکہ ولی کو اس پر ولایتِ اجبار حاصل ہے اور ثیبہ اپنے نکاح کی حقدار ہے؛ اس لیے اس پر ولی کو ولایتِ اجبار حاصل نہ ہوگی۔

جواب: مفہومِ مخالف ہمارے نزدیک حجت نہیں ہے نیز "ایم" سے مراد بے شوہر عورت ہے اور اس کا اطلاق باکرہ اور ثیبہ دونوں پر ہوتا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

احناف کے دلائل: حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے: لَاتُنْكَحُ الثَّيِّبُ حَتّٰى تُسْتَأْمَرَ وَلَاتُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَأْذَنَ وَاِذْنُهَا الصَّمُوْتُ. (ترمذی:۱/۱۳۱)حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثیبہ کی شادی نہ کی جائے یہاں تک کہ اس سے مشورہ کیا جائے اور باکرہ کی شادی نہ کی جائے یہاں تک کہ اس سے اجازت لی جائے اور اس کی اجازت اس کا چپ رہنا ہے، اس حدیث میں ثیبہ اور باکرہ دونوں کا حکم ایک بیان کیا گیا صرف اجازت کے طریقہ میں فرق ہے، نیز حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ ایک باکرہ لڑکی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے تذکرہ کیا کہ میرے باپ نے میری شادی کردی حالانکہ میں راضی نہیں تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی کو خیارِ فسخ عنایت فرمایا کہ اگر تو چاہے تو نکاح فسخ کردے۔ (ابوداؤد:۱/۲۸۵باب في البكر يزوجها ابوها ولا يستامرها)

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ باکرہ پر ولایتِ اجبار حاصل نہیں ہوتی اور جب باکرہ اور ثیبہ ہونے پر ولایتِ اجبار کا دارومدار نہیں ہوا تو دوسری شق متعین ہوگئی اور ثابت ہوگیا کہ ولایتِ اجبار کا دارومدار صغر اور کبر پر ہے۔

سوال نمبر(۱۱۰)، مختصر القدوری

وَيَصِحُّ النِّكَاحُ إِذَا سَمّٰى فِيْهِ مَهْرًا وَيَصِحُّ النِّكَاحُ وَإِنْ لَّمْ يُسَمِّ فِيْهِ مَهْرًا وَاَقَلُّ الْمَهْرِ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ فَإِنْ سَمّٰى اَقَلَّ مِنْ عَشَرَةٍ فَلَهَا عَشَرَةٌ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) مہر متعین کیے بغیر نکاح منعقد ہوجاتا ہے یا نہیں؟

(ج) مہر کے بارے میں ائمہ کا اختلاف مع دلائل تحریر کریں۔

(د) مہر فاطمی کا موجودہ وزن کیا ہے؟

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(الف) ترجمة

اور صحیح ہے نکاح جبکہ متعین کرے اس میں مہر اور صحیح ہے نکاح اگر چہ متعین نہ کیا ہو اس میں مہر اور مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے پھر اگر متعین کیا دس درہم سے کم تو اس کے لیے دس درہم ہے۔

(ب) مہر متعین کیے بغیر نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟

صاحبِ قدوری اس عبارت میں نکاح کے حکم کو بیان کرنا چاہتے ہیں اور حکم نکاح وجوبِ مہر ہے، مہر کی مشروعیت کتاب اللہ، حدیث اور اجماع سے ہے۔ قال اللّٰہ تعالٰی: ﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّاوَرَاءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ﴾ (آیت: ۲۴، سورۃ النساء) اور حلال کر دی گئیں ہیں تمہارے لیے محرمات کے سوا سب عورتیں یعنی یہ کہ تم ان کو اپنے مالوں کے بدلے طلب کرو، اس آیت میں "تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ" سے مہر فرض ہونے کی طرف اشارہ ہے؛ اس لیے مہر متعین کیے بغیر بھی شادی ہو جائے گی اور آیت کی وجہ سے خود بخود مہر لازم ہو جائے گا اور مہر کی مشروعیت کے سلسلہ میں احادیث تو بے شمار ہیں۔

(ج) مہر کے بارے میں ائمہ کا اختلاف مع دلائل:

اکثر مہر کی کوئی مقدار نہیں؛ البتہ اقل مہر کی مقدار میں فقہاء کا اختلاف ہے اور اس بارے میں تین مذہب ہیں۔

(۱) امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں؛ بلکہ ہر وہ چیز جو مال ہو اور بیع میں ثمن بن سکتی ہو وہ نکاح میں مہر بن سکتی ہے۔

(۲) امام مالکؒ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار چوتھائی دینار یا تین درہم ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۳) حنفیہ فرماتے ہیں کہ اسلامی شریعت میں کم سے کم مہر دس درہم ہے اس سے کم مہر کی تعیین صحیح نہیں ہوگی اگر دس درہم سے کم مہر باندھا جائے تب بھی دس درہم ہی لازم ہوگا اور دس درہم میں دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی ہوتی ہے اور یہ موجودہ گراموں کے حساب سے ۳۰ رگرام ۶۱۸ رملی گرام ہوتا ہے اور دس گرام کے تولہ سے ۳ رتولہ ۶۱۸ رملی گرام چاندی ہوتی ہے۔

حنفیہ کی دلیل: حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہر دس درہم سے کم نہیں ہے، اس روایت کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے: ﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا فِيْ اَزْوَاجِهِمْ﴾ اس میں لفظ ''فرض'' اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ مہر کی مقدار شرعاً مقرر ہے؛ اس لیے کہ فرض کے معنی مقرر کرنے کے آتے ہیں؛ لیکن قرآن وحدیث کے پورے ذخیرہ میں حضرت جابرؓ کی مذکورہ حدیث کے علاوہ کسی بھی حدیث میں مہر کی کوئی مقدار منقول نہیں لہٰذا یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ آیت بیان مقدار میں مجمل ہے اور حضرت جابرؓ کی روایت اس کے لیے بیان کی حیثیت رکھتی ہے۔ (درس ترمذی: ۳/۳۹۱-۳۹۲) اگر گنجائش ہو تو مہر فاطمی مستحب ہے؛ کیونکہ آپ کی ازواج مطہرات کا مہر بھی مہر فاطمی یعنی پانچ سو درہم تھا۔

(د) مہر فاطمی کا موجودہ وزن کیا ہے؟

مہر فاطمی کا موجودہ وزن:

ایک رتی $\frac{1}{4}$	۱۲۱	ملی گرام
دس رتی	۱۲۱۵	ملی گرام
۹۶ رتی	۱۱۶۶۴	ملی گرم ۱۱ گرام ۶۶۴ ملی گرام قدیم تولہ

ایک ماشہ = ۹۷۲ ملی گرام، ۱۲ ماشہ = ۱۱ گرام ۶۶۴ ملی گرام = ایک تولہ۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

۱۵۷۲ماشہ=۱۳۱تولہ=۱۵۲۷۹۸۴ملی گرام ۱۵۷۵ماشہ=۱۵۳۰۹۰۰ملی گرام ۱۵۳۰گرام ۹۰۰ملی گرام=۱۳۱تولہ ۳ماشہ۔

۱۳۱تولہ ۳ماشہ ڈیڑھ کلو ۳۰گرام ۹۰۰ملی گرام چاندی مہر فاطمی ہے۔اور دس گرام کے تولہ کے حساب سے مہر فاطمی ۱۵۳تولہ ۹۰۰ملی گرام چاندی ہے۔ (ایضاح المسائل:۱۳۰)

سوال نمبر (۱۱۱)، مختصر القدوری

وَاِنْ تَزَوَّجَهَا وَلَمْ يُسَمِّ لَهَا مَهْرًا ثُمَّ تَرَاضَيَا عَلٰى تَسْمِيَةِ مَهْرٍ فَهُوَ لَهَا اِنْ دَخَلَ بِهَا اَوْمَاتَ عَنْهَا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) عبارت کی تشریح کریں۔

(ج) خلوت کی کتنی قسمیں ہیں اور ہر ایک کی تعریف کریں۔

(د) مقطوع الذکر کی خلوت صحیح ہے یا فاسد؟ مع اختلافِ ائمہ تحریر کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور اگر شادی کرے کسی عورت سے اور اس کے لیے مہر متعین نہ کرے پھر دونوں راضی ہو جائیں مہر کی کسی مقدار پر تو اس کو وہی (جس پر دونوں راضی ہو گئے تھے) ملے گا اگر اس سے صحبت کر لی یا مر گیا۔

(ب) عبارت کی تشریح:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ نکاح کے وقت مہر ذکر نہیں کیا پھر دونوں میاں بیوی نے ایک مقدار مقرر کر لی، تو اب اگر شوہر نے بیوی کے ساتھ دخول کیا یا مر گیا تو دونوں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

صورتوں میں وہی مہر لازم ہوگا جس پر دونوں راضی ہو گئے تھے؛ کیونکہ مہر مثل اس وقت واجب ہوتا ہے جب کچھ بھی طے نہ ہو اور یہاں بعد میں ایک مقدار طے کر لی اور عورت اس پر راضی ہو گئی اس لیے مہر مثل لازم نہ ہوگا؛ بلکہ جو طے ہوا تھا وہی لازم ہوگا۔

(ج) خلوت کی قسمیں اور ہر ایک کی تعریف:

خلوت کی دو قسمیں ہیں: (۱) خلوتِ صحیحہ (۲) خلوتِ فاسدہ

(۱) اگر کوئی مانع وطی نہ پایا جائے تو ایسی صورت میں جو خلوت ہوگی وہ خلوتِ صحیحہ کہلائے گی۔

(۲) اور اگر کوئی مانع وطی موجود ہے تو ایسی صورت میں جو خلوت ہوگی وہ خلوتِ فاسدہ کہلائے گی۔

(د) مقطوع الذکر کی خلوت صحیح ہے یا فاسد؟ مع اختلافِ ائمہ:

مسئلہ یہ ہے کہ مقطوع الذکر کی خلوت، صحیح ہے یا فاسد؟ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر مقطوع الذکر نے خلوت کی اور پھر طلاق دے دی تو عورت کے لیے شوہر پر پورا مہر لازم ہوگا اور یہ خلوت صحیحہ کہلائے گی؛ کیونکہ عورت پر رگڑنے کے لیے بضع کو سپرد کرنا واجب تھا اور یہی عورت کی قدرت میں ہے وہ یہ کام کر چکی یہ اور بات ہے کہ مرد اپنی مجبوری کی وجہ سے وصول نہیں کر پا رہا ہے لہٰذا مرد پر پورا مہر لازم ہوگا۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ یہ خلوتِ فاسدہ ہے لہٰذا اگر طلاق دے دی تو نصف مہر واجب ہوگا؛ کیونکہ بیمار کو سپرد کرنے سے خلوتِ صحیحہ نہیں ہوتی ہے تو مقطوع الذکر تو اس سے زیادہ بیمار کے درجہ میں ہے؛ کیونکہ مریض تو کبھی نہ کبھی جماع پر قادر ہو سکتا ہے؛ لیکن مقطوع الذکر جماع پر بالکل قدرت نہیں رکھتا؛ اس لیے اس کو سپرد کرنے سے خلوتِ صحیحہ بھی نہیں ہوگی اور پورا مہر لازم نہیں ہوگا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال نمبر (۱۱۲)، مختصر القدوری

وَإِذَازَوَّجَ الرَّجُلُ اِبْنَتَهٗ عَلٰى اَنْ يُّزَوِّجَهُ الرَّجُلُ اُخْتَهٗ اَوْبِنْتَهٗ لِيَكُوْنَ اَحَدُ الْعَقْدَيْنِ عِوَضًا عَنِ الْآخَرِ فَالْعَقْدَانِ وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا مَهْرُ مِثْلِهَا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) نکاح شغار کی تعریف کریں۔

(ج) شغار کے بارے میں ائمہ کا مذہب بیان کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

جب شادی کی کسی نے اپنی بیٹی کی اس شرط پر کہ وہ اس کی شادی کرے گا اپنی بہن یا لڑکی سے تاکہ ہو جائے دونوں میں سے ایک بدلہ دوسرے کا تو دونوں عقد جائز ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے لیے مہر مثل ہوگا۔

(ب) نکاح شغار کی تعریف:

شغار کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص دوسرے سے مثلاً یہ کہے کہ میں اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح تجھ سے کرتا ہوں تو اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح مجھ سے کردے اس طور پر کہ یہ آپس کا لین دین ہی نکاح کا عوض اور مہر ہو جائے اس کے علاوہ کوئی اور مستقل مہر نہ ہو، شغار کے لغوی معنیٰ اٹھانے کے ہیں۔ شغر الکلب: اس وقت کہا جاتا ہے جب کتا پیشاب کے لیے اپنی ٹانگ اٹھائے، تو گویا نکاح شغار میں متعاقدین میں سے ہر شخص دوسرے سے یہ کہتا ہے کہ تم میری بیٹی کی ٹانگ نہیں اُٹھا سکتے، یہاں تک کہ میں تمہاری

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

بیٹی کی ٹانگ نہ اُٹھاؤں، اور کہا گیا ہے کہ یہ ماخوذ ہے شغر البلد سے، جبکہ وہ خالی اور ویران ہو جائے۔ وجہ مناسبت ظاہر ہے کہ یہ نکاح بھی مہر سے خالی ہوتا ہے۔

(ج) شغار کے بارے میں ائمہ کا مذہب:

حنفیہ کے نزدیک شغار اگر چہ جائز نہیں، ہاں! اگر کیا جائے تو نکاح صحیح ہو جائے گا؛ لیکن مہر مثل واجب ہوگا۔

جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس صورت میں نکاح ہی منعقد نہیں ہوتا وعن احمد روایتان مثل الشافعیة والحنفیة. اور امام مالکؒ سے اس میں دو روایتیں ہیں: ایک یہ کہ مطلقاً واجب الفسخ ہے، اور دوسری روایت یہ کہ صرف قبل الدخول واجب الفسخ ہے۔

امام شافعیؒ کا استدلال حضرت عمران بن حصین کی روایت کے ان الفاظ سے ہے: وَلَاشِغَارَ فِي الْإِسْلَامِ یعنی اسلام میں نکاح شغار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (ترمذی: ۱/۱۴۲) یہ حدیث نکاح شغار کے عدم جواز پر دلالت کرتی ہے۔

جواب: ہمارے نزدیک یہ حدیث مخالفت پر محمول ہے نہ کہ ابطال پر (بدائع: ۲/۲۷۸) شافعیہ نے اپنے مذہب پر ایک دلیل عقلی بھی بیان کی ہے، کہ شغار کی صورت میں لازم آتا ہے کہ ہر ایک عورت کا بضع مہر بھی ہو اور منکوح بھی اور یہ درست نہیں۔

جواب: ہمارے نزدیک شغار کی صورت میں اعتبار مہر مثل کا ہے لہٰذا ہر عورت کا بضع محض منکوح کی حیثیت رکھتا ہے نہ کہ مہر اور منکوح دونوں کی دیکھئے فتح القدیر (۳/۲۲۲) حنفیہ کے نزدیک نہی عن الافعال الشرعیہ منہی عنہ کی مشروعیت کا تقاضا کرتی ہے لہٰذا نکاح درست ہے حنفیہ کے مذہب کی مزید وضاحت یہ ہے کہ شغار کی صورت میں احد البضعین کو جو دوسرے کا مہر ٹھہرایا گیا ہے یہ تسمیہ فاسد ہے؛ کیونکہ بضع مال نہیں؛ اس لیے مہر نہیں بن سکتا لہٰذا ایسی صورت میں ہر ایک عورت مہر مثل کی مستحق ہوگی۔ حاصل یہ کہ بضع کو مہر قرار دینا شرط فاسد ہے اور نکاح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال نمبر (۱۱۳)، مختصر القدوری

قَلِيْلُ الرَّضَاعِ وَكَثِيْرُهُ إِذَا حَصَلَ فِيْ مُدَّةِ الرَّضَاعِ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيْمُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) رضاع کی لغوی اور اصطلاحی تعریف نقل کریں۔

(ج) دودھ کی کتنی مقدار سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوجائے گی؟

(د) مدتِ رضاعت کے متعلق ائمہ کا اختلاف بیان کریں۔

(ھ) "ولبن الفحل يتعلق به التحريم" کا مطلب بیان کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

تھوڑا دودھ پیا ہو یا زیادہ جب یہ حاصل ہو رضاعت کی مدت میں تو ثابت ہوگی اس سے حرمت۔

(ب) رضاع کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

رضاع کی لغوی تحقیق: رضاع، را پر فتحہ اور کسرہ دونوں آتے ہیں؛ مگر بفتح الراء اصل ہے فصیح لغت میں باب (س) سے ہے اور اہلِ نجد نے کہا ضرب سے ہے لغت میں رضاعت چھاتی سے دودھ چوسنے کو کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: شیرخوار (دودھ پیتا بچہ) کا ایک مخصوص مدت میں عورت کی چھاتی سے دودھ چوسنا۔

(ج) دودھ کی کتنی مقدار سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوجائے گی؟

دودھ کی مقدار (جس سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوجائے گی) میں اختلاف

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہے؛ چنانچہ اس مسئلہ میں چار مذاہب ہیں:

(۱) حنفیہ اور امام احمدؒ کی مشہور روایت بھی اس کے مطابق ہے۔

(۲) داؤد ظاہری کے نزدیک تین مرتبہ بچہ دودھ چوسے گا تب حرمت ثابت ہوگی اس سے کم نہیں۔

(۳) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ پانچ مرتبہ دودھ چوسے گا تب حرمت ثابت ہوگی وھو روایة عن احمد ومذھب لابن حزم.

(۴) دس رضعات سے کم میں حرمت ثابت نہیں ہوتی حضرت حفصہؓ کا مذہب یہی ہے۔ حضرت عائشہؓ کے مذہب میں مختلف روایات ہیں ان سے ایک روایت عشر مرات کی ہے، دوسری سبع مرات کی اور تیسری خمس کی۔ (دیکھئے: عمدۃ القاری:۲/۹۶)

حنفیہ کی دلیل: ﴿وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْ اَرْضَعْنَكُمْ﴾ (آیت:۲۳، سورۃ النساء) اور تمہاری مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا، اس آیت میں مطلقاً رضاعت کو سببِ تحریم قرار دیا گیا ہے قلیل وکثیر کی کوئی تفریق نہیں کی گئی نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے یَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَایَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ. (سنن نسائی:۲/۸۱) حرام ہوجاتا ہے رضاعت سے جو حرام ہوجاتا ہے نسب سے اس میں بھی مطلق رضاعت کو محرّم قرار دیا گیا ہے لہٰذا مطلقاً دودھ پینا حرمت کا سبب ہوگا۔

داؤد ظاہری کا استدلال: حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَاتُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَاالْمَصَّتَانِ". (ترمذی:۱/۱۳۷) مَصٌّ بمعنیٰ چوسنا اور "تا" اس میں مرۃ (ایک مرتبہ) کے لیے ہے یعنی بچہ کا اپنی ماں کے پستان کو ایک یا دوبار چوسنا موجبِ حرمت نہیں ہے یہ تو منطوق حدیث ہوا اور مفہوم حدیث یہ ہوا کہ تین بار چوسنا موجبِ حرمت ہے۔

جواب: مذکورہ حدیث منسوخ ہے ناسخ حضرت علیؓ کی روایت ہے: یَحْرُمُ مِنَ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

الرَّضَاعِ مَایَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ قَلِيلُهُ وَكَثِيرُهُ. (جامع المسانید للخوارزمی:۲/۹۷)

(۲) مذکورہ حدیث اس پر محمول ہے کہ جب دودھ بچہ کے پیٹ میں نہ پہنچا ہو جیسا کہ دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض مرتبہ ماں بچہ کو دودھ پلانا چاہتی ہے اور پستان اس کے منہ میں داخل بھی کر دیتی ہے؛ لیکن وہ پینا نہیں چاہتا۔ (الدر المنضود:۴/۲۱)

امام شافعیؒ کا استدلال: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ قرآن میں اُترا ہے کہ دس مرتبہ چوسنا حرام کرتا ہے پھر منسوخ ہو کر پانچ مرتبہ چوسنا رہ گیا پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے اور وہ ایسے ہی ہے جو قرآن میں پڑھا جاتا ہے۔ (مسلم:۱/۴۶۹، باب التحریم بخمس رضعات) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانچ مرتبہ چوسنے سے پہلے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

جواب: حدیث میں جو "خمس رضعات" (پانچ مرتبہ چوسنا) کے الفاظ آئے ہیں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چند ہی دن پہلے منسوخ ہوئے؛ اس لیے بعض صحابہ کو ان کے نسخ کا پتہ نہ چل سکا؛ چنانچہ بعض صحابہؓ آپ کی وفات تک بطورِ قرآن ان الفاظ کی تلاوت کرتے رہے۔ علامہ نووی نے اس کے یہی معنیٰ بیان کیے ہیں۔ (شرح نووی علی مسلم:۱/۴۶۸) نیز مصاحف عثمانیہ میں کہیں بھی "خمس رضعات" کے الفاظ موجود نہیں جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ الفاظ بھی بعد میں منسوخ ہو گئے تھے۔

(د) مدتِ رضاعت کے متعلق ائمہ کا اختلاف:

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ کل مدتِ رضاعت دو سال ہے، صاحبینؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مدتِ رضاعت ڈھائی سال ہے، امام زفرؒ کے نزدیک کل مدتِ رضاعت تین سال ہے۔

جمہور کا استدلال: ﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ (آیت:۲۳۳، سورۃ البقرہ) مائیں اپنی اولاد کو مکمل دو سال دودھ پلائیں، اس آیت میں ہے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کہ دوسال دودھ پلائیں نیز حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے فرماتے ہیں: "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَارَضَاعَ إِلَّامَا کَانَ فِي الْحَوْلَیْنِ". (دار قطنی، کتاب الرضاع: ۱۰۳/۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے رضاعت مگر دوسال کے اندر۔

امام ابوحنیفہؒ کا استدلال: وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا اور حمل میں رہنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس ماہ میں ہے۔ صاحب ہدایہ نے اس استدلال کو اس طرح بیان کیا ہے کہ باری تعالیٰ نے اس آیت میں دو چیزوں کا ذکر کرکے ان کی مدت بیان کی ہے جس کا تقاضہ یہ تھا کہ حمل اور رضاعت ہر ایک کے لیے تیس ماہ کی مدت ہوتی؛ لیکن حمل کے حق میں کم کردینے والی دلیل موجود ہے اور وہ دلیل حضرت عائشہؓ کا قول: اَلْوَلَدُ لَایَبْقٰی فِي بَطْنِ اُمِّهٖ اَکْثَرَ مِنْ سَنَتَیْنِ وَلَوْبَقَدْرِ فُلْکَةِ مَغْزَلٍ ہے۔ (فتح القدیر) بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں دوسال سے زیادہ باقی نہیں رہتا اگرچہ وہ تکلے کے دمڑے کی مقدار ہی کیوں نہ ہو، لہٰذا فصال اپنے ظاہر پر رہے گا اور وہ تیس ماہ ہے۔

فائدہ: جمہور اور صاحبین کا مذہب دلائل کی رو سے نہایت قوی اور راجح ہے؛ چنانچہ علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ و لایخفی قوۃ دلیلها. (البحر الرائق: ۲۳۹/۳)

(ھ) "ولبن الفحل یتعلق به التحریم" کا مطلب:

لبن الفحل ایک فقہی اصطلاح ہے، اس کی تشریح یہ ہے کہ دودھ کی نسبت جس طرح عورت کی طرف ہوتی ہے اور ہونی چاہیے، اسی طرح اس کی نسبت مرد کی طرف بھی ہوتی ہے سبب ہونے کی حیثیت سے اس لیے کہ عورت کے پستان میں دودھ کا تحقق اللہ کی قدرت سے بچہ کی پیدائش کے بعد ہوتا ہے جس میں ظاہر ہے کہ مرد کا دخل ہے جمہور علماء اور ائمہ اربعہ لبن الفحل کے قائل ہیں؛ چنانچہ جس طرح رضاعی بیٹے کی شادی رضاعی ماں سے ناجائز ہے اسی طرح رضاعی بیٹی کی شادی رضاعی ماں کے شوہر سے ناجائز ہے، گویا کہ دودھ پلانے والی عورت جس طرح رضاعی ماں قرار دی گئی اسی طرح

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اس کا شوہر رضیع کے لیے باپ قرار دیا گیا ہے وھٰذا ھو معنی لبن الفحل عند الفقھاء۔ صورتِ مسئلہ مثال سے سمجھیں مثلاً عائشہ نے زینب کو دودھ پلایا تو عائشہ کا شوہر راشد جس کی صحبت سے عائشہ کو دودھ اترا ہے اس شوہر کے لیے زینب دودھ پینے والی بچی حرام ہوگئی اسی طرح شوہر راشد کا باپ بچی کے لیے دادا بن گیا؛ اس لیے راشد کا باپ زینب سے شادی نہیں کرسکتا راشد کا نسبی بیٹا خالد زینب کا رضاعی بھائی بن گیا اس لیے زینب اس رضاعی بھائی سے شادی نہیں کرسکتی۔

سوال نمبر (۱۱۴)، مختصر القدوری

وَإِذَاطَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَأَتَهُ فِيْ اِمْرَأَتَهُ فِيْ حَالِ الْحَيْضِ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَيَسْتَحِبُّ لَهُ اَنْ يُرَاجِعَهَا فَإِذَا طَهُرَتْ وَحَاضَتْ وَطَهُرَتْ فَهُوَ مُخَيَّرٌ إِنْ شَاءَ طَلَّقَهَا وَإِنْ شَاءَ اَمْسَكَهَا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) طلاق کی اقسامِ ثلاثہ کی تعریف کریں۔

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل بیان کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اور جب طلاق دے دی مدنے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں تو طلاق واقع ہو جائے گی اور مستحب ہے اس کے لیے یہ کہ اس سے رجوع کرلے پھر جب وہ پاک ہو جائے اور حائضہ ہو پھر پاک ہو جائے تو اس کو اختیار ہے چاہے طلاق دے چاہے عورت کو روک لے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب) طلاق کی اقسامِ ثلاثہ کی تعریف:

طلاق کی تین قسمیں ہیں: (۱) طلاقِ احسن (۲) طلاقِ سنت (۳) طلاقِ بدعی

طلاقِ احسن: یہ ہے کہ مرد اپنی منکوحہ کو ایک طلاق ایسے طہر میں دے جس میں صحبت نہ کی ہو پھر مزید طلاق نہ دے؛ بلکہ عدت گزر جانے دے۔

طلاقِ سنت: یہ ہے کہ شوہر اپنی منکوحہ مدخول بہا کو ایسے طہر میں طلاق دے جس میں صحبت نہ ہو پھر دوسرے اور تیسرے طہر میں بھی اسی طرح طلاق دے یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے۔

طلاقِ بدعی: یہ ہے ماخالف قسمی السنة (الاحسن والحسن) یعنی جو طلاق احسن اور طلاق حسن دونوں کے خلاف ہو۔

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل:

حیض میں دی جانے والی طلاق اگر چہ حرام اور طلاقِ بدعی ہے مگر پھر بھی واقع ہو جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حیض کی حالت میں طلاق دی تھی تو ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع کرنے کے لیے کہا تھا اور رجوع ظاہر ہے کہ طلاق کے وقوع کے بعد ہی ہو سکتا ہے ورنہ رجوع کا کوئی مطلب نہیں؛ چنانچہ ائمہ اربعہ اور جمہور کا یہی مذہب ہے، بخلاف ظاہریہ، روافض، اور خوارج کے، کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ طلاق واقع نہیں ہوتی ہے؛ کیونکہ منہی عنہ ہے فلایکون مشروعا، اور ہم یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمرؓ کو رجوع کا حکم فرمایا اور ظاہر ہے کہ رجوع عن الطلاق بدون الطلاق محال ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حیض میں دی جانے والی طلاق سے رجوع کرنا شوافع اور حنابلہ کے نزدیک مستحب ہے اور یہی ایک روایت حنفیہ کی ہے مگر صاحبِ ہدایہ نے وجوب کی روایت کو اصح قرار دیا ہے اور مالکیہ کے نزدیک واجب ہے؛ نیز مالکیہ کے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

نزدیک اس کو رجوع پر مجبور کیا جائے گا مار پیٹ سے یا قید سے یا ڈرانے دھمکانے سے جیسا بھی موقع ہو۔

سوال نمبر (۱۱۵)، مختصر القدوری

وَإِنْ قَالَ لَهَا إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً فَدَخَلَتِ الدَّارَ وَقَعَتْ عَلَيْهَا وَاحِدَةٌ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا تَقَعُ ثِنْتَانِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) صورتِ مسئلہ کو واضح کریں۔

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل بیان کریں۔

جواب

(الف) **ترجمہ**

اور اگر عورت سے کہا اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے ایک اور ایک وہ گھر میں داخل ہوگئی تو اس پر ایک واقع ہوجائے گی، امام صاحبؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ دو واقع ہوں گی۔

(ب) صورتِ مسئلہ:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر متعدد طلاقیں شرط پر معلق کی گئیں ہیں اور ایک کا دوسری پر واو کے ذریعہ عطف کیا گیا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں ہیں: شرط مقدم ہوگی یا مؤخر اگر مؤخر ہے مثلاً کہا: أنتِ طالق واحدة وواحدة ان دخلت الدار پھر عورت گھر میں داخل ہوگئی تو بالاتفاق دونوں واقع ہوجائیں گی، اور اگر شرط پر مقدم ہے مثلاً کہا: ان

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دخلت الدار فانت طالق واحدۃ وواحدۃ اور غیر مدخول بہا گھر میں داخل ہوگئی تو اب اس بارے میں اختلاف ہے کہ کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل:

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک واقع ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک اس صورت میں دو واقع ہوں گی۔

امام صاحبؒ کی دلیل: کلمہ واو اتصال اور ترتیب دونوں کا احتمال رکھتا ہے یہاں اگر اتصال کے معنیٰ کی رعایت کی جائے تو دو واقع ہوں گی اور اگر ترتیب کے معنیٰ کا لحاظ کیا جائے تو ایک واقع ہوگی، پس معلوم ہوا کہ ایک طلاق سے زائد میں شک ہے اور شک کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی؛ اس لیے ایک سے زیادہ واقع نہیں ہوگی۔

صاحبینؒ کی دلیل: کلمہ واوٌ مطلقاً جمع کے لیے آتا ہے لہٰذا دونوں طلاقیں جمع ہوکر معلق ہوں گی اور یکبارگی واقع ہوں گی جس طرح شرط کو مؤخر کرنے کی صورت میں بالاتفاق دو واقع ہوتی ہیں اسی طرح تقدیم کی صورت میں بھی دو واقع ہوں گی۔

جواب: آپ نے تقدیم شرط کی صورت کا تاخیر شرط کی صورت پر قیاس کیا ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ قیاس صحیح نہیں؛ کیونکہ تاخیر کی صورت میں شرط کلام اوّل کو بدلنے والی ہے لہٰذا اوّل کلام شرط پر موقوف رہے گا اب شرط پائے جانے کے بعد دونوں کلام آخر کلام پر موقوف بھی نہ ہوگا؛ اس لیے دونوں طلاقیں علی الترتیب واقع ہوں گی اور عورت چونکہ غیر مدخول بہا ہے؛ اس لیے وہ پہلی ایک سے ہی بائنہ ہوجائے گی۔

سوال نمبر (۱۱٦)، مختصر القدوری

إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِامْرَأَتِهِ وَاللّٰهِ لَا أَقْرُبُكِ أَوْ لَا أَقْرُبُكِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ فَهُوَ مُولٍ فَإِنْ وَطِيَهَا فِي الْأَرْبَعَةِ الْأَشْهُرِ حَنِثَ فِي يَمِينِهِ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

وَلَـزِمَتْهُ الْـكَفَّارَةُ وَسَـقَـطَ الْإِيْلَاءُ وَإِنْ لَّـمْ يَقْرُبْهَا حَتّٰى مَضَتْ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ بَانَتْ بِتَطْلِيْقَةٍ وَاحِدَةٍ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب) ایلاء کی لغوی اور اصطلاحی تعریف نقل کریں۔

(ج) ائمہ کا اختلاف مع دلائل بیان کریں۔

جواب

(الف) ترجمة

اگر کہا شوہر نے اپنی بیوی سے اللہ کی قسم میں تیرے قریب نہ آؤں گا یا چار ماہ تک تیرے قریب نہ آؤں گا یہ شخص ایلاء کرنے والا ہو جائے گا اب اگر وہ اس سے صحبت کر لے چار ماہ کے اندر تو حانث ہو جائے گا اپنی قسم میں اور لازم ہوگا اس پر کفارہ اور ساقط ہو جائے گا ایلاء اور اگر اسکے قریب نہ گیا یہاں تک کہ چار ماہ گزر گئے تو ایک طلاق کے ساتھ بائنہ ہو جائے گی۔

(ب) ایلاء کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

ایلاء کے لغوی معنیٰ: آلیٰ، یولی، ایلاءً قسم کھانا۔

ایلاء کی اصطلاحی تعریف: چار ماہ یا زائد اپنی بیوی سے نہ ملنے کی قسم کھانا۔

ایلاء کا ثبوت: اس آیت میں ہے ﴿لِلَّـذِيْـنَ يُـؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ﴾ جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں ان کو چار ماہ رُکنا ہے۔

(ج) ائمہ کا اختلاف مع دلائل:

اس سلسلہ میں دو مذہب ہیں:

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۱) حنفیہ کے نزدیک چار ماہ گزرتے ہی خود بخود طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور تفریق کے لیے قضاءِ قاضی کی ضرورت نہ ہوگی۔

(۲) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک چار ماہ گزرنے پر خود بخود طلاق واقع نہیں ہوتی؛ بلکہ مدت پوری ہونے پر قاضی شوہر کو بلا کر رجوع کا حکم دے گا اگر اس نے رجوع کر لیا تو ٹھیک ورنہ اس کو طلاق دینے کا حکم دے گا۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال: ﴿لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَاؤُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ سے ہے کہ اس میں چار ماہ گزرنے کے بعد عزمِ طلاق کا ذکر کیا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ محض مدت گزر جانے سے طلاق واقع نہیں ہوتی؛ بلکہ عزمِ طلاق ضروری ہے۔

جواب: جہاں تک آیتِ قرآنی سے اسدلال کا تعلق ہے اس کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ منقول ہے: اِنْقِضَاءُ الْاَرْبَعَةِ عَزِيْمَةُ الطَّلَاقِ وَالْفَيْءُ الْجِمَاعُ. (مصنف عبدالرزاق: ۶/۴۵۴) چار ماہ کا گزر جانا ہی عزم طلاق ہے اور رجوع کرنا صحبت سے ہے۔

حنفیہ کی دلیل: حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کے آثار ہیں جو اس بات پر متفق ہیں کہ چار ماہ گزرنے سے خود بخود طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ (درسِ ترمذی: ۳/۵۲۲)

بحمد اللہ تعالیٰ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa